વ ક ફ

આ કિતાબ હાજી મહમદઅલી ભાઈ અલીભાઈ સુંદરજી "સોમાસોક" તનનરીવ માડાગાસ્કારવાળા તરફથી તેમના મરહુમ સગાવહાલાઓની રૂહોના સવાબ અર્થે વકફ કરવામાં આવેલ છે.

લાભ લેનાર ભાઈ- બહેનો મરહુમોની અરવાહોના સવાબ અર્થે એક સુરએ ફાતેહા પઢી બક્ષી આપે એવી નમ્ર અરજ છે.

L٦٥

انوارِ خمسہ

المعروف

کلیاتِ مفتاح الجنّہ

مُصنّف

الحاج محمّد بن محمّد الشّہیر المقدّس زنجانیؒ

ترتیب و نظرِ ثانی

سیّد محمّد شبّر عبّاس

پیشکش

ولی العصرؑ ٹرسٹ رتّہ متّہ ضلع جھنگ

نام کتاب	انوار خمسہ المعروف کلیات مصباح الجنۃ
طبع اول	۱۹۸۸ء
تعداد	ایک ہزار
مطبع	
کتابت	نبیل احمد خاں
مترجم	مولانا اثیر جاڑوی ضمیمہ: مولانا سید ظل حسنین زیدی سرسوی
ناشر	ولی العصر ٹرسٹ رتہ متہ ضلع جھنگ
ہدیہ	

ملنے کا پتہ

افتخار بک ڈپو۔ اسلام پورہ۔ لاہور

انتساب

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکلوتی بیٹی

جناب سیدۂ عالمین فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

کے نام

اے خاکِ مدینہ تری گلیوں میں ابھی تک

ہم بنتِ پیمبرؐ کی لحد ڈھونڈ رہے ہیں!

(الحاج سید محسن نقوی)

سید محمد شبر عباس

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ
انتساب	۳
فہرست مضامین	۴
عرض ناشر	۷
حرف آغاز	۹
مقدمہ	۱۲
حدیثِ کساء	۱۲
پہلی مجلس	۲۳
پانچ نور۔	۲۳
نور اول (نور نبوت) دوسرا نور (نور عصمت)	
تیسرا نور (نور خلافت) چوتھا نور (نور امامت)	
پانچواں نور (شہیدِ عبرت)	
دوسری مجلس	۸۶
پانچ عزاخانے	۸۷
پہلا عزاخانہ: خانۂ رسولؐ	
دوسرا عزاخانہ: خانۂ علیؑ (کوفہ میں)	۱۰۴
تیسرا عزاخانہ: خانۂ علیؑ	۱۳۱

عنوان	صفحہ
چوتھا عزاخانہ: خانۂ حسنؑ مجتبیٰ	۱۳۶
پانچواں عزاخانہ: میدان کربلا	۱۶۲
تیسری مجلس	۱۶۷
اسلام اور حضرت عبدالمطلب کی پانچ سنتیں	۱۶۸
چوتھی مجلس	۱۸۷
مدینہ میں پانچ مرتبہ ماتم اور کربلا میں پانچ مرتبہ ماتم	۱۸۷
مدینہ میں پہلا ماتم	۱۸۸
مدینہ میں دوسرا ماتم	۱۹۰
مدینہ میں تیسرا ماتم	۱۹۰
مدینہ میں چوتھا ماتم	۱۹۱
مدینہ میں پانچواں ماتم	۱۹۱
پانچویں مجلس	۱۹۹
تاریخ میں بکثرت گریہ کنندگان پانچ	۱۹۹
حضرت آدمؑ	۲۰۰
حضرت یعقوبؑ	۲۰۰
حضرت یوسفؑ	۲۰۱

عنوان	صفحہ
بنتِ رسولؐ	۲۰۱
حضرت سجاد ابن سید الشہداء	۲۰۵
چھٹی مجلس	۲۱۰
پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزیں غنیمت ہیں	۲۱۰
ساتویں مجلس	۲۲۰
قبر میں پانچ سوال	۲۲۰
آٹھویں مجلس	۲۲۹
ترکۂ میت کے پانچ حصے	۲۲۹
نویں مجلس	۲۳۸
اہلبیت کا آنحضورؐ سے پانچ چیزوں میں اشتراک	
دسویں مجلس	۲۵۸
ملک الموت ہر گھر میں روزانہ پانچ مرتبہ آتا ہے۔	
گیارہویں مجلس	۲۶۹
نافرمان کے پانچ اعمال	
بارہویں مجلس	۲۷۸
پانچ مقامات پر اعمال ضبط۔	

عنوان	صفحہ
تیرہویں مجلس	۳۰۲
توراۃ میں پانچ نام	
چودہویں مجلس	۳۱۰
صدقہ کی پانچ اقسام	
پندرہویں مجلس	۳۱۸
پانچ افراد شیطان کے پھندے میں نہیں آتے۔	
سولہویں مجلس	۳۴۳
پانچ انبیاءؑ کی آزمائش	
سترہویں مجلس	۳۴۹
حوض کوثر پہ پانچ عَلموں کے ساتھ اُمت محمدیہ کی آمد	
اٹھارہویں مجلس	۳۵۷
سرور انبیاءؐ پر پانچ خصوصی عنایات	
اُنیسویں مجلس۔	۳۶۸
آنحضرت کے لئے جبرئیل کی پانچ بشارتیں۔	
بیسویں مجلس	۳۹۶
پانچ صفات کی بدولت ... رفع عذاب	

عنوان	صفحہ
اکیسویں مجلس	۴۱۷
جہنم کا آتشیں بچھو	
پانچ قسم کے افراد کو کاٹے گا	
بائیسویں مجلس	۴۳۸
حضرت علیؑ کی پانچ خصوصیات	
تئیسویں مجلس	۴۴۸
امام جعفر صادقؑ کے پانچ دائمی اعمال	
چوبیسویں مجلس	۴۵۶
ایسے پانچ افراد جن کا پہلے کوئی ہمنام نہ تھا۔	
پچیسویں مجلس	۴۶۳
خدا اور ملائکہ کا پانچ قسم کے افراد پر درود بھیجنا۔	
خاتمۂ کتاب	۴۸۱
پندرہ نصیحتیں	
ضمیمہ	۴۹۹
پانچ بہنوں کا بھائیوں کی خاطر سفر	۴۹۹
پانچ زہر جو معصومینؑ کو دیئے گئے۔	۵۲۴
پانچ معصومؑ قیدی	۵۴۱
پانچ معصومینؑ کا بعد رحلت کلام کرنا	۵۶۱
پانچ مستورات کی میتوں کو ایک مرد کا دفن کرنا۔	۵۷۶

عرضِ ناشر

یہ مسلّمہ امر ہے کہ مجالس عزاء حضرت امام حسین علیہ السلام درسگاہ علم و عمل ہیں جن میں مومنین کرام اور موالیانِ امام انام تعلیمات محمد و آل محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین سے اپنی جھولیاں پُر کرتے ہیں فضائل آل محمد سن کر دل خوش ہوتے ہیں اور اُن کے مصائب سُن کر آنکھیں مثل ابرِ نیساں آنسوؤں سے تر ہوتی ہیں۔ بنا بریں ضرورت ہے اس امر کی کہ مجالس کی ایسی کتب منظر عام پر لائی جائیں کہ جو حفاظتِ ناموسِ اہلبیتِ طاہرین کے لئے اپنی قسم کا ایک حرز جواد ہوں۔ اسی جذبہ کے تحت میرے ادارۂ ولی العصر نے چند ماہ کے قلیل عرصہ میں فضائل و مصائب اہلِ بیتؑ سے بھرپور کتب شائع کی ہیں جو بفضلہٖ تعالیٰ ملت جعفریہ میں مقبول خاص و عام ہیں۔ انہی کتب کے سلسلہ کی ایک کتاب "انوارِ خمسہ" المعروف کلیاتِ مفتاح الجنّہ۔ مصنفہ حضرت حاج محمد بن محمد الشہیر المقدس زنجانی (ایران) ہے۔ میں نے اس کتاب کے حصول کی کوشش کی۔ میری خوش قسمتی ہے کہ مذکورہ کتاب اعنی "انوارِ خمسہ" جناب مولانا آغا علی حسین قمی صاحب آف بھکّر سے مل گئی۔ میں ممنون ہوں کہ انہوں نے یہ بیش بہا نسخہ عطا کر کے میری معاونت کی۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اس کا اردو ترجمہ مولانا اثیر جاڑوی صاحب نے کیا ہے اور خاتمۂ کتاب کے بعد بطور ضمیمہ انوارِ خمسہ پانچ مجالس جو پانچ پانچ مضامین پر مشتمل ہیں شامل کتاب کی ہیں جو جناب مولانا ظلِ حسنین صاحب قبلہ زیدی سرسوی نے مدوّن کی ہیں جو کہ مولانا موصوف کا علمی شاہکار ہیں۔ میں یہ بھی واضح کر دینا

ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے ادارہ ولی العصر رتہ متہ ضلع جھنگ کا شروع ہی سے
یہ طریقہ رہا ہے کہ مترجم حضرات اور دوسرے اہل قلم و نظر جو ادارہ ولی العصر
کے لئے کام کرتے ہیں ان کے شایانِ شان دامے درہمے ان کی خدمت ادا کی جائے
بنا بریں میں کتاب کے طبع ہونے سے پہلے ہی ان کا حق خدمت کر دیتا ہوں ایسا
اس لئے بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ فریضۂ واجبہ کی ادائیگی سب کاموں پر مقدم ہے
میری تمام شائع شدہ کتابوں کے جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں اور بلا شرکت غیرے
میرے ادارہ ولی العصر رتہ متہ ضلع جھنگ کو جملہ حقوق دائمی طباعت و
نشر و اطاعت حاصل ہیں۔ ان کتب کی اشاعت کا مقصد اعلیٰ یہ ہے کہ دنیائے
اسلام علوم و معارف محمد و آل محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین سے مستفیض ہو۔
میں نے خصوصی طور پر ترجموں میں اس بات کو برقرار رکھا ہے کہ اپنے عقائد کا
تحفظ ہو اور کسی دوسرے پر ایراد و اعتراض نہ ہو۔ میری ساری کتابیں اختلافات
سے پاک ہیں۔ میں خداوند عالم کی بارگاہِ اقدس میں ملتجی ہوں کہ اس کتاب
کی اشاعت پر جو ثواب مرتب ہو وہ میرے والدین مرحومین اور دوسرے
مرحوم بزرگوں کی ارواح کو عطا ہو۔

یہ کتاب عظیم پیش کش ہے۔

مجھے اس امر کی خوشی ہے کہ ادارہ ولی العصر کو مفتاح الجنۃ کی اشاعت کے بعد
حضرت محمد بن محمد الشہیر المقدس زنجانی کی مشہور و معروف کتاب انوار خمسہ
المعروف کلیات مفتاح الجنۃ شائع کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

خاک پائے اہلبیت
سید محمد شبر عباس

حرفِ آغاز

اس خالق کی حمد ہے جس نے کائنات عالم کو پانچ کے انوار عالیہ
سے خلق فرمایا۔
جس نے جنت و جہنم کو پانچ کے انوارِ عالیہ سے وجود دیا۔
جس نے ہمیں پانچ کے دامن سے تمسک کی توفیق سے نوازا
جس نے ہمیں اپنے پانچ اولیاء سے محبت کی بدولت تمام امتوں
سے برتر قرار دیا۔
جس نے ہماری مجالس کو پانچ کے انوارِ عالیہ کے تذکرہ کی بدولت
افضل کیا۔
جس نے ہماری قبور کو پانچ کے انوار عالیہ کے نور الانور سے منور کیا۔
جس نے اپنے پانچ اولیاء سے ولایت کی بدولت اس دن ثابت قدم
رکھنے کا وعدہ کیا جس دن لوگوں کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے۔
جس نے ہمیں پانچ کے علم کے زیرِ سایہ جنت میں بھیجنے کا
وعدہ کیا۔
اے اللہ! ان کے اوّل و آخرین پر اپنی رحمت کا سایہ رکھ

اور ان کے اعداء پر یوم عداوت سے تا حشر لعنت فرما۔

امابعد:۔ محمد ابن محمد خاک پائے عزاداران سید الشہداء عرض پرداز ہے کہ میں نے اپنی زندگی کا ایک عرصہ آل طٰہٰ و یٰسین کے مناقب جمع کرنے میں صرف کیا۔ اور ساتھ ساتھ جمع کرنے کا سلسلہ بھی شروع رکھا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ وسائل نجات میں سے اگر کوئی کامل اور موثق وسیلۂ نجات ہے تو فقط یہی ہے۔ پھر میں نے انھیں مقبول بنانے کی خاطر مدتوں کی عرق ریزی سے چار چار کے حساب سے تقسیم کیا۔ جب اس گلدستہ کی دستہ بندی سے فارغ ہوا تو میں نے دیکھا کہ، چار فضائل اور چار مصائب دونوں ہی عزاداران امام مظلوم کے لئے انتہائی قابلِ قبول ہیں اگر ہر مجلس کے مجموعہ کو ہشت بہشت کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ میں نے اس کا نام مفتاح الجنۃ رکھا اور اللہ سے درخواست کی کہ اس کے ذریعہ سید الشہداء کی مظلومیت پر ہر رونے اور رلانے والے بشمول راقم الحروف جنّت کے قفلِ در کھول دے۔

مفتاح الجنۃ کی تالیف و ترتیب کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ خمسۂ نجباء کے عدد سے زیادہ مناسب ہے۔ لہٰذا پانچ ہی کے دامن نوازش سے تمسک بہتر رہے گا۔ کیونکہ رب ذوالجلال نے آدم و عالم کی تخلیق کو خمسۂ نجباء ہی کی خلقت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اور انہی کے طفیل سے کونین کو زیورِ تخلیق سے آراستہ فرمایا ہے۔ اور عالم ذر میں جب ارواح سے اپنی ربوبیت کا میثاق لیا تو اس میثاق میں اپنے ساتھ خاتم النبیین اور آپ کی عترتِ طیبہ کو بھی شامل فرمایا۔

الست بربکم و محمد نبیکم و علی ولیکم کیا میں تمہارا رب، محمد تمہارے نبی اور علی تمہارا ولی نہیں ہے۔

چنانچہ زیرِ نظر کتاب میں میں نے پانچ پانچ کی ترتیب سے دستہ بندی کی ہے۔ اور اس امید پر کی ہے کہ خمسۂ نجباء کے مبارک عدد کے طفیل خالق خمسہ نجباء میری تقصیرات سے درگزر فرمائے گا اور یوم حشر مجھے انہی کے سایہ عاطفت میں جگہ عنایت فرمائے گا۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

پنجۂ دست ترا ہیچ ندانی کہ چرا — کسے کیا معلوم کہ خالقِ کونین نے اپنی حکمت کاملہ
پنج انگشت عطا شد بوی از صنع خدا — سے ہاتھ کے پنجہ کو پانچ انگلیاں کیوں عطا کی ہیں
یاد عہد لیست کہ اقرار نمودی ز ازل — یہ تو صرف عالم ذر میں کئے گئے عہد کی یاد دہانی ہے
کہ نہ جیبی بجز از دامن اصحاب عبا — کہ صاحبان تطہیر کے سوا اور کسی سے تمسک مت رکھنا۔

زیرِ نظر کتاب کا نام۔ انوار خمسہ ہے۔ اس میں ایک مقدمۃ، پچیس مجالس اور ایک خاتمہ ہے۔

محمد بن محمد

حدیث کساء

مقدمہ

اپنی اس کتاب کا آغاز تبرکاً ہم حدیث کساء سے کرتے ہیں جو فرقہ حقہ امامیہ کے ہاں متواترت مسلمہ ہے۔ اور ذات احدیت نے خاتم النبیین، سید المرسلین، محبوب رب العالمین، حبیب رحمٰن، سبب ایجاد عالم امکان مخدوم انس وجان، معلم عالم ملکوت، ہمائے آشیانہ لاہوت، شہباز عالم جبروت اور کوکب دری مقام ناسوت اور آپ کی ذریت طاہرہ کو اس شرف سے بے پایاں نوازا ہے۔ اس حدیث کے آخر میں اس کے فوائد مذکور ہیں۔ جو اس سوال کا جواب ہیں جو امام المتقین قائد الغر المحجلین یعسوب الدین امیر المومنین حضرت علی نے رسول عالمین سے حدیث کساء کے متعلق فرمایا ہے اور زبان وحی ترجمان نے ارشاد فرمایا ہے۔

مراثی مقاتل کی بعض کتب میں میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ حدیث کساء جس محفل میں بھی پڑھی جائے، حضرت ولی الامر بنفس نفیس اس بزم میں تشریف لاتے ہیں۔ لہٰذا تمام مومنین کو چاہیئے کہ جب بھی حدیث کساء کی کسی محفل میں شامل ہوں تو انتہائی باادب ہوں اور باوضو بیٹھیں

یوں سمجھیں کہ ہم براہِ راست اور بلا واسطہ اپنے آقا و مولیٰ کی خدمت میں بیٹھے ہیں اور انہی کو پرسہ دے رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایسی محفل میں شریک ہونے والے ہر شخص کا ہر آنسو بارگاہِ خالق میں منظور و مقبول ہوگا۔

حدیثِ کساء

کتب معتبرہ میں ام الائمہ، محرومۃ المسرۃ، مظلومۃ الامت، اور بضعۃ النبی سے مروی ہے کہ ہادی امت، پیکرِ رحمت، مجسم نجابت، میرے والد بزرگوار تشریف لائے اور فرمایا،

اے زہرا بیٹی! مجھے جسم میں ذرا سی نقاہت محسوس ہو رہی ہے۔ میں نے عرض کیا۔ اللہ آپ کے مقدس جسم کو ہر درد و الم سے محفوظ رکھے۔

آپ نے فرمایا۔ میں کچھ دیر کے لئے آرام کرنا چاہتا ہوں، یعنی چادر لاکر مجھے اڑھا دو۔

میں جلدی سے اٹھی۔ اندر گئی۔ چادر لائی اور آپ کو اڑھا دی۔ میں نے دیکھا آپ کا چہرۂ انور ماہ دو ہفتہ کی طرح جگمگا رہا تھا۔ ابھی کچھ ہی وقت گذرا تھا کہ میرا بڑا فرزند دلبند حسن مجتبیٰ آیا اور کہا، السلام علیک یا اماہ۔ ماں میرا اسلام! میں نے جواب میں کہا، علیک السلام یا قرۃ عینی و ثمرۃ فؤادی۔ میرا میوہ دل اور سرور چشم ما در میرا بھی سلام۔

پھر کہا۔ یااماہ انی اشم رائحۃ طیبۃ کانہا رائحۃ جدی رسول اللہ

ماں آج مجھے ایسی خوشگوار خوشبو آرہی ہے جیسے میرے جدِ امجد نانا بزرگوار کی خوشبو ہو؟

میں نے کہا۔ ہاں جانِ مادر! تیرے نانا زیرِ کساء آرام فرما رہے ہیں۔ شہزادہ قریب کساء ہوا۔ اور عرض کی۔

السلام علیک یا جداہ السلام علیک یا رسول اللہ اتاذن لی ان ادخل معک تحت ھذا الکساء؟

نانا جان سلام! رسول اللہ حسن کا سلام! کیا مجھے زیرِ کساء آنے اجازت نہیں دیں گے؟

آپ نے اجازت دی۔ میرا لال نانا کے ساتھ داخل ہوگیا۔ اور نانا کی سکون بخش اور پاکیزہ گود میں آرام پذیر ہوگیا۔

ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ میرا شہید نینوا بیٹا حسین آیا اور عرض کی۔ السلام علیک یا اماہ — امی جان! حسینؑ کا سلام۔ میں نے کہا۔

وعلیک السلام یا قرۃ عینی و ثمرۃ فؤادی۔ میرے دل کا چین، میرا نورِ عین حسین ماں کا تجھ پہ سلام۔

عرض کیا۔ امی! مجھے گھر سے ایسی خوشگوار مہک آرہی ہے جیسے میرے نانا کی خوشبو ہو۔

میں نے کہا۔ ہاں بیٹے۔ آپ کا نانا جان تیرے حسن بھائی کے ساتھ زیرِ کساء آرام فرما رہے ہیں۔ میرا شہزادہ جلدی جلدی نانا کے

پاس آیا۔ رکا اور عرض کیا۔

السلام علیک یا جداہ۔ السلام علیک یا من اختارہ اللہ۔

نانا جان مسافر حسین کا سلام۔ اے اللہ کے مصطفیٰ نبی پیارے حسین کا سلام۔ کیا آپ مجھے زیرِ کساء آنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

آپ نے فرمایا۔ بابی انت و امی۔ میرے حسین! میرے ماں باپ تیری مظلومی پر نثار ہو جائیں۔ آجا میرے لال شہزادہ داخل کساء ہوا۔

عزادارو! مقام عبرت ہے۔ جب حسین کی مدینہ میں یہ قدر و منزلت نظر آتی ہے۔ اور پھر اسی حسین کا وہ منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے۔ جب نبی کا یہی لاڈلا حسین۔ تین دن کا بھوکا اور پیاسا تنہا رہ جاتا ہے۔ زخموں سے چور زین ذوالجناح سے تیروں کی نوکوں پر آتا ہے۔ تیروں کی نوکوں سے کربلا کی تپتی ہوئی زمین پر آتا ہے۔ ریگ صحرا کے ذرات خون بہتے ہوئے جسم نازنین کے بوسے لیتے ہیں اور عمر سعد اپنے لشکر میں منادی کرتا ہے — ہے کوئی جو زخموں سے نڈھال دل زہرا کا سر کاٹ لائے اور منہ مانگا، انعام لے؟ ہے کوئی جو بوسہ گاہ نبوی پر جا کر اپنی تلوار کی دھار رکھ کر کمسن سکینہ کے سر یتیمی کا پہاڑ رکھ دے۔ ام رباب اور ام لیلیٰ کے سروں سے مظلومیت کا یہ آخری سایہ بھی چھین لے۔ اور ہے کوئی جو علی زادیوں سے بھائی جدا کر دے؟ اور جو چاہے لے لے۔ سوگوارو! یقین کیجئے۔ اگرچہ نواسۂ رسول اپنے جواں سال اور کمسن بیٹوں۔ بھائیوں بھتیجوں

بھانجوں اور جانثاروں کی شہادت سے روحانی طور پر ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔ زخموں کی حالت یہ تھی کہ شمالی ہوا جسم ناتواں سے گزر کر جنوب کی طرف اور جنوب کی ہوا پیاسے جسم سے گزر کر شمال کی طرف آرہی تھی مگر بایں ہمہ تمام لشکر یزید دیکھ چکا تھا کہ بابائے سکینہ کا سر لانا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عمر سعد بار بار اعلان کر رہا تھا لیکن کوئی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ بالآخر شقی کونین شمر ملعون نے کہا۔ اے امیر! یہ کام میرے سوا کوئی نہیں کر سکے گا عمر سعد نے کہا پھر جلدی کر۔ جا۔ ذریتِ رسول کے بچے ابھی تک آس لگائے بیٹھے ہیں۔ جب تک جسم حسین پر سر موجود رہے گا اس وقت ان کی آس نہیں ٹوٹے گی۔ ذرا واپس جلدی آنا۔ بہت بڑا انعام تیرے انتظار میں ہے۔

یہ ظالم تلوار بدست چلا۔ آیا۔ دیکھا۔ ہر طرف لاشے بکھرے ہیں۔ اور ان بکھرے لاشوں کے درمیان دلبند زہرا زخموں سے چور خون میں ڈوبا ہوا قبضہ تلوار پر پیشانی رکھے محو تسبیح رب ذوالجلال ہیں۔ جب قریب آیا۔ نواسۂ رسول نے سر اٹھا کر دیکھا۔ شمر سامنے تھا۔ ایک سرد آہ بھری اور فرمایا۔

شمر! کس لئے آیا ہے۔

شمر! حسینؑ تجھے زخموں کی تکلیف سے نجات دینے۔

حسینؑ۔ کیا مجھے پہچانتا بھی ہے؟

شمر! ہاں حسین میں پہچانتا ہوں۔ تو علی کا بیٹا۔ ابو طالب کا

پوتا ہے۔ آپ کی ماں زہرا بنتِ رسول ہے اور تیرا نانا سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ہے۔

مظلوم! اتنا پہچاننے کے بعد پھر کیوں میرے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرتا ہے؟

شمر! انعام کی خاطر۔ آپ کو کیا معلوم کہ آپ کا سر کاٹ کر لیجانے کے بعد مجھے کتنا انعام ملے گا۔

مظلوم! اگر انعام ہی چاہتا ہے تو یہ انعام تجھے میرے نانا۔ اور میری ماں زہرا ابھی دے دیں گے۔

شمر! میں جانتا ہوں۔ جو کچھ آپ کی طرف سے ملے گا وہ صرف وعدہ ہے۔ ادھار ہے۔ جبکہ یزید کی طرف سے جو ملے گا وہ نقد ہے۔

مظلوم! اچھا ایسا کر۔ میرے قریب بیٹھ جا۔ میری حالت دیکھ رہا ہے میں زخموں سے چور ہو چکا ہوں۔ میرے پاؤں سے پیشانی تک کوئی جگہ ایسی نظر نہیں آرہی ہوگی جہاں نیزے اور تیر کا زخم نہ ہو۔ میں ویسے بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ کچھ انتظار کر لے۔ میں ابھی اپنے نانا کے پاس پہنچنے والا ہوں۔ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ میرے خون سے اپنے ہاتھ نہ رنگ۔ جب میری روح میرے جسم کا ساتھ چھوڑ دے سر کاٹ کر لے جانا۔ تجھے انعام بھی مل جائے گا۔

شمر! جو لطف کسی زندہ کا سر کاٹنے میں ہوتا ہے بھلا مردہ جسم

سے سَر جدا کرنے میں وہ مزہ کہاں ہے۔ میں تو صرف یزید کے سامنے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے اس وقت بوسہ گاہِ رسالت پر تلوار رکھی جب وہ زندہ تھا۔

بنتِ رسول فرماتی ہیں کہ کچھ دیر ابوالحسنین، ضارب بالسیفین، اور طاعن بالرمحین تشریف لائے اور فرمایا السلام علیک یابنت رسول اللہ۔ اے پارۂ رسول علی کا سلام۔ میں نے عرض کیا۔ اے سرتاج میرا بھی سلام۔ فرمایا۔ انی اشمر رائحۃ طیبۃ کانھا رائحۃ۔ اخی ابن عمی رسول اللہ۔ آج مجھے اس گھر سے ایسی خوشگوار خوشبو آ رہی ہے۔ جیسے میرے آقا۔ میرے مولا۔ میرے بھائی۔ اور رسولِ کونین کی خوشبو ہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں میرے سرتاج! میرے بابا اور آپ کے بھائی۔ آپ کے دونوں بیٹوں کے ہمراہ زیرِ کساء آرام پذیر ہیں۔ آپ چادر کے قریب آئے۔ اور عرض کیا۔ السلام علیک یارسول اللہ رسولِ کونین میرا سلام ہو۔ کیا آج مجھے بھی چادر میں آنے کی اجازت مل جائے گی؟

نبی الحرمین نے سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا۔ آ یاعلی! تو بھی آجا۔ چنانچہ آپ بھی زیرِ کساء تشریف لے گئے۔ جب میں نے دیکھا کہ میرے بیٹے۔ اور میرا سرتاج زیرِ کساء ہیں تو میں اپنی جگہ سے اٹھی۔ بابا کے قریب آئی۔ اور عرض کیا۔ السلام علیک یا ابتاہ۔ السلام علیک یارسول اللہ۔ بابا جان میرا سلام۔ رسولِ کونین میرا سلام۔ کیا مجھے بھی اجازت ہے کہ چادر میں آجاؤں؟ آپ نے فرمایا۔

بیٹی! میرا بھی تجھ پر سلام۔ آؤ آجاؤ۔ تم بھی چادر میں آجاؤ۔ میں بھی چادر کے نیچے آگئی۔

خلاقِ عالم نے جب ہمارے اس اجتماع کو دیکھا۔ تو ملأ اعلیٰ میں فرمایا۔

اے میرے ملائکہ! اے میرے آسمان میں رہنے والو! مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے! میں نے یہ نیل گوں قبہ۔ زمین کا یہ زمردیں فرش۔ یہ چمکتا آفتاب۔ یہ دمکتا ماہتاب و درخشندہ ستارے۔ دریاؤں کی روانی۔ سمندر کی موجیں اور سطحِ سمندر پر چلنے والی کشتیاں صرف ان پانچ کی محبت میں پیدا کی ہیں۔ اگر انہیں پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو کچھ بھی پیدا نہ کرتا۔

جبرئیل نے عرض کیا۔ بارالہٰا یہ کون ہیں؟

ذاتِ احدیت نے فرمایا۔ چادر کے نیچے۔ اہلِ بیتِ نبوت۔ معدنِ رسالت، خزینۂ شرافت گنجینۂ نجابت، نگینہ انگشترِ عصمت و عفت اور میری کنیز فاطمۂ زہرا۔ میری کنیز کا باپ میری کنیز کا شوہر نامدار اور میری کنیز کے دونوں بیٹے ہیں۔

جبرئیل نے عرض کی۔ اے ربِ ذوالجلال کیا مجھے اجازت ہے کہ ان پانچ کے ساتھ میں چھٹا ہو جاؤں؟

ارشادِ ربِ العزت ہوا۔ میری طرف سے اجازت ہے۔

جبرئیل آیا اور چادر سے باہر کھڑے ہو کر عرض کیا۔

السلام علیک یارسول اللہ! اے حبیبِ خدا جبرئیل کا سلام۔

رب کریم نے زیر کساء بیٹھنے والوں کو سلام کہا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ۔ میں اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آسمان کا یہ شامیانہ۔ زمین کا فرش۔ ستاروں کی یہ قندیلیں۔ آفتاب و ماہتاب کے یہ چراغ۔ دریاؤں کی لہریں۔ آسمانوں میں گردش۔ اور ان میں ملائکہ مدبرہ کو صرف اور صرف تمہاری عظمت اُجاگر کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔

اے رسول عالمین کیا۔ اجازت ہے کہ میں بھی زیر کساء آجاؤں۔ جبریل زیرِ کساء آیا اور عرض کیا۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا۝

عزادارو! کیا مقامِ عبرت نہیں۔ کیا یہ مقام حسرت نہیں کہ یہی وہ گھر ہے جس میں آج جبریل بھی بلا اجازت داخل نہیں ہو رہا۔ اور پھر بعد از رسول کیا وہی گھر نہیں تھا جس کے دروازہ پر لکڑیاں جمع کی گئیں۔ آگ لگائی گئی۔ مدینہ والوں نے دھواں اُٹھتا دیکھا۔ بنتِ رسول کا پہلو مجروح ہوا اور شکم مادر میں محسن شہید ہوا — تسبیحِ الٰہی کرنے والے دائیں دستِ زہرا کو دامن علی سے چھڑانے کی خاطر درے کی ضرب سے جدا کیا گیا پھر اس ہاتھ سے جگر پارہ نبی تسبیح خدا نہ کر سکی۔ مسلمانو! ہمیں حسرت ہے۔ ہمارے آنسو نہیں تھمتے۔ ہمارا جگر کباب ہے۔ مگر کیوں! صرف اس لئے کہ

درِ زہرا پر لکڑیاں جمع کرنے والے یہودی نہیں تھے۔
خانہ بنتِ رسول کے دروازہ کو آگ لگانے والے عیسائی نہیں تھے۔
بضعۃ الرسول کے گھر میں گھس کر پہلوئے زہرا کو مجروح کرنے والے

مجوسی نہیں تھے۔
بطنِ معصومہ میں محسن کو شہید کرنے والے غیر مسلم نہیں تھے۔

عزادارو! یقین کرو۔ گیارہ ہجری میں آگ کی یہی چنگاری جو درِ زہرا پر سلگی تھی اس کے شعلے اکسٹھ ہجری کے یومِ عاشور میدانِ کربلا میں اس وقت بھڑکے جب نواسۂ رسول کا سر نوکِ نیزہ پر بلند کیا گیا۔ یہی محمد رسول اللہ پڑھنے والے ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے خیامِ اہل بیت میں داخل ہوئے۔ ہر طرف سے خیموں کو آگ دکھا دی گئی۔ اب بے سہارا زہرا زادیاں تھیں اور مسلح فوج یزید۔ انتقام تو جنگِ اُحد ہندہ نے جناب حمزہ کا جگر چبا کر بھی لیا تھا۔ لیکن کربلا میں ہندہ کے پوتے کی فوج نے رسول زادیوں سے جو سلوک کیا ہے تاریخ کو ہندہ کی جگر خواری بھول گئی۔ ہاتھوں سے بھی چادریں اتاری جاسکتی تھیں۔ لیکن تاریخ دیکھئے۔ کسی کمسن بچی کے سر سے بھی چادر نہیں لی گئی ہاتھوں کا یہ کام نیزوں سے لیا گیا۔ ان اندھے نیزوں کو کیا معلوم تھا کہ سر سے صرف چادر ہی لینا ہے۔ نیزہ جب سر سے بلند ہوتا تھا۔ چادر بھی رنگین ہوتی تھی۔ نیزے کی انی بھی سرخ ہوتی تھی اور مستورات کے بال بھی خضاب ہوتے تھے۔

مسلمانو! جتنا رو سکتے ہو رو لو۔ کسی نبی کی امت نے اپنے نبی کی اولاد سے ایسا سلوک نہیں کیا۔ جو تم خاتم النبیین کی امت نے ذریت فخر دو عالم سے کیا ہے۔

مریم کبریٰ فرماتی ہیں نے آیۂ تطہیر کی تلاوت مکمل کر لی تو بابائے

شبرؑ و شبیرؑ شاہ خیبر گیرؑ خلیفہ بشیر و نذیر۔ یعنی میرے سرتاج حضرت امیرؑ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ نگاہ قدرت میں ہمارے اس بیٹھنے کی کیا فضیلت ہے؟

میرے بابا نے فرمایا۔ یا علی! جس ذات نے مجھے برحق مبعوث برسالت کیا ہے اس کی قسم! کرۂ ارض کے جس خطہ میں بھی ہماری اس نشست کا تذکرہ کیا جائے گا اس محفل پر اللہ کی بے شمار نعمتیں نازل ہوں گی۔ ملائکہ ان کے لئے استغفار کریں گے۔

حضرت علی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ پھر تو ہم اور ہمارے شیعہ سعادت مند ہیں۔ میرے بابا نے فرمایا۔ یا علی! مجھے نبوت دینے والے کی قسم! جس محفل میں ہماری اس مجلس کا ذکر کیا جائے گا۔ اگر اس میں کوئی غمزدہ ہو گا اللہ اس کے غم دور فرمائے گا۔ اور اگر کوئی بیمار ہو گا اللہ اسے شفا دے گا۔ اور اگر کوئی حاجت مند ہو گا تو اللہ اس کی حاجت روائی کرے گا۔

حضرت علی نے عرض کیا۔ ہم اور ہمارے شیعہ خوش نصیب ہیں۔

پانچ نور

پہلی مجلس

نجبائے خمسہ کی ولادت۔ جسے انوارِ خمسہ کے عنوانات میں بیان کیا جائے گا۔

۱۔ نورِ نبوّت

۲۔ نورِ خلافت

۳۔ نورِ عصمت

۴۔ نورِ مصلحِ اُمّت

۵۔ نورِ شہیدِ عبرت

نورِ اوّل

نورِ نبوت

نور خاتم الانبیاء کا نقطہ آغاز۔ ولادت سرور انبیاء بعد از ولادت عالمِ ملکوت میں لیجایا جانا۔ ملأ اعلیٰ میں مقربین ملائکہ کی آنکھوں کا منور ہونا۔ بعد از ولادت سید الشہداء کو آسمان کی بشارت پر لے جانا۔ حوض کوثر اور شجرۂ طوبیٰ کا نثار کرنا۔ و شادیٔ جناب سیدہؑ۔

روایت کتاب انوار ۔ حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ایک وہ وقت تھا جب خالق تھا مخلوق نہ تھی۔ رازق تھا مرزوق نہ تھے۔ معبود تھا عابد نہ تھے۔ مسجود تھا ساجد نہ تھے۔ رب تھا مربوب نہ تھے اور حبیب تھا محبوب نہ تھے۔ عرش و کرسی۔ ارض و سماء۔ لوح و قلم۔ جنت و جہنم۔ آدم و حوا اور آب و ہوا کی تخلیق سے لاکھوں برس پہلے ذاتِ احدیت نے نورِ محمدؐ کو پیدا فرمایا۔

نورِ محمدؐ نے اپنی تخلیق کے فوراً بعد بارگاہِ قدرت میں کھڑے ہوکر تقدیس و تکبیر خالق کی۔ ذاتِ احدیت نے نگاہِ شفقت سے دیکھا اور فرمایا۔ تو میرا مصطفیٰ۔ میرا مجتبیٰ اور میری تمام مخلوق کا مقصدِ تخلیق ہے اگر تجھے پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو کائناتِ عالم کی چیز پیدا نہ کرتا۔

ذاتِ احدیت نے نورِ محمدؐ سے بارہ حجاب پیدا کئے۔ نورِ محمدؐ کو حکم دیا کہ ان حجابات میں داخل ہوجا۔ ہر حجاب میں باری باری نورِ نبوی نے کئی کئی ہزار برس تسبیح و تقدیس خالق کی۔ پھر خدائے قدوس نے نور سے بیس دریا پیدا کئے۔ ہر دریائے نور میں نورِ نبوی نے کئی کئی ہزار برس غوطہ زنی کی۔ جب آخری دریائے نور سے باہر آیا تو ذاتِ احدیت نے فرمایا۔

اے میرے حبیب ۔

○ تو میرا مصطفیٰ اور میری مخلوق میں افضل و برتر ہے۔

○ تو روزِ جزا شفیع اُمم ہوگا۔

اس کریمانہ نوازش کے بعد نورِ محمد سجدہ ریز ہوگیا۔ جب سجدے سے سر اٹھایا تو جبینِ مبین پر ایک لاکھ چوبیس ہزار قطراتِ عرق نمودار ہوکر گرے۔ اللہ نے ایک ایک قطرۂ نور سے ایک ایک نبی پیدا فرمایا۔ انبیاء کے یہ تمام انوار نورِ محمدؐ کے گرد طواف میں مصروف ہوگئے۔ اور نبی اکرم کا نورِ نبوت ان کو تبلیغ توحید فرمانے لگا۔ چنانچہ ان انوارِ انبیاء نے نبی کونین کی تبلیغ سے تسبیح و تقدیس خالق شروع کردی۔

کتاب العوالم میں نبی کریم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ہے ذاتِ احدیت نے مجھے اس وقت پیدا کیا جب نہ زمین تھی نہ آسمان۔ نہ آتش دوزخ تھی نہ باغ جناں۔ نہ جن تھے نہ انسان۔ نہ توراۃ تھی نہ فرقان۔ نہ تیر تھا نہ کمان۔ یہ وہم تھا نہ گمان۔ نہ روح تھی نہ جان اور نہ شر تھا نہ امان۔ میں اس وقت تسبیح ربِ جلیل کرتا تھا۔ میرے نور کو شگافتہ کرکے اس سے عرش پیدا کیا۔

فنور العرش من نوری۔ عرش کا نور میرے ہی نور سے ہے۔

پھر نور علی کو شگافتہ کیا اس سے ملائکہ کو پیدا کیا۔

فالملائکہ من نور علی ملائکہ نورِ علی سے پیدا ہوئے ہیں۔

پھر نور فاطمہ کو شگافتہ کیا اس سے ارض وسما پیدا کیے۔

فالارض والسماء من نور فاطمہ ارض وسما نورِ فاطمہ سے پیدا ہوئے ہیں۔

پھر نور حسن کو شگافتہ کرکے اس سے شمس وقمر کو پیدا فرمایا۔

فالشمس والقمر من نور الحسن آفتاب وماہتاب نورِ حسن سے پیدا ہوئے ہیں۔

پھر نورِ حسین کو شگافتہ کرکے اس سے جنّت اور حور العین کو پیدا کیا۔

فالجنۃ وحور العین من نور الحسین جنت اور حور العین نورِ حسین سے پیدا ہوئے ہیں۔

(مترجم —— اگر تخلیق نور کی ان بیسیوں احادیث جن میں سے کچھ تو اصطلاحاً متواترات کے ذیل میں آتی ہیں اور کچھ سنداً ومتناً احادیثِ صحاح میں شمار ہوتی ہیں۔ کو بنیاد بنا کر اگر کوئی شخص یہ کہدے کہ کائناتِ عالم کے ہر امر خیر کی علت مادیہ محمد وآلِ محمد ہیں تو اس پر خیال وفضل کا فتویٰ تڑپ کر باہر آجاتا ہے۔ لیکن احادیث کے ناقلین اور ارشاد فرمانے والوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔ کیا اسی کا نام انصاف ہے؟ کیا اسی کا نام تدیّن ہے؟ اور کیا اسی کو دینداری کہا جاتا ہے؟ کاش سر میں مغز۔ مغز میں شعور۔ شعور میں فکر۔ فکر میں شرافت

شرافت میں دیانت اور دیانت میں امانت کا ذرہ بھی ہوتا۔)

مجالس المومنین میں ہے کہ ذاتِ احدیت نے شبِ معراج جبریل سے فرمایا۔ اے جبریل! میں نے جمال محمدؐ کو عزّت کے ستّر ہزار پردوں میں مخفی کر رکھا ہے۔ آج جمالِ محمدؐ کے چہرۂ انور سے صرف ایک پردہ ہٹا دے تاکہ عالم اعلیٰ وبالا کے ساکن جمال محمدؐ کا معمولی سا نظارہ کرلیں۔ جبریل نے تعمیل حکم میں جونہی ایک پردہ ہٹایا۔ جبینِ مبینِ نبی اکرم سے نور کی ایک ایسی لائٹ ہوئی جس سے عرش وکرسی منور ہوگئے۔ آفتاب وماہتاب شرمندہ ہوگئے۔ نجوم وکواکب بے نور ہوکر رہ گئے۔

پھر ذات احدیت نے اپنے محبوب کو مخاطب کرکے فرمایا۔ میرے حبیب اپنے نور کا ایک معمولی سا جلوہ دیکھ لے۔ یہ تو صرف ایک پردہ ہٹا ہے ابھی تک انہتر ہزار نو سو ننانوے حجاب باقی ہیں اگر تمام پردے ہٹا دوں تو عرش وکرسی، لوح وقلم، آفتاب وماہتاب، اور شفقِ بہشت بے مایہ ہوکر رہ جائیں۔ تیرے نور کا مکمل نظارہ یوم حشر اپنی تمام مخلوق کو کراؤں گا۔

(مترجم اگر کوئی غریب یہ کہہ دے کہ شبیہہ پیغمبر۔ بہ شکل نبی فرزند حسین علی اکبر کا چہرۂ منور اٹھارہ پردوں میں مخفی تھا تو بعض لوگ فوراً سیخ پا ہوجاتے ہیں اور اسے ذاکری کہنے لگتے ہیں۔ بھلا چہرۂ محمد پر ستّر ہزار پردوں کا ہونا ذاکری نہیں ہے؟ اگر اصل ستّر ہزار پردوں میں روپوش ہو تو شبیہہ کے لئے اٹھارہ پردوں میں روپوش ہونا کیوں غلط ہوگا؟ ہاں! اچھا طریقہ ہے اگر سرے سے اس حدیث ہی سے انکار

کردیا جائے۔ اور کہہ دیا جائے کہ راوی ہی ضعیف ہے)

تفسیر امام عسکری میں امام حسن عسکری سے منقول ہے کہ خالق کونین نے ساکنان ملکوت و جبروت سے فرمایا۔ میرا ایک بندہ خاص ہے جس کے تعارف کے لئے میں نے اپنی پوری کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ اگر اسے تخلیق کرنا مقصود نہ ہوتا تو کچھ بھی پیدا نہ کرتا۔ ذات احدیت کے اس ارشادِ گرامی صفات کے بعد تمام ساکنان ملاء اعلی اس نور الانور کی زیارت کے مشتاق تھے۔

جب خالقِ کون و مکاں نے وجود محمدؐ کو عالمِ ظہور میں آنے کی اجازت دی تو خطۂ ملکوت و جبروت کے لاکھوں برسوں کے منتظرِ زیارت ملائکہ نے اپنے شوق زیارت کے لئے یوں درخواست کی۔

اے رب کائنات! ہم عرصہ دراز سے جمالِ جہاں آرائے محمدؐ کے عاشقِ دیدار ہیں۔ ہمارے شوقِ دیدار کو پورا فرما۔

چنانچہ جب آپ کا سن مبارک چار برس کا ہوا اور آپ جنابِ حلیمہ کے پاس رہتے تھے مالکِ کونین نے جبریل کو حکم دیا کہ جا اور میرے کمسن محبوب کو اٹھا کے لا۔ وقت رات کا تھا۔ کا یہ عظیم نمائندہ پہلوئے جناب حلیمہ میں آرام فرما تھا۔ جبریل آیا۔ اپنے پروں پر اٹھایا ملاً اعلیٰ میں لے گیا۔ اچانک جناب حلیمہ کی آنکھ کھلی۔ دیکھا بیٹا نہیں ہے۔ تڑپ کر اٹھیں، گھر میں تلاش کیا۔ محمدؐ نہ ملا۔ گریاں و نالاں، پریشاں حال اسی وقت جناب عبدالمطلب کو اطلاع دی۔

جناب عبدالمطلب نے تلاش کرنا شروع کیا۔ رات تلاش میں

بیت گئی۔ جب ہر طرف سے مایوسی ہو گئے۔ تمام بنی ہاشم کو جمع کیا اور فرمایا۔ محمدؐ اگرچہ کمسن ہے لیکن میں جانتا ہوں یہود و نصاریٰ کو آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔ اگر صبح تک نہ ملا تو یاد رکھو تم میں سے کوئی میری مدد کرے یا نہ کرے میں اس وقت ہر اس شخص کو قتل کرتا چلا جاؤں گا جب تک میرا ہاتھ تلوار کے دستہ پر رہے گا۔

جب صبح صادق نے گریبان شب کو چاک کیا۔ ستاروں نے رخت سفر باندھا۔ جناب حلیمہ کے بیٹے دوڑے دوڑے آئے اور آکر اپنی ماں کو اطلاع دی کہ ہمارا آقا محمدؐ اپنے بستر پر محو خواب ہے۔

جناب عبدالمطلب نے جب سنا تو فرطِ مسرت سے سجدہ خالق کیا۔

مومنین کرام! یہ تو تھا نبی عالمین کا کمسنی میں پرِ جبریل پر سوار ہو کر سوئے عرش جانا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ بعد میں بھی پیش آیا جب ملائکہ ذات احدیت سے نورِ چشم فاطمہ زہرا، زیارت گاہِ سرورِ انبیاء، اور سید الشہداء کی زیارت کی خواہش ظاہر کی اور جبریل نواسۂ رسول کو اپنے پروں پر اٹھا کر سوئے عرش لے گیا۔

سرمایۂ ایمان میں مروی ہے، کہ ایک دن خاتون قیامت آنسو بہاتی، گریہ کرتی، افتان و خیزان نبی اکرم کی خدمت میں آئی۔ آپ نے فرمایا۔

ما یبکیکِ یا فاطمہ؟ بیٹی فاطمہ کیوں رو رہی ہے؟

عرض کیا۔

یا ابتاہ کیف لا ابکی و قد اجلتنی قصة عجیبة۔ بابا جان!

عجیب بات ہے کیسے نہ روؤں گی؟

آپ نے فرمایا۔ بیٹی جلدی بتا کیا بات ہے؟

آپ نے عرض کیا۔ میں نے حسین کو گہوارہ میں سلایا پھر امورِ خانہ میں مصروف ہوگئی۔ اتفاقاً گہوارہ دیکھا تو گہوارہ میں حسین نظر نہیں آیا۔ بابا جان خدا کے لئے بتائیے میرا بیٹا کہاں ہے؟ میرے حسین کو کون لے گیا ہے؟ میرا لال کس کے پاس ہے؟ آیئے مومنین ملکر عرض کریں۔ بی بی آج تو تو زندہ ہے۔ نبی عالمین موجود ہیں۔ حضرت علی پاس ہیں۔ آپ کو گہوارہ میں حسین نظر نہ آیا تو اتنی بیقرار ہوگئیں، کاش آپ اپنے اس لال کو اس وقت دیکھتیں جب اس زیارت گاہِ نبوی کا پارہ پارہ جسم پامال سُمِ اسپاں ہو رہا تھا۔ مشرق کے گھوڑے مغرب کو مغرب کے مشرق کو اور جنوب کے گھوڑے شمال کو تیروں، نیزوں، تلواروں اور پتھر سے چور چور جسم پر دوڑ رہے تھے اور آپ کی مظلومہ بیٹی کبھی مدینہ کی طرف منہ کرکے نانا کو بلاتی تھیں، کبھی آپ کو فریاد کرتی تھیں اور کبھی نجف کی طرف منہ کرکے بابا کو بلاتی تھیں، آپ کے لال کی کمسن سکینہ سر پر قرآن اٹھائے اپنے نانا کی امت سے کہہ رہی تھیں۔ ظالمو! میرے بابا کا سر لے گئے ہو۔ جسم کو نیزوں اور تیروں سے چھلنی کر چکے ہو۔ اب پارہ پارہ بدن پر گھوڑے تو نہ دوڑاؤ۔ میرے سونے کی جگہ سینہ کو چومنے کے لئے تو چھوڑ دو، لیکن نہ تو کوئی تیری بیٹی زینب کی آہ و بکا سُن رہا تھا اور نہ کمسن سکینہ کی بات سُنی جا رہی تھی۔

بہر طور نبی اکرم دست دعا بلند کئے۔ اپنی بیقراری اور جناب زہرا

کی بے چینی کا واسطہ دیا۔ جبریل امین نازل ہوئے اور عرض کی۔ آقا! زہرا کو بتا دو کہ وہ روئے نہیں فرزند زہرا محفوظ تھا جس دن آپ کے بیٹے کی ولادت ہوئی تھی اس دن میرے ساتھ جو ملائکہ مبارک باد دینے آئے تھے۔ جب وہ ملائکہ واپس ملأ اعلیٰ میں گئے تو انہوں نے ملائکہ مقربین پر بھی فخر کیا کہ ہمارے جیسا کون ہے؟ ہم فرزند زہرا کی زیارت کرکے آئے ہیں۔

اس وقت ملائکہ مقربین نے ذات احدیت سے زمین پر جا کر زیارتِ حسین کی خواہش ظاہر کی، ذات احدیت نے مجھے حکم دیا کہ جا کر نواسۂ رسول کو اُٹھا کے ملأ اعلیٰ میں لے کے آ تاکہ تمام ملائکہ زیارتِ حسین کے شرف سے مشرف ہو جائیں۔ میں حسین کو ملأ اعلیٰ پر لے کے گیا تھا۔ ملائکہ نے تشنگیٔ زیارت بجھائی۔ اب میں حسین کو واپس لے آیا ہوں۔ اسے اپنے گہوارہ میں سلا دیا ہے۔ جناب زہرا کو بتا دیں کہ وہ واپس گھر تشریف لے جائیں مولا حسین گہوارے میں آرام سے سو رہا ہے۔

اے سوگوارانِ برادرِ زینب دل چاہتا ہے کہ ان ملائکہ سے پوچھ لوں، کہ آج مدینہ میں جس حسین کی زیارت کا اتنا شوق ظاہر کیا جا رہا ہے کبھی آپ زمین پر آرہے ہیں اور کبھی فرزند زہرا کو آسمان پر لے جایا جا رہا ہے، کاش اس مظلوم حسین کو آپ اس وقت کربلا میں بھی دیکھتے، جب یکہ و تنہا کھڑا تھا۔ ایک طرف علی اکبر کا سینہ نوکِ سناں سے زخمی ہو چکا تھا۔ دوسری طرف قاسم نوشہ کے سہرے بکھرے پڑے تھے ایک طرف سقائے سکینہ کے بازو زمین پر پڑے تھے۔ تو دوسری طرف امّ رباب

کے لال کا پیاسا گلوئے نازنین سہ شعبہ تیر جفا سے کٹ چکا تھا کہیں
عون و محمد کے لاشے تپتے ہوئے ریگزار کربلا پر تڑپ رہے تھے۔ کسی طرف
مسلم ابن عوسجہ کا لاشہ تھا تو کسی جگہ حُر اور حبیب ابن مظاہر کے لاشے
تھے۔ ان لاشوں کے درمیان تیروں کی برسات میں کھڑا پکار رہا تھا۔
ھل من معین یعینا کوئی ہے جو ہماری امداد کرے؟ کوئی ہے جو ذریت
رسول کی بہو بیٹیوں کی چادروں کی ضمانت دے سکے۔ لیکن جواب میں
کسی طرف سے تیر کسی طرف سے پتھر کسی طرف سے تلواریں اور کسی طرف
سے نیزے ہی ملے۔ ان حالات کو دیکھ کر جگر گوشۂ زہرا کا استغاثہ سن کر
بھلا ملائکہ کو کب ملأ اعلیٰ میں چین آتا تھا۔ تمام ملائکہ نے تسبیحیں چھوڑ کر بارگاہ
خالق میں عرض کیا۔ بار الہا تیرا حسین مدد مانگ رہا ہے۔ زہرا کے دل
کا چین پیاسا ہے۔ اور تنہا کھڑا اپنے نانا کی امت سے فریاد کر رہا ہے۔
لیکن بد نصیب امت میں سے کوئی نہیں جو حسین کی مدد کر سکے۔ ہمیں اجازت
مرحمت فرما کہ ہم جا کر نصرت حسین کریں۔

ذات احدیت نے فرمایا۔ جاؤ میری طرف سے اجازت ہے اگر
میرا حسین تمہاری امداد قبول کرتا ہے تو مدد کرو۔ چنانچہ ملائکہ کا ایک
گروہ نصرت شبیر کی خاطر آسمان سے نازل ہوا۔ اور عرض کی۔ فرزند رسول!
ہمیں اجازت دیجئے تاکہ ہم آپ کی مدد کریں۔ ہم آپ کا استغاثہ سن کر
آئے ہیں۔ نواسۂ رسول نے اپنے دائیں بائیں آگے اور پیچھے دیکھا سرد
آہ بھری اور ملائکہ سے فرمایا۔
ذرا دیکھو تو۔ میرے اکبر پر جوانی رو رہی ہے۔ قاسم پر سہرے

ماتم کر رہے ہیں۔ میرے علمدار پر وفا گریہ کناں ہے۔ رباب کے جگر پر کمسنی
بین کر رہی ہے۔ عون و محمد کی نوخیزی پر تقدیر کے آنسو ٹپک رہے ہیں۔
بھلا بتاؤ اب میرا کون رہ گیا ہے۔ تم اس وقت نہ آئے جب ام لیلیٰ کا
ماہ دو ہفتہ سینہ پر برچھی کا داغ لیکر ڈوب رہا تھا۔ تم اس وقت نہ آئے
جب قاسم کے سہرہ کی لڑیاں ایک ایک کر کے لہو میں تر بتر ہو رہی
تھیں۔ تم اس وقت نہ آئے جب میری سکینہ زور کر کے کندھے میں
خشک مشکیزہ ڈال کر پیاسے لبوں سے پانی لانے کو بھیج رہی تھی۔
تم اس وقت بھی نہ آئے جب عون و محمد خشک لبوں سے مجھے بلا رہے
تھے۔ اور تم اس وقت بھی نہ آئے جب ام رباب کا کمسن لال تپتی
ہوئی ریت پر پڑا اپنے پیاسے ہونٹوں پر خشک زبان پھرا کر پانی مانگ
رہا تھا۔

اب میں جی کر کیا کروں گا۔ کس کے لئے زندہ رہوں گا۔ کیا ان تمام
کی لاشوں پر بین کرنے کے لئے زندہ رہ جاؤں۔ ان کی لاشوں پر تو ان
کی ماؤں اور بہنوں کو بھی کوئی نہ رونے دے گا۔ تمہاری بڑی مہربانی
واپس جاؤ۔ میں نانا کی امت کو ملائکہ سے نہیں لڑانا چاہتا۔ میں نے
مدد کی درخواست اپنے نانا کی امت سے کی ہے۔

کعب الاحبار سے منقول ہے کہ میں نے بہتر آسمانی کتب کا مطالعہ
کیا ہے میں نے دانیال کے صحیفوں کا بھی پڑھا ہے۔ ان تمام کتب
میں نبی اکرم اور آپ کی عترت طاہرہ کی ولادت کا تذکرہ تھا جہاں تک
میں نے دیکھا ہے نبی کریم اور حضرت عیسیٰ کے علاوہ کسی نبی کی ولادت پر

آسمان سے ملائکہ نازل نہیں ہوئے۔ جناب آمنہ اور جناب مریم کے علاوہ کسی والدہ نبی کے لئے حجاباتِ بہشت آویزاں نہیں کئے گئے۔

جس شب نبی الانبیاء کا نورِ نبوت جناب عبداللہ کی جبینِ مبین سے جنابِ آمنہ کے صدفِ عفت میں داخل ہوا حکمِ خدا سے ایک ملک نے زمین و آسمان کے مابین ندا کی۔ اے ارض و سما کے باسیو! خوشیاں مناؤ نبی آخر الزمان کا نور النور اپنے نوری سفر کی آخری منزل پر پہنچ چکا ہے۔ عزادارو! یقین کیجئے۔ نبی اسلام کی ولادتِ باسعادت کے موقعہ پر تو مسرت و شادمانی کا اعلان کیا گیا لیکن پوری تاریخ چھان ڈالیے کسی ولی خدا کی ولادت کے موقعہ پر کسی ملک نے یہ نہیں کہا کہ ارض و سما کے باسیو! ماتمی لباس پہن لو۔ اگر ایسی ندا کی گئی ہے تو صرف ولادتِ حسین کے موقعہ پر۔ شرجیل ابنِ عون سے پوچھئے کہتا ہے کہ جس دن ولادتِ فرزندِ زہرا ہوئی تو ایک ملک نے بحکم باری ارض و سما کے مابین یہ ندا دی۔

یا عباداللهِ اَلبِسُوا اَثوابَ الاَحزانِ و	اے بندگانِ خدا! ماتمی لباس پہن لو۔
اَظهِرُوا التَّفَجُّعَ وَالاَحزانِ فَاِنَّه وُلِدَ	غم و حزن ظاہر کرو محمدؐ کا وہ بیٹا پیدا
اِبنُ محمدٍ مَذبُوحٌ مَظلُومٌ مَقهُورٌ	ہوا ہے جو مذبوح، مظلوم اور مجبور ہوگا۔

پھر وہی ملک آنحضورؐ کے پاس آیا۔ زمینِ کربلا سے کچھ خاک بھی اپنے ساتھ لایا۔ درود و سلام کے بعد عرض کی۔

یا نبیَّ الله یَقتُلُونَ فَرخَكَ الحُسَین	اے نبی خدا آپ کے اس فرزندِ زہرا
ابن بنتكَ الطاهرَةِ۔	حسین کو شہید کر دیا جائے گا۔

جس زمین مظلوم حسین شہید ہوگا یہ اس کی خاک ہے۔ جب اس خاک کا رنگ سرخ ہو جائے تو سمجھ لینا کہ آپ کا فرزند شہید کر دیا گیا۔ کچھ مٹی اس ملک نے اپنے پروں پر چھڑک لی۔ جب واپس ملأ اعلیٰ میں پہنچا تو تمام ملائکہ نے تبرکاً اس خاکِ پاک کو سونگھا اور بوسہ دیا۔

آنحضورؐ یہ خبر سن کر روئے اور فرمایا۔

قَتَلَ اللهُ قاتِلَ الحُسَین۔ اللہ قاتلِ حسین کو ذلیل و رسوا کرے۔

آپ نے وہ خاک جناب ام سلمہ کو دی اور فرمایا اسے حفاظت سے رکھنا۔ میرے بعد جب یہ خاک سرخ ہو جائے تو سمجھ لینا میرا حسین پیاسا شہید کر دیا گیا۔ مزید تفصیل مجلس نمبر ۲۳ میں ملاحظہ فرمائیے۔

بہر طور آنحضورؐ کی شب ولادت یاقوت سرخ سے ستر ہزار محل اور آبدار مروارید سے ستر ہزار محل تعمیر کیا گیا۔ جن کا نام محلات ولادت رکھا گیا۔ ہشت بہشت آراستہ کیئے گئے۔ ملائکہ اور حوروں نے ایکدوسرے کو مبارکبادیاں دیں۔ تمام بہشت مسکرا دیئے۔ جو قیامت تک مسکراتے ہی رہیں گے۔ مختلف رنگوں کے ستر عمود ہائے نور ارض و سما کے مابین نصب کئے گئے۔ حوضِ کوثر میں فرطِ مسرت سے طغیانی آئی جس کے نتیجہ ستر ہزار یاقوتی محلات حوضِ کوثر کی تہ سے سطح آب پر آ گئے۔

اسی طرح جب جناب علی و بتول کی شادی ہوئی تو ذات احدیت کے حکم سے شجرہ طوبیٰ نے یاقوت۔ مروارید۔ مرجان۔ زبرجد اور لعل و گہر نثار کیئے حورانِ بہشت نے وہ موتی چنے اور اپنے پاس رکھے۔

شیخ بہاؤ الدین نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ہمارے دور

میں مسجد کوفہ میں سے ایک سُرخ رنگ موتی ملا جس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

انا در من السماء نثرونی — میں ایک آسمانی موتی ہوں مجھے

یوم تزویج والد السبطین۔ — حسنین کے والد کی شادی کے موقعہ پر نثار کیا گیا تھا

کنت اصفی من اللجین بیاضاً — میں سفیدی میں چاندی سے زیادہ سفید تھا۔

صبغتنی دماء نحر الحسین۔ — لیکن مجھے گلوئے حسین کے خون نے رنگین کر دیا ہے۔

ابن شہر آشوب نے امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ ذاتِ احدیّت نے نبی کریم کو وحی کی کہ میں علی کی طرف سے بطور حق مہر ہشت بہشت دنیا کا تیسرا حصہ، چار دریا۔ دریائے بلخ۔ دریائے نیل (دو نہروان) اور دریائے فرات دیا ہے۔

کیوں عزادارو! یہی وہ دریائے فرات نہیں ہے جس کے کنارے اس دخترِ رسول کا کنبہ تین دن کا پیاسا شہید ہوا۔

دوسرا نور

نورِ عصمت

- ولادتِ دخترِ رسول
- وقت ولادت جناب خدیجہ کے پاس چار مخدرات کی آمد
- دیر راہب میں عزاداریٔ مظلوم کربلا
- جنابِ زہرا کا ما کان و ما یکون کا عالمہ ہونا
- جنابِ زہرا کی پیشانی سے تین انوار کا ظہور
- مظلوم کربلا کی جبینِ مبین سے تین انوار کا ظہور
- خولی کے تنور سے نورِ سفید کا ظہور
- جناب زہرا کی شادی میں شرکت
- نائبہ زہرا کا دربارِ ابنِ زیاد میں ورود
- ایک یہودیہ عورت کی حیرت
- زنِ شمر کی عزاداری اور شہادت

مفضل ابن عمر نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جب اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰ نے خاتم النبیین سے شادی کا اعلان کیا تو قریشِ مکہ کی تمام عورتوں نے جدۃ السادات کا بائیکاٹ کر دیا۔ اور کسی عورت کو اس مخدرہ کونین کے ہاں نہیں آنے دیتی تھی۔

جناب خدیجہ کو اپنی تنہائی پر بھی افسوس تو رہتا تھا لیکن بی بی کو زیادہ سلطانِ انبیاء کی فکر ستائے رکھتی تھی کہ کہیں قریش مکہ کی عورتوں کی مجھ سے ناراضگی کا اثر بھی آنحضور پر نہ پڑے اور کہیں وہ آپ سے انتقام لینے پر نہ تل جائیں۔

جب ام السادات اور سیدۃ النساء کا نورِ مقدس نورِ نبوت سے جدا ہو کر جنابِ خدیجۃ الکبریٰ کے صدفِ عفت میں منتقل ہوا تو جناب خدیجہ کی تنہائی ختم ہوگئی۔ جب سرورِ کونین تبلیغ کے لئے باہر تشریف لیجاتے تو بی بی اپنی ماں کی غمگساری کرتیں۔ تنہائی میں مونس ہوتیں اور صبر کی تلقین کرتیں۔ جناب خدیجہ نے نبی اکرم سے کبھی اس بات کا تذکرہ نہیں کیا۔ ایک دن سلطانِ انبیاء گھر میں تشریف لائے تو آپ نے بولنے کی آواز سنی۔ آپ نے جناب خدیجہ سے سوال کیا۔

گھر میں نظر تو کوئی نہیں آتا تم کس سے باتیں کر رہی تھیں۔

بی بی نے جواب دیا۔

اللہ نے میری تنہائی کا مونس پیدا کر دیا ہے۔ میرے صدفِ عفت میں پرورش پانے والا بچہ آپ کی عدم موجودگی میں مجھ سے ہمکلام رہتا ہے نبی کونین کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ رندھی ہوئی آواز سے

فرمایا۔ خدیجہ یہ بچہ نہیں بچی ہے۔ میری نسل کی امین۔ میری ذریت اسی سے ہوگی۔ میرے بعد ہونے والے آئمہ کی ماں اور سلسلۂ وحی ختم ہو جانے کے بعد اسی کی اولاد مفسر قرآن ہوگی۔ اور میری امت کی ہادی ہوگی۔

وقت گزرتا رہا۔ معصومہ کونین کا وقتِ ولادت قریب ہوتا چلا گیا۔ بالآخر جب وقت آگیا تو بی بی نے قریشی عورتوں کو پیغام بھیجا۔ قریش کی ہر عورت نے جواب دیا۔ خدیجہ تجھے وہ وقت بھول گیا جب ہم نے تجھے یتیم ابوطالب کے ساتھ شادی سے منع کیا تھا لیکن اس وقت تو نے ہماری ایک بات نہ سنی۔ اب ہم بھلا تیری کسی مشکل میں کیسے تیرا ہاتھ بٹا سکتی ہیں۔

یہ جواب سن کر جناب خدیجہ کا کلیجہ دھڑک اٹھا، غم و اندوہ نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور فکر دامن گیر ہوئی کہ آخر اس وقت تو میرے پاس کسی عورت کو ہونا چاہیئے تھا۔ انہی تفکرات میں تھیں کہ اچانک چار حسین رو دراز قد عورتیں آئیں جو شکلاً مستورات بنی ہاشم سے مشابہ تھیں۔ جناب خدیجہ انہیں دیکھ کر گھبرا گئیں۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا۔ اے خیر الاولین والآخرین کی رفیقۂ حیات آپ گھبرائیں نہیں۔ ہمیں اللہ نے آپ کی اس تنہائی کو دور کرنے کی خاطر بھیجا ہے۔ ہم آپ کی عزیز ہیں۔

میں خلیلِ خدا حضرت ابراہیم کی زوجہ سارہ ہوں۔

یہ آسیہ بنتِ مزاحم زوجہ فرعون ہے۔

یہ مریم مادرِ عیسیٰ ہے۔ اور

یہ کلثوم خواہر حضرت موسیٰ ابن عمران ہے۔

ان مخدرات کی تشریف آوری کے کچھ لمحات بعد جناب سیدہ کونین

کی ولادت ہوئی اور بعد از ولادت بی بی نے یہ کلمہ ادا کیا۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان	میں گواہی دیتی ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
ابی رسول اللہ سید الانبیاء و	میں گواہی دیتی ہوں میرا باپ سید الانبیاء و رسول رب ہے
ان بعلی سید الاوصیاء و ولدی	میں گواہی دیتی ہوں میرا شوہر سید الاوصیاء ہے اور
والاسباط ساداتی۔	میں گواہی دیتی ہوں میری اولاد کے آئمہ میرے سید و انبیاء ہیں۔

پھر بی بی نے ایک ایک مستور کا نام لے کر انھیں سلام کیا۔ ان تمام بی بیوں نے جناب خدیجہ کو مبارک باد دی اسی اثنا میں ارض و سماء کے مابین ایسی روشنی دیکھی گئی جو قبل ازیں کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔

عزادارو! وقتِ ولادت جناب سیدہ تشریف لانے والی مخدرات کتنی خوش نصیب ہیں کہ جب بی بی کا وقتِ ولادت قریب آیا تو انہی مستورات نے جناب خدیجہ سے تعاون کیا۔ اور انہی مخدرات نے کئی اور مقامات پر خود ام السادات سے تعاون کیا۔

مگر یہ تعاون کہاں تھا؟ پہلے تو ان مخدرات نے خولی کے تنور میں بی بی سے تعاون کیا اور بعد میں دیر راہب میں بی بی سے تعاون کیا۔ بھلا یہ تعاون کیسا تھا؟ یہ تعاون ایسا تھا جس کا تذکرہ کرنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دل لرزنے لگتا ہے قلم تھرا جاتا ہے۔ اور آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگتے ہیں۔ یہ اس اس وقت کی بات ہے جب امت نبی محمد رسول اللہ پڑھنے والے نواسہ رسول۔ راکب دوش نبی کا سر نوک نیزہ پر بلند کئے۔ خوشیاں مناتے ہوئے اور تالیاں بجاتے ہوئے اپنے کو

ہدیہ دینے اور انعام لینے کی خاطر لے کے جا رہے ہیں۔ راہ شام میں ایک جگہ اس قافلہ نے شب بسری کے لئے قیام کیا۔ اسی منزل کے قریب ایک راہب کا گرجا تھا۔ ان لوگوں نے نیزہ کو زمین میں نصب کیا۔ گرجا کی چھت پر راہب آیا۔ اس نے دیکھا۔ چند مستورات ہیں جن کے ہاتھ پسِ گردن بندھے ہیں بال کھلے ہیں اور انہوں نے اپنے بالوں سے اپنے چہرے چھپا رکھے ہیں۔ بالوں کو خاک سے چھپایا ہوا ہے۔ ان مستورات کی سواریوں کے اونٹ بے پالان ہیں کچھ چھوٹے اور کچھ بڑی عمر کے سر نیزوں کی نوکوں پر ہیں۔ نیزے زمین میں نصب ہیں۔ انہی سروں میں راہب نے ایک سر دیکھا۔ اس سر سے نور کی کرن تا عرش معلق ہے اور اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَ الرَّقِيۡمِ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۔ کی تلاوت کر رہا ہے۔ راہب کا دل اپنے قابو میں نہ رہا۔ یہ غم انگیز منظر دیکھ کر بے اختیار دھاڑیں مارنے کو جی چاہنے لگا۔ راہب نے اہلِ قافلہ سے سوال کیا۔

راہب نے پوچھا آپ کون لوگ ہیں؟
کہاں سے آ رہے ہیں؟
یہ سر کس کا ہے؟

سالارِ قافلہ نے جواب دیا۔ ہم عراق سے آ رہے ہیں
اس نے بغاوت کی تھی ہم نے اسے قتل کر دیا ہے۔
اس کا سر اور اس کے اہل و عیال کو اپنے امیر کے پاس لیجا رہے ہیں۔ اسے فتح کی مبارکباد دیں گے وہ ہمیں اس فتح کی خوشی

میں انعام دے گا۔

راہب نے سوال کیا اس باغی کا نام کیا تھا؟

سالارِ قافلہ نے جواب دیا حسینؑ نام تھا اُس کا۔

راہب نے پھر پوچھا کیا یہ وہی حسینؑ ہے جس کا باپ تمہارے نبی کا چچا زاد اور جس کی ماں تمہارے نبی کی اکلوتی بیٹی تھی۔

سالارِ قافلہ نے کہا ہاں۔ یہ وہی حسین ہے۔

راہب نے کہا۔ لعنت ہو تم پر۔ یقین جانو اگر ہمارے عیسٰی نبی کا کوئی بیٹا ہوتا تو ہم اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے۔ تم کیسے مسلمان ہو کر اپنے نبی کی اولاد کو ذبح کر دیا۔ اب خوشیاں منا رہے ہو شراب پی رہے ہو۔ اور چند ٹکوں کی خاطر کربلا سے شام تک سفر کر رہے ہو۔ اپنے نبی کی بیٹیوں کو بے پالان اونٹوں پر سر و پا برہنہ لئے جا رہے ہو۔ اچھا ایسا کرو مجھے اپنے باپ کے ترکہ سے دس ہزار درہم ملے ہیں جو آج تک میں نے صرف نہیں کئے۔ تمہیں پیسوں کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور مجھے ایمان کی۔ صرف آج کی رات کے لئے یہ سر مجھے دے دو۔ اور دس ہزار درہم لے لو۔ صبح جاتے وقت سر بھی لے لینا۔

سالارِ قافلہ شمر نے اپنے سپاہیوں سے کہا جلدی کرو جو رقم ہاتھ آتی ہے اسے ضائع نہ کرو۔ کٹا ہوا سر ہی تو ہے تو ہم اسے کیا کرینگے۔ حفاظت ہی کرنا پڑے گی۔ اچھا ہے پیسے بھی دیتا ہے اور

حفاظت بھی کرے گا۔ سر دے دو اور پیسے لے لو۔

پیسے لے لئے گئے اور سر دے دیا گیا۔

راہب سر لے کر گرجا کے اندر آیا۔ تمام گرجا سرِ مظلوم کے نور سے منور ہو گیا۔ راہب نے ایک ہاتفِ غیبی کی آواز سُنی کہہ رہا تھا۔

اے راہب تو کتنا خوش نصیب ہے۔ ہے تو نصرانی لیکن تو نے دلِ زہرا اور قلبِ مصطفٰی کی عزت کی ہے۔ اللہ تجھے اس کا اجر دے گا۔

راہب نے عرقِ گلاب سے سَر کو غسل دیا۔ مشک و عنبر سے معطر کیا۔ اپنی جائے نماز پر رکھا۔ کمرے کا تالا لگایا اور خود دوسرے کمرہ میں آ کر بیٹھ گیا۔ ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ راہب نے دیکھا کہ سرِ مظلوم سے پھوٹنے والا نور پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو گیا ہے۔ اٹھا چھپ پر چڑھا روشندان کے قریب آ کر بیٹھ رہا۔ دیکھا آسمان سے ایک عماری نازل ہوئی۔ چھت میں شگاف ہوا۔ عماری کمرے میں اتری۔ تمام کمرہ مستورات سے پر ہو گیا کہ ایک مستور نے آواز دی۔

راہب سر جھکا لے۔ آنکھیں بند کر لے۔ نوعِ بشر کی ماں حوا آ رہی ہے۔ پھر اسی عورت نے آواز دی۔ راہب آنکھیں نہ کھولنا۔ زوجہ خلیلِ خدا سارہ آ رہی ہے۔ اب اسماعیل ذبیح کی ماں ہاجرہ آ رہی ہے۔ اب فرعون کی زوجہ آسیہ آ رہی ہے۔ اب عیسٰی کی ماں مریم آ رہی ہے ــــ میں تو بس آوازیں سُن رہا تھا کہ یکایک نوحہ و بکا کی آواز بلند ہوئی گریہ بے تحاشا بڑھ گیا۔ اسی عورت نے آواز دی۔ بی بیو ایک طرف ہٹو۔ راستہ دو۔ سرِ مظلوم کے پاس ملیکۂ عرب مظلوم کی نانی اماں جناب خدیجۃ الکبریٰ

آرہی ہے۔ اس کے بعد گریہ و زاری آہ و بکا اور نالہ و شیون کی ایک ایسی لہر اٹھی کہ مجھے ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے زمین پر زلزلہ ہے۔ کرہ، کمرہ لرز رہا ہے۔ اور چھت کانپ رہی ہے۔ اسی مستور نے آواز دی، بی بیو! ایک طرف ہو جاؤ۔ اب سرِ مظلوم کو سینے سے لگانے اور چومنے کے لئے مظلوم کی وہ ماں آرہی ہے جس نے اپنے لہو رنگ ہاتھوں سے چکیاں پیس پیس کر مظلوم کو پالا تھا۔ راہب کہتا ہے کہ میں نے صرف ایک آہ کی آواز سُنی جس نے میرا جگر کباب کر دیا میں بیہوش ہو گیا۔ خدا معلوم کتنی دیر کے بعد ہوش میں آیا۔ تو روشندان کے سامنے پردہ پڑا تھا۔ اندر نظر کچھ نہیں آرہا تھا۔ صرف آواز سن سکتا تھا۔ میں نے سُنا تو آواز آرہی تھی۔

السلام علیک یا مظلوم الام۔ بیکس ماں کے مظلوم حسین میرا سلام ہو۔

السلام علیک یا شہید الام۔ محرومہ ماں کے شہید حسین میرا سلام ہو۔

میرا پیاسا حسین کل فردائے محشر عادلِ حقیقی کے دربار میں تیرا مقدمہ پیش کروں گی اور پوچھوں گی میرے اللہ! میرے لال نے کیا قصور کیا تھا؟ میرے حسین نے کیا جرم کیا تھا؟

دعزادارو! میرا دل کہتا ہے سرِ مظلوم نے ضرور عرض کیا ہوگا۔ اماں جان۔ آپ میرے پاس تو تشریف لائی ہیں۔ آپ کے ساتھ نانی اماں خدیجۃ الکبریٰ اور دیگر ازواج و امہات انبیاء بھی ہیں۔ میں تو دیرِ راہب میں آرام سے ہوں۔ اماں کیا آپ میری بہن زینب۔ میری لاڈلی سکینہ کے پاس نہیں جائیں گی۔ وہ صحرا میں ٹیلوں پر بیٹھی خاموشی سے آنسو بہا

ہیں۔ آپ تو رونے میں آزاد ہیں۔ آپ کی بہو ام رباب اور ام لیلیٰ کو اپنے چاند سے بیٹوں پر رونے بھی کوئی نہیں دیتا۔)

یہ نوحہ و بکا سن کر راہب پھر غش کر گیا۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو دیکھا کمرہ میں خاموشی ہے۔ سر پہ خاک ڈالی گریبان چاک کیا۔ ماتم کرتا ہوا کمرہ میں آیا۔ دو زانو ہو کر سَر کے سامنے بیٹھا اور عرض کی۔

اے سرداروں کے سردار! اے برگزیدہ بنی آدم! جہاں تک میں سمجھتا ہوں تو ان ہستیوں میں سے ہے جن کا تذکرہ میں نے موسیٰ کی توراۃ اور عیسیٰ کی انجیل میں پڑھا ہے۔ تجھے اپنے پر رونے والی ماں کی عظمت کی قسم مجھے بتا کہ تو کون ہے۔؟

سرِ مظلوم۔ انا القتیل العطشان — میں وہ ہوں جسے پیاسا شہید کیا گیا ہے۔

انا الغریب — میں ایک مسافر ہوں۔

انا الشہید — میں کشتۂ راہِ خدا ہوں

راہب۔ ایھا الرأس المبارک ذدنی بیانا — اے سر مبارک! مزید تعارف کرائیے۔

سرِ مظلوم۔ انا ابن محمدِ المصطفیٰ — میں محمد مصطفیٰ کا فرزند ہوں۔

انا ابن علی المرتضیٰ — میں علی مرتضیٰ کا دلبند ہوں

انا ابن فاطمۃ الزہراء — میں فاطمہ زہرا کا لال ہوں

راہب نے اپنا منہ سر پر رکھا اور عرض کی میرے آقا میرے مولا۔ میرے مخدوم اب یہ سر اس وقت تک بلند نہیں ہوگا جب تک آپ شفاعت کا وعدہ نہ کریں۔

سرِ مظلوم۔ ایسے نہیں راہب۔ میرے نانا کی نبوت کی شہادت دے
راہب نے کلمہ پڑھا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

عیون المعجزات میں عمار یاسر سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت علیؑ
جناب سیدہ کے پاس باہر سے تشریف لائے۔ جب سیدہ کی نگاہ حضرت علیؑ
پر پڑی تو عرض کیا۔ یا علیؑ آج خدا معلوم میں کیوں خوش ہوں میرا دل
چاہتا ہے کہ اگر آپ تشریف رکھیں تو میں آپ کو ماکان و مایکون کے
تمام حالات سناؤں۔ حضرت علی نے جناب سیدہ سے یہ بات سنی تو خاموشی
سے پلٹے نبی کونین کی خدمتِ اقدس میں تشریف لائے۔

آپ نے فرمایا یا علیؑ! میرے قریب آجا جب آپ آنحضورؐ کے نزدیک
ہوئے تو آپ نے فرمایا یا علی میں بتاؤں یا تو خود بتائے گا؟ عرض کیا۔
مولا! میری نسبت آپ کی زبان مبارک سے سچیگی زیادہ۔ سرورِ انبیاءؐ نے
جناب سیدہ کی بات بتا دی۔

حضرت علی نے عرض کیا مولا! کیا ام الحسنین بھی ہماری طرح
ماکان اور مایکون کے علوم سے آشنا ہے؟ آپ نے فرمایا یا علی! جب
نورِ فاطمہ میرے نور سے ہے تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک چیز مجھے معلوم
ہو اور فاطمہ کو معلوم نہ ہو۔

حضرت علی نے سجدہ شکر ادا کیا۔ واپس گھر تشریف لائے تو جناب
فاطمہ نے مسکرا کے عرض کیا۔ میرے مخدوم صرف اتنی سی بات کے لئے
آپ میرے بابا کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ یہ تو میں بھی عرض کر سکتی
تھی۔ جب ذاتِ احدیت نے میرے نور کو میرے بابا کے نور سے جدا کیا۔

میرے نور نے ذاتِ احدیت کی تو خلائقِ عالم نے میرے نور کو بطورِ امانت
اشجارِ جنت میں سے ایک شجر کے میوہ میں رکھ دیا۔ جب شبِ معراج میرے
بابا جنت کی سیر کو گئے تو خلائق کونین کے الہلام سے میرے بابا نے
اسی درخت کے اسی میوہ کو توڑ کر تناول فرمایا۔ جس کے بعد میرا نور
سلطان انبیاءؐ کی جبینِ مبین میں چمکنے لگا۔ پھر جب معراج سے واپس
تشریف لائے تو میرا نور جبینِ رسالت سے منتقل ہو کر میری والدہ گرامی
کے صدفِ عفت میں منتقل ہو گیا۔ میں نے جس دن اس دنیا پر آنکھیں
کھولی ہیں۔ میں اسی دن سے ماکان و مایکون کے علوم سے آشنا تھی۔

علل الشرائع میں ایان ابن تغلب سے منقول ہے کہ میں نے
حضرت صادق آلِ محمد سے سوال کیا کہ دخترِ نبی فاطمہ کو زہرا کس لئے
کہا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب سیدہ کا
نور روزانہ تین مختلف رنگوں میں درخشاں ہوتا تھا۔

صبح جب یہ خورشید فلک عصمت نماز اس وقت نماز کے لئے کھڑی
ہوتی تھیں جب تمام لوگ خوابِ غفلت میں سو رہے ہوتے تھے، اس
وقت سفید رنگ نور کی کرنیں بی بی کی جبینِ مبین سے اس شدت کے
ساتھ پھوٹتی تھیں کہ تمام مدینہ کے در و دیوار تک سفید ہو جاتے تھے۔
ایک دن جب صحابہ نے آنحضورؐ سے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے
فرمایا کہ اس وقت میری بیٹی نمازِ صبح کی تعقیبات میں مصروف ہوتی ہے۔

جب سیدۃ النساء ظہرین کی نماز کے لئے مصلائے عبادت پر تشریف
لا کر۔ اپنی معصوم زبان سے اللہ اکبر کہہ کر نمازِ ظہر کا افتتاح کرتی تھیں تو

بی بی کی جبین مسجود سے زرد رنگ کا نور ظاہر ہوتا تھا جس سے مدینہ کے تمام در و دیوار حتیٰ کہ لوگوں کے لباس تک زرد ہو جاتے تھے۔ جب صحابہ نے جد الحسنین سے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت میری بیٹی نماز ظہرین کا فریضہ ادا کرتی ہے۔

جب غروب آفتاب ہوتا۔ بلال اذانِ مغرب کہتا۔ دخترِ نبی نمازِ مغرب کے لئے تجدید وضو کر کے مصلائے عبادت پر تشریف لاتیں اور نمازِ مغرب کی تکبیر کہتیں تو بی بی کی سعادت مند پیشانی سے سرخ رنگ نور کی ایک کرن پھوٹتی کہ مدینہ کے تمام در و دیوار حتیٰ کہ لباس بھی سُرخ رنگ ہو جاتے۔ جب صحابہ نے اس کا سبب پوچھا تو شہرِ علمِ خدا نبی مصطفیٰ نے فرمایا کہ اس وقت میری تنہا بیٹی نمازِ مغربین اَدا کرتی ہے۔ نور کے یہ تین رنگ ولادت مظلومِ کربلا تک رہے لیکن آپ کی ولادت کے بعد نور کے یہ تینوں رنگ فاطمہ سے منتقل ہو کر قتیلِ امت کی پیشانی میں آ گئے اور ان تین انوار کا مظاہرہ سید المظلومین سے کئی مقامات پر ہوا۔

جب آپ نے خاکِ کربلا کو سونگھ کر حضرت عباس کو حکم دیا کہ اسی جگہ خیام نصب کئے جائیں اور آپ نے اپنا پائے مبارک رکاب سے نکال کر خاکِ کربلا پر رکھا۔ جونہی نواسہ صاحب لولاک کا قدم زمینِ کربلا پر آیا تو زرد نور کی ایک ایسی کرن پھوٹی جس سے تمام زمینِ کربلا اور فضائے کربلا زرد ہو گئی۔ حتیٰ کہ قافلہ کے علاوہ خود فرزندِ زہرا کا رُخِ انور تک زرد رنگ نظر آنے لگا۔

سُرخ رنگ نور کا مظاہرہ اس وقت ہوا جب آپ زخموں کی کثرت

سے زین ذوالجناح پر بیٹھنے کے قابل نہ رہے۔ اُتر کر زمین پر آئے۔ نیزہ کا سہارا لیا۔ چشمِ عبرت سے کسی وقت سوئے مدینہ کسی وقت خیام کی طرف اور کسی وقت سوئے آسمان دیکھ رہے تھے کہ ایک ظالم نے ایک پتھر سے سجدہ گاہ فرزندِ رسول کا نشانہ لیا۔ ابھی تک آپ اپنی مجروح پیشانی کو سہلا رہے تھے کہ دوسرے ظالم نے سہ شعبہ تیر کا نشانہ بنایا۔ ابھی تک تیر کی ضرب سے بہنے والا خون خشک بھی نہ ہوا تھا کہ تیسرے ظالم نے تلوار کی ضرب لگائی اس ضرب کے بعد آپ کھڑے نہ رہ سکے۔

اس وقت آپ کی پیشانی سے ایسا سُرخ رنگ نور چمکا جس سے میدانِ کربلا میں موجود ہر شخص کو میدان کا ذرہ ذرہ سُرخ نظر آنے لگا۔

جہاں تک نورِ سفید کا تعلق ہے تو اس کے مظاہرے کافی مقامات پر ہوئے ان مقامات میں سے ایک مقام خولی کا تنور بھی ہے۔ خولی کی بیوی خضرمیہ کی زبانی سنیئے۔ اس کا بیان ہے۔

مجھے نمازِ شب پڑھنے کی عادت تھی۔ میں نمازِ تہجّد کے لئے اٹھی۔ دیکھا تو میرا تمام صحن منور ہے۔ جب میں نے ادھر اُدھر دیکھا تو مجھے اپنے تنور سے نور کی شعائیں پھوٹتی نظر آئیں مجھے ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے تنور میں چراغ روشن کیا گیا ہو۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ میں نے تو تنور میں آگ ہی نہیں جلائی پھر یہ روشنی کیسی ہے۔ اسی فکر میں تنور کے قریب آئی دیکھا تو کچھ سفید رنگ پرندے تنور کے گرد ماتم کناں مصروف طواف ہیں۔ کہ یکایک تمام سفید پرندے ایک طرف ہٹ

گئے اور ہائے حسین۔ ہائے۔ ہائے شہید۔ ہائے شہید۔ ہائے غریب۔ ہائے غریب کی دلدوز آواز بلند ہوئی۔ میرے صحن میں چار مستورات تشریف لائیں۔ ان میں سے ایک آگے بڑھی تنور سے ایک سر اٹھایا سینہ سے لگایا۔ چوما۔ اور بین کیا۔ اے ماں کے مظلوم بیٹے۔ بھلا بتا کہ غموں کی ماری ماں تجھے کہاں کہاں روئے۔ میرے چاند اس وقت تک پایۂ عرش نہ چھوڑوں گی جب تک خالقِ حقیقی سے تیرے بے گناہ خون کا بدلہ نہ مل جائے گا۔

ہائیں عزادارو! یہ وہی سر ہے جسے بی بی نے دنیا کو الوداع کہنے سے چند گھنٹے قبل صرف اس لئے دھویا تھا کہ میرے بعد خدا معلوم میرے حسین کو کوئی نہلائے گا یا نہیں۔ پھر بالوں میں کنگھی بھی کی۔ آج وہی سر ہے جسے بی بی نے تنور سے اس حالت میں اٹھایا کہ بالوں میں خون بھی ہے خاکِ کربلا بھی ہے۔ پیشانی زخمی ہے۔ رخسارے نیلے ہیں۔ ہونٹ مجروح ہیں۔ ریشِ مبارک خون سے تر بتر ہے۔ نازک سا گلا کند خنجر سے کٹا ہوا ہے۔

کافی دیر تک رونے کے بعد تمام بی بیاں واپس چلی گئیں۔ میں اور آگے بڑھی سر کو تنور سے اٹھایا۔ میں نے متعدد مرتبہ اپنے آقا کی زیارت کی ہوئی تھی میں پہچان گئی کہ یہ میرے آقا جگر گوشہ علی و زہرا اور دلبندِ مصطفیٰ حسین سید الشہداء کا سر ہے۔ بیساختہ میری آنکھوں سے آنسوؤں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دل ڈوبنے لگا پھر پتہ نہیں کہ میں کیسے بیہوش ہو گئی۔ جب اس عالم بیہوشی میں میں نے سنا کہ کوئی

میرا نام لے کر پکار رہا ہے۔ اے خضر میہ اٹھ تیرا کیا قصور ہے۔ جرم تیرے شوہر نے کیا ہے۔ تیرے شوہر کے جرم کی سزا تجھے نہیں ملے گی۔ میں نے اس آواز والے سے سوال کیا یہ چار عورتیں کون تھیں؟ اس نے جواب دیا۔ ایک دخترِ نبی اور مادرِ حسین فاطمہ زہرا تھیں دوسری ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ تھیں۔ تیسری مادرِ عیسیٰ مریم تھیں اور چوتھی زنِ فرعون آسیہ تھیں۔

میں نے سر کو تنور سے اٹھایا۔ دھویا۔ مشک و عنبر سے معطر کیا اور بعد عاجزی عرض کیا۔ میرے مظلوم مولا۔ کنیز بے بس ہے مجبور ہے میرے بس میں کچھ نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ صنادیدِ قریش کی چند مستورات جمع ہو کر نبی اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔ ہماری ایک بچی کی شادی ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ اپنی بچی جناب زہرا کو بھی رخصتی کی تقریب میں شرکت کی اجازت عنایت فرمائیے تاکہ بی بی کی شرکت سے ہماری عزت دوبالا ہو جائے۔

سلطان الانبیاء نے جناب زہرا کو شادی میں شرکت کے لئے فرمایا۔ بی بی نے عرض کیا۔ میرے سلطان کونین پدر محترم! مجھے آپ کے حکم سے انکار تو نہیں ہے لیکن مجھے بھی آپ کی طرح معلوم ہے کہ ان مستورات کا مقصد میری شمولیت نہیں ہے بلکہ میرے پرانے لباس اور پھٹے ہوئے کپڑوں کا مذاق اڑانا ہے۔ کیونکہ یہ مستوراتِ قریش لوگوں کو دکھانا چاہتی ہیں کہ یہ۔

ملیکہ عرب کی بیٹی فاطمہ ہے۔

خاتونِ اسلام کی بیٹی زہرا ہے۔

یہ وہ بیٹی ہے جس کی ماں عرب کی معروف ترین دولت مند تھیں۔
یہ وہ بیٹی ہے جس کی ماں نے اپنی تمام دولت اسلام کے نام پر قربان کردی۔

یہ وہ بیٹی ہے جس کی ماں سینکڑوں کنیزوں کے ساتھ باہر تشریف لاتی تھیں۔

اسی اثنا میں ربِ جلیل کی طرف سے جبریل نازل ہوا اور عرض کی۔ خلاقِ عالم کا ارشاد ہے۔ آپ زہرا کو شادی میں بھیجیں۔ زہرا سے فرمادیں گھبرائے نہیں۔ ہماری قدرت کا تماشہ دیکھے۔ جب واپس آئیں گی تو کئی غیر مسلم خواتین حلقہ بگوش اسلام ہو چکی ہوں گی۔

آپ نے جبریل کا پیغام جناب سیدہ کو سُنایا۔ جناب سیدہ اٹھیں شرافت کا روغن بالوں میں لگایا۔ نجابت کی کنگھی کی۔ زہد و تقویٰ کی نعلین زیب پا کیں۔ عبادت کا لباس پہنا۔ عصمت کی عبائے تطہیر سر پر رکھی۔ اور عفت کا مقنعہ رُخِ انور پر ڈالا۔ تواضع اور اسلامی عقیدت کو کنیز کے بطور ساتھ لے کر تشریف لائیں۔

مستوراتِ قریش اس انتظار میں بیٹھی تھیں کہ دیکھیں کب اونی کھدر پہنے۔ کھجور کے پتوں سے پیوند لگائے ملیکہ عرب اور خاتونِ اسلام کی دختر آتی ہے۔

لیکن ابھی تک بی بی نے اپنے گھر کی دہلیز سے باہر قدم نہیں رکھا

تھا کہ حکمِ ربِ غفور سے ایک سو حور جنت سے جنتی لباس اور زیورات لے کے حاضرِ خدمت ہوئیں۔ کسی کے ہاتھ میں پنکھا۔ کسی کے ہاتھ میں آبِ سلسبیل کسی کے ہاتھ میں لباسِ بہشت۔ کسی کے ہاتھ میں زیوراتِ جنت اور کسی کے ہاتھ میں دیگر سامانِ آرائش تھا۔ حورانِ جنت نے بی بی کو گھیر لیا۔ حجرہ عبادت میں لائیں۔ لباس پہنایا۔ زیورات زیبِ تن کرائے بیس حوریں آگے۔ بیس دائیں۔ بیس بائیں۔ چالیس پیچھے۔ جب حوروں کے اس حلقہ میں سیدۃ النساء قریش کی شادی میں شریک ہوئیں تو مستوراتِ قریش کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ایک دوسری کو دیکھنے لگیں۔ اشاروں اشاروں میں کہنے لگیں۔ ہمارا تو تمام منصوبہ دھرا رہ گیا۔ اب تو ہم احساس کمتری میں مبتلا ہوئی جا رہی ہیں۔ نہ ہمارا لباس زہرا جیسا ہے نہ زیورات فاطمہ جیسے ہیں۔ نہ ہمارے چہرہ کا نور بنتِ خدیجہ جیسا ہے۔ اور نہ ہماری کنیزیں حورانِ خاتون جیسی ہیں۔ کئی شریف النفس خواتین قریش نے دخترِ خدیجہ کے قدموں میں سر رکھ دیئے اور عرض کیا۔ آپ حق ہیں۔ آپ کے بابا کا دین حق ہے۔ آپ کا ربِ دو جہاں حق ہے۔ جتنا عرصہ کفر میں گزرا سو گزرا آج آپ کی تشریف نے ہمارے آئینہ دل سے زنگِ کفر دور کر دیا ہے۔ ہم بصد صدق و خلوص آپ کے بابا کی نبوت کا اقرار کرتی ہیں۔ اور دائرۂ اسلام میں داخل ہوتی ہیں۔

ہائیں عزادارو! یہ زہرا ہے جس کے لئے اللہ نے مستوراتِ قریش کی شادی میں پرانی چادر کے ساتھ شرکت گوارا نہ فرمائی۔

لیکن وہ بھی تو دخترِ زہرا ہی تھی جو ابنِ زیاد کے دربار میں پیش ہوئی تو کس حالت میں۔

شیخ مفید کی ارشاد سے ملاحظہ فرمائیے۔ جب بنتِ زہرا اپنے پرانے لباس کے ساتھ کنیزوں کے گھیرے میں دربارِ ابن زیاد میں پیش ہوئیں۔ کانت تتخفی بین النساء۔ بی بی ایک عورت کے پیچھے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تاکہ کسی نامحرم کی نظر نہ پڑ جائے بی بی خاموشی سے ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔

ابن زیاد نے پوچھا یہ کنیزیں کس کے گرد ہیں؟ یہ کون ہے جو کنیزوں میں چھپ رہی ہے؟ کسی نے اس ملعون کی آواز کا جواب نہ دیا۔ اس نے دوسری مرتبہ پھر سوال کیا۔ پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ اس نے تیسری مرتبہ پھر سوال کیا۔ بتاؤ یہ کون ہے۔ ایک سالارِ لشکر نے جواب دیا۔

ھٰذہ زینب بنتِ علی المرتضیٰ و فاطمہ بنتِ المصطفیٰ۔	یہ علی مرتضیٰ اور فاطمہ بنتِ محمد مصطفیٰ کی بیٹی زینب ہے۔

اس ظالم نے کہا۔ اے بنتِ زہرا تجھے اپنے نانا کا واسطہ میری بات کا جواب دو۔ بی بی نے فرمایا۔

ماترید یا عدو اللہ وعدو رسولہ۔	اے دشمنِ خدا اور رسول کیا پوچھنا چاہتا ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔ میں تو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ نے تمہیں ذلیل کیا ہے اور تمہارے دین اور اسلام کے جھوٹے دعووں کو غلط ثابت ہے۔ کہاں ہے تیرے نانا کا دین اور خدا؟

بنتِ زہرا نے جواباً فرمایا۔ ہمارا جدِ بزرگوار محبوبِ خدا تھا۔ اور ہم اپنے جدِ بزرگوار کے محبوب و محروم ہیں۔ ہمیشہ فاسق ذلیل ہوتا ہے۔ اور فاجر جھوٹ بکتا ہے۔ جو ہمارے اغیار ہیں۔ اے ابن زیاد تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ کل یوم حشر اللہ کو کیا جواب دے گا۔ دین ہمارا کہاں ہے دین بھی اللہ کا ہے اور ہم بھی اللہ کے ہیں۔

ابنِ زیاد بولا۔ تیرے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور بھانجوں کے قتل سے میرا دل ٹھنڈا ہوا ہے۔

بی بی نے فرمایا۔ سچ کہا ہے تو نے۔ اولادِ رسول کو بے گناہ شہید کر کے تیرا ہی دل ٹھنڈا ہو سکتا تھا۔

ابنِ زیاد کمینے کو غصہ آجاتا ہے۔ حکم دیتا ہے اس مستور کو بھی اپنے بھائیوں کی طرح شہید کر دیا جائے۔

عمرو ابنِ حریث جو دربار میں بیٹھا تھا یہ سُن کر بولا۔ اے امیر یہ عورت ہے اور عورتوں کی باتوں کا بُرا نہیں منایا جاتا۔ پھر یہ تو وہ غمزدہ ہے جو اپنے تہتر عزیزوں کے لاشے بے گور و کفن تپتے ہوئے صحرا میں دیکھ کے آئی ہے۔

ابنِ زیاد نے پوچھا۔ یہ مرد کون ہے؟

سپاہی نے کہا۔ علی ابن حسین ہے؟

ابنِ زیاد بولا۔ کیا اللہ نے علی ابنِ حسین کو قتل نہیں کر دیا۔

جناب سجاد نے فرمایا۔ ہاں میرا بھائی تھا اس کا نام بھی علی ہی تھا اسے تیرے لشکر نے شہید کیا ہے۔

ابنِ زیاد نے کہا۔ میرے لشکر نے نہیں اللہ نے قتل کیا ہے۔

جناب سجاد نے فرمایا۔ قبضِ ارواح تو بہر طور خدا ہی کرتا ہے۔ اللہ کسی بے گناہ کو قتل نہیں کرتا۔ یہ مذموم حرکت تو تم جیسے جابر ظالم حکمرانوں کی فوج ہی کر سکتی ہے۔

ابنِ زیاد ایک مرتبہ پھر غصہ میں آکر حکم دیتا ہے کہ۔ لے جاؤ اسے اس کا سَر قلم کر کے لے آؤ۔ اس وقت بنتِ زہرا اپنی جگہ سے اٹھی۔ جناب سجاد کے قریب آئیں۔ اپنا سَر گلوئے سجاد پر رکھ کے فرمایا۔ اے ابنِ زیاد ہمارا جو خون بہا چکا ہے اسے کافی سمجھ۔ اس سے زیادہ کی خواہش مت کر۔ اگر اسے شہید کرنا ہی ہے تو پھر پہلے مجھے قتل کرنا ہوگا۔

جلاد آگے بڑھا۔ اس نے جناب سجاد کی رسی سے ہاتھ کو اپنی طرف کھینچا۔ جناب سجاد سنبھل نہ سکے۔ زمین پر آئے۔ بنتِ زہرا نے اپنے آپ کو اپنے بیٹے پر گرا کے۔ ایک بین کیا۔ واجداہ۔ ہائے نانا۔ اس بین نے کچھ اس طرح اثر کیا۔ کہ مسجد کوفہ میں بیٹھنے والے ہر شخص کا رنگ زرد ہو گیا۔ ابنِ زیاد نے جلاد کو حکم دیا۔ چھوڑ دے سجاد کو۔ میں نے دیکھ لیا ہے یہ غموں کی ماری اسے تنہا نہیں چھوڑے گی۔ خود پہلے شہید ہوگی۔ جب کہیں جا کر تو اسے شہید کر سکے گا۔

علامہ ابنِ شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی نے جناب سیدہ کی ایک بوسیدہ چادر ایک دن کے لئے ایک یہودی کے ہاں کچھ مقدار جو کے عوض رہن رکھی۔ یہودی نے وہ چادر اپنی

بیوی کو دی کہ اسے رکھ دے۔ اس نے جا کر اندر کمرہ میں رکھ دی۔ رات کو وہ عورت اسی کمرہ میں کچھ اُٹھانے کو آئی دیکھا تو چادر کے ہر تار سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ واپس آئی اپنے شوہر کو بتایا۔ یہودی دَوڑ کر آیا۔ جب اس نے دیکھا تو حیران و ششدر رہ گیا۔ اپنے تمام اقرباء کو بلایا۔ انہیں وہ منظر دکھایا۔ رات کے اس وقت میں ستّر یہودی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اس نے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ جا اور چادر واپس کر کے آ۔ عزادارو! یہ نور تو چادرِ زہرا سے تھا اور یہی نورِ زہرا کے جگر پارہ کے سَر سے بلند ہوتا تھا۔ واقدی سے مروی ہے کہ جب شمر لعین نواسۂ رسول کا سَر کوفہ میں لایا تو ابنِ زیاد کے حکم سے ایک رات یہ سَرِ مظلوم اپنے گھر لے گیا۔ ایک طشت کے نیچے رکھ دیا۔ رات کے کسی وقت زوجہ شمر جو محبِ اہلبیت تھی۔ دیکھا تو طشت کے ارد گرد روشنی ہی روشنی ہے۔ اور اس روشنی کی شعاعیں سوئے آسمان بلند ہیں۔ زنِ شمر اور آگے بڑھی طشت کے قریب آئی اسے محسوس ہوا کہ طشت کے نیچے سے کچھ آواز بھی آ رہی ہے جھکی کان لگائے تو معلوم ہوا کہ طشت کے نیچے سے رونے کی آواز آ رہی تھی اکبر بیٹے تیری جوانی کو تیرا باپ رو نہ سکا۔ قاسم بیٹے تیرے ریت میں بکھرے ٹکڑوں کو تیرا چچا سمیٹ نہ سکا تھا۔ اصغر لال تیری پیاس ابھی تک بھلا نہ سکا۔ عباس بھیّا تیرے بازوؤں کا کٹ کے گرنا اور بغیر بازوؤں کے تیرا گھوڑے سے اُترنا قیامت تک شیعوں کے دل رُلاتا رہے گا۔ عون و محمد بیٹے تمہاری کمسنی پر کون نہیں روئے گا لیکن بیٹے تمہاری ماں

کی چادر نے مجھے سب کچھ بھلا دیا ہے۔

زنِ شمر نے طشت کو سیدھا کیا سرِ مبارک کو اس میں رکھا جلدی سے شمر ملعون کے پاس آئی اور پوچھا طشت کے نیچے کیا رکھا تھا؟

شمر نے جواب دیا۔ ایک باغی کا سَر ہے۔

زنِ شمر نے کہا۔ اس باغی کا نام کیا تھا؟

شمر نے جواب دیا۔ حسین ابن فاطمہ زہرا بنتِ رسول اللہ ہے۔

زنِ شمر یہ سُن کر غش کھا کر گری۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو کہنے لگی۔ اے دشمنِ خدا و رسول۔ اے بدتر از مجوس تجھے قرابتِ رسول پر بھی ترس نہ آیا۔ ظالم یزید تو اپنے بڑوں کے انتقام میں اندھا ہے۔ اس نے تو کلمہ بھی صرف انتقام لینے کی خاطر پڑھا ہے۔ علی و فاطمہ نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو نواسۂ رسول کو باغی سمجھتا ہے۔

شمر لعین بولا۔ میں نے تو صرف انعام و اکرام کی خاطر نواسۂ رسول کو شہید کیا ہے۔

زنِ شمر فوراً باہر آئی۔ اڑوس پڑوس کی تمام مستورات کو جا کر اطلاع دی کہ بابائے سکینہ اور برادرِ زینب کا بے گناہ سَر ہمارے گھر رکھا ہے جسے بھی پُرسہ دینا ہے آجائے میرے گھر میں رسولِ خدا اور بنتِ مصطفیٰ کو پُرسہ دے لے۔ کافی مستورات جمع ہو گئیں۔ آہ و بکا اور نالہ و شیون سے تمام محلہ ماتم کدہ بن گیا۔ زنِ شمر روتے روتے ایک مرتبہ پھر بیہوش ہو گئی۔ عالمِ بیہوشی میں دیکھا بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا۔ اس میں سے وہ مستورات نیچے اتریں۔ زنِ شمر نے سوال کیا یہ

کون مستورات ہیں۔ پارہ ابر سے جواب ملا ایک ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ اور دوسری ام السادات بنتِ رسول فاطمہ زہرا ہے۔ پھر کچھ مرد نظر آئے۔ تمام کے بال پریشاں تھے۔ چہرے گرد آلود تھے۔ گریباں چاک تھے۔ آستینیں چڑھی ہوئی تھیں۔ ایک ایک نے سَر کو اٹھا کر سینہ سے لگایا۔ زنِ شمر نے ایک شخص سے سوال کیا یہ کون ہیں؟ تو ایک شخص نے جواب دیا۔ مظلوم کا نانا سلطان الانبیا ہے۔ آپ کے ایک طرف جناب حمزہ اور دوسری طرف جناب جعفر طیار ہیں۔ یہ لوگ بہت زیادہ روئے سرِ مظلوم کے بوسے لئے۔ پھر جناب خدیجۃ الکبریٰ اور جناب زہرا دونوں میری طرف آئیں۔ جناب زہرا نے میرے قریب آ کر فرمایا۔ اے زوجۂ شمر تو نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ تمام محلہ کی مستورات کو جمع کیا ہے۔ میرے مظلوم بیٹے کی عزاداری کی ہے۔ اس غریب پر ماتم کیا ہے۔ مانگ کیا مانگتی ہے۔ زہرا بارگاہِ خالق میں عرض کرے گی تیری ہر خواہش پوری ہو گی۔

زوجہ شمر! بی بی مجھے تو صرف آپ کی غلامی چاہیئے۔ آپ کے قدموں میں رہنا چاہتی ہوں۔ کیا ایسا ہونا ممکن ہے۔

جناب زہرا۔ اے زوجۂ شمر اللہ کے لئے کیا ممکن نہیں ہے۔ تو اٹھ اپنی تجہیز و تکفین کی تیاری کر ہم تیرا انتظار کر رہے ہیں۔

عزادارو! جناب زہرا کا یہ خطاب صرف زوجہ شمر سے نہیں ہے بلکہ ہر اس عزادار سے ہے جو مجلس شبیر کا اعلان کرتا ہے۔ لوگوں کو جمع کرتا ہے۔ علماء و ذاکرین کو بلاتا ہے۔ عزاداری سید الشہداء برپا کرتا ہے۔ مال و زر خرچ کرتا ہے۔ کیونکہ یہ وہ حسین ہے جسے قاتل روئے نہیں اور

بہنوں بیٹیوں اور بھانجیوں بھتیجیوں کو کسی نے رونے نہیں دیا۔ بنتِ رسول کو رونے والے کتنے پسند ہیں۔ اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ بس زوجہ شمر کے انجام سے اندازہ کر لیں۔

زوجہ شمر بیدار ہوئی۔ شمر کے پاس آئی۔ سرِ مظلوم ہاتھوں پر اٹھائے تھی

زوجہ شمر بولی! اے دشمن خدا! تو نے نبی کا گھر اجاڑ دیا۔ راکبِ دوشِ نبی کو پیاسا شہید کیا۔ بوسہ گاہ نبویہ کو نیزہ کی نوک پر بلند کیا۔ کیا تو بھی مسلمان ہے؟ کسی ظالم یہودی نے بھی اپنے نبی کی اولاد سے ایسا سلوک کیا ہے؟ تو تو مجوسیوں سے بھی بدتر ہے۔ اب مجھے طلاق ہی دے دے۔

شمر نے کہا۔ اگر تو محبتِ حسین میں اتنی اندھی ہو چکی ہے تو لے میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ انتِ طالقٌ جا میں نے تجھے طلاق دے دی۔ کٹا ہوا یہ سر، تیری کیا امداد کرے گا۔ لا یہ سر مجھے دیدے۔

زوجہ شمر نے جواب دیا۔ واہ اب تیرا اور میرا کیا تعلق۔ یہ سر تجھے کیسے مل سکتا ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔

شمر نے غصہ میں کہا۔ یہ سر مجھے دے۔ ورنہ تجھے بھی قتل کر دوں گا

زوجہ شمر۔ مجھے اور کیا چاہیئے۔

شمر نے ایک ضرب سے اس مومنہ کو شہید کر دیا۔ یوں بیوی بی قافلۂ شہداء میں شامل ہو گئی۔

تیسرا نور

نورِ خلافت

- حضرت علیؑ کی ولادت
- بعد از ولادت نبیؐ اکرم کو سلام
- نبی عالمینؐ کی زبان چوسنا
- امام حسین کا زبانِ رسول چومنا
- حضرت علی کی اولین غذا
- حضرت علی کی اولین گفتگو قد افلح المومنون
- حضرت علی کا آخری جملہ فزت برب الکعبہ
- امام حسین کا دریائے فرات پر ورود
- ذوالجناح کا پانی نہ پینا
- امام حسینؑ کی نوک نیزہ پر تلاوت
- زید ابن ارقم کا تلاوت سننا
- ابنِ زیاد کا دندانِ مظلوم پر چھڑی لگانا

ابن بابویہ اور شیخ طوسی وغیرہما نے امام صادق سے روایت کی ہے کہ ایک دن (۱۰ رجب) کو جناب عباس بنی ہاشم کے گرد معزز افراد کے ساتھ بیت اللہ کے باہر بیٹھے تھے کہ جناب فاطمہ بنت اسد مسجد الحرام میں تشریف لائیں۔ کعبہ کے سامنے کھڑی ہو گئیں، غلافِ کعبہ کو ہاتھ میں لیا۔ نگاہ سوئے آسمان کی اور عرض کیا۔

اے اللہ میں تیری توحید، تمام انبیاء کی نبوت۔ اپنے جدِ امجد بانیٔ کعبہ حضرت ابراہیم کی خلّت نبوت اور ملت اپنے صدفِ عفت میں موجود سعادت مند فرزند اور تمام کتب پر ایمان رکھتی ہوں میرے معاملہ کو آسان فرما۔

جناب عباس فرماتے ہیں، ہم نے دیکھا دیوارِ کعبہ شق ہوئی، جناب فاطمہ داخل ہوئیں۔ دیوارِ کعبہ دوبارہ باہم مل گئے، اہلِ مکہ میں یہ واقعہ مشہور ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے قفل شکنی کی کوشش کی لیکن قفل نہ ٹوٹا۔ چوتھے دن جناب فاطمہ علی کو ہاتھوں پر اٹھائے اسی جگہ سے باہر تشریف لائیں جس جگہ سے داخلِ بیت اللہ ہوئی تھیں۔

جناب فاطمہ فرماتی ہیں کہ جب میں نے باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو ہاتف غیبی نے آواز دی۔ اے بہترین مولود کی بہترین ماں اس بچہ کا نام ہم خود رکھیں گے۔ ہم نے تیرے اس بچہ کو علم ماکان وما یکون سے نوازا ہے۔ ہمارے محبوب پیغمبر کے بعد یہی امامِ امت ہو گا۔ جو اسے دوست رکھے گا ہمارا دوست ہو گا۔ جو اسے دشمن سمجھے گا ہمارا دشمن ہو گا۔ اس کی ولایت کا اقرار کرنیوالے

خوش نصیب اور اس کے حق کا انکار کرنے والے بد نصیب ہوں گے۔

جناب فاطمہ گھر تشریف لائیں اتنے میں سرورِ انبیاء تشریف لائے مولود مسعود کو ہاتھوں پر لیا۔ جب اس مولود مسعود کی نگاہ جمال جہاں آرائے نبوی پر پڑی تو سب سے پہلا کلمہ جو ادا کیا یہ تھا۔

السلام علیک یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قد افلح المومنون الذین ہم فی صلٰوتہم خاشعون

نبی اکرم نے فرمایا، حقیقت بھی یہی ہے جس نے تیرا دامن تھاما وہی کامران ہو گا۔ اس کے بعد اس نومولود نے یہ آیت تلاوت کی۔

اولئک ہم الوارثون الذین یرثون الفردوس ہم فیہا خالدون

رسول رحیم نے جواب میں فرمایا۔ ان وارثینِ فردوس کا امیر و حکمران تو ہی ہو گا۔ بخدا تو ہی ان کا فردِ اول ہو گا۔ بخدا تو ہی ہادیٔ امت ہو گا۔

اس کے بعد آپ جناب فاطمہ سے مخاطب ہوئے اور عرض کیا۔ چچی اماں۔ جائیے جناب حمزہ کو مبارک باد دیجئے۔ بی بی نے عرض کیا اگر میں وہاں جاؤں تو بچے کو دودھ کون پلائے گا؟ آپ نے فرمایا آپ تشریف لے جائیے۔ بچہ مجھے دیجئے اسے میں خود سیراب کئے دیتا ہوں۔ بی بی نے بچہ آنحضور کے حوالہ کیا۔ آپ نے بچہ کے دہن مبارک میں اپنی زبان مطہر دی۔ بچہ نے چوسنا شروع کیا۔ علمِ نبوت کے بارہ چشموں سے سیراب ہونے کے بعد زبانِ رسالت چھوڑ دی۔

جناب ابو طالب کو اطلاع ملی۔ بچہ کو دیکھا۔ بیت اللہ میں تشریف

لائے۔ غلافِ کعبہ کو پکڑا اور عرض کیا۔

یا رب ھذا الغسق الدجی — اس تاریک رات کے مالک اللہ!

والقمر ا — جگمگاتے چاند کے خالق اللہ!

بین لنا من امرک الخفی۔ — ہمیں اپنے مخفی راز سے آگاہ فرما۔

ماذا نسمی ذلک الصبی۔ — ہم اس بچے کا نام کیا رکھیں؟

ہاتف غیبی نے جناب ابو طالب کے اشعار کا اسی بحر اور قافیہ

میں یوں جواب دیا۔

یا اہل بیت المصطفیٰ النبی — اے میرے نبی مصطفیٰؐ کے اہلبیت!

خصصتما بالولد الذکی — تمہیں ایک دانشمند بچہ سے نوازا گیا ہے۔

اسمہ من شامخ علی — اس کا نام بلندی مرتبہ کی بدولت علی ہے۔

علی اشتق من العلی — علی نام رب علی کے نام سے مشتق ہے۔

محترم مومنین! ملاحظہ فرمایا آپ نے امیر المومنین دنیا میں آئے تو کعبہ میں اور پہلی بات جو کی وہ قد افلح المومنون تھی۔ اور جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو مسجد میں اور جاتے ہوئے آخری بات جو کی وہ یہ تھی۔ بسم اللہ و باللہ علی ملۃ رسول اللہ فزت برب الکعبۃ۔

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت
بکعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

جب آپ کی یہ آواز نمازیوں نے سنی سجدہ سے سر اٹھائے۔ امام حسن آگے بڑھے نماز مکمل کی۔ دیکھا تو حضرت علی فرشِ مسجد سے مٹی

اٹھا اٹھا کر زخم میں بھر رہے تھے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ منھا خلقناکم و فیھا نعیدکم و منھا نخرجکم تارۃً اخری۔ تمہاری پیدائش اور بازگشت مٹی ہی میں ہے۔ ملائکہ سے تسبیح چھوٹ گئی۔ دنیا اندھیر ہو گئی۔ دریاؤں میں طغیانی آگئی۔ آسمان کانپ گئے۔ عرش لرز گیا۔ مسجد کے دروازے ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ جبریل نے رو کر آسمان و زمین کے مابین مرثیہ پڑھا۔

تھدمت واللہ ارکان الھدیٰ — بخدا ہدایت کا ستون زمین بوس ہو گیا۔

انطمست واللہ نجوم السماء — بخدا تقویٰ کا پہاڑ ٹوٹ گیا اور آسمان

واعلام التقیٰ۔ — کے ستارے گہنا گئے۔

چشمہ نبوت سے فقط علی ہی سیراب نہیں ہوئے بلکہ آپ کے بعد آپ کے چھوٹے صاحبزادے حسین کو بھی یہ نعمت نصیب ہوئی ہے۔ شیخ مفید اور دیگر علمائے اعلام نے امام رضا سے روایت کی ہے کہ جب امام حسین کی ولادت ہوئی تو سلطان انبیاء خانہ زہرا میں تشریف لائے۔ اسماء بنت عمیس سے فرمایا۔ میرا بیٹا لے کے آ۔

اسماء۔ ما غسلۃ الی الآن — ابھی تک شہزادے کو غسل نہیں دیا گیا۔

نبی اکرم۔ أانت تغسلیۃ وتطھرینہ — بھلا کیا تو حسین کو غسل دے گی اور پاک کرے گی؟

ایتینی بہ قد نظفہ اللہ — لے کے آ۔ اللہ نے میرے حسین کو

الملک العلام — پاک کر کے بھیجا ہے۔

اسماء شہزادے کو اٹھا کے لائی آپ نے ہاتھوں پر لیا۔ بلند کیا۔ دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت پڑھی۔ پھر اپنے لب ہائے

مبارک شہزادے کے لبوں پر رکھے۔ اپنی زبان مبارک شہزادے کے منہ میں دی۔ شہزادے نے چوسنا شروع کیا۔

عزادارو! تاریخ میں صرف دو باپ ایسے ملتے ہیں جنہوں نے اپنے لب اپنے بیٹے کے منہ پر رکھ کر اپنی زبان اپنے بیٹے کے منہ میں دی ہے۔ ایک تو نبی اکرم جنہوں نے بعد از ولادت دہنِ حسین میں اپنی زبان دی اور دوسرے یہی سید الشہداء ہیں جنہوں نے یوم عاشور اس وقت شبیہہ پیمبر کے خشک منہ میں زبان دی، جب اٹھارہ برس کے نوجوان بیٹے نے عرض کیا۔

یا ابتاہ العطش قتلنی وثقل الحدید اجھدنی	اے ساقیٔ کوثر کے فرزند باپ پیاس سے جگر کباب ہو گیا ہے اور ہتھیاروں کے وزن نے بوجھل کر دیا ہے۔
ھل الی شربۃ ماء من سبیل؟	کیا پانی کا ایک گھونٹ کہیں سے مل جائے گا۔

ساقیٔ کوثر کے پیاسے فرزند نے اپنے نونہال کو قریب بلا کر فرمایا۔

بنی خذ لسانی	بیٹے میری زبان چوس لو۔

شہزادے نے جب اپنے باپ کی زبان کو اپنے دہنِ مبارک میں لیا تو فوراً پیچھے ہٹے اور عرض کی۔

ان لسانک ایبس من لسانی	آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے۔

نواسۂ رسول کی آنکھوں سے بیساختہ آنسو ٹپکے آگے بڑھے پیاسے

بیٹے کو گلے لگایا پیاسے لبوں پہ بوسہ دیا اور فرمایا بیٹے وہ باپ کتنا بیکس ہوتا ہے جس سے تجھ جیسا جواں سال بیٹا پانی مانگے اور وہ نہ دے سکے۔ شہزادہ اکبر نے باپ کے قدموں پہ بوسہ دیا اور عرض کی۔ آپ میری خاطر غمزدہ نہ ہوں بس اب میرے اور حوضِ کوثر کے درمیان بہت کم ہی وقت رہ گیا ہے۔ یہ کہہ کر شہزادہ واپس میدان میں پلٹا۔ ایک طرف پیاسا ہمشکل پیمبر اور دوسری طرف تازہ دم فوج۔ الخ۔

آنحضور جب حضرت حسین کو سیراب کر چکے جبریل نے نازل ہو کر عرض کیا۔ ذاتِ احدیت کا ارشاد ہے کہ علی کو میں نے تیرے ساتھ وہی نسبت دی ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ لہٰذا اس چھوٹے شہزادے کا نام ہارون کے چھوٹے بچے شبیر کے نام پر موسوم کرو۔ لیکن شبیر عبرانی زبان کا نام ہے عربی میں اس کا ترجمہ حسین ہو گا۔ نبی اکرم نے اس نومولود کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ پھر دائیں رخسار کو چوما پھر بائیں رخسار کو چوما۔ پھر دونوں لبوں کا بوسہ لیا پھر گلوئے نازنین کو چوما۔ میرا دل کہتا ہے تیرہ بوسے لئے ہوں گے۔ پھر فرمایا میرے حسین تو بہت بڑا مظلوم ہے۔ تو بہت بڑا غریب ہے۔ کاش میں اس وقت ہوتا۔ اسماء کا بیان ہے کہ آنحضور نے مجھے فرمایا۔ اسماء! ابھی تک میری زہرا کو میری ان باتوں کی اطلاع نہ دینا۔

ساتویں دن نبی کونین جب خانۂ زہرا میں تشریف لائے تو فرمایا میرا حسین بیٹا میرے پاس لاؤ۔ اسماء کہتی ہے ہیں شہزادہ کو اٹھا کر

لائی۔ آپ نے حکم دیا ایک دنبہ عقیقہ کرو۔ ایک ران صدقہ دو پھر سر کے بال ترشوائے۔ ان کے ہم وزن چاندی صدقہ کی۔ اپنے دامن میں لیا۔ پہلے دن کی طرح رونے اور چومنے لگے۔ چومتے بھی جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے میرے حسین بیٹے تیری شہادت میرے لئے کتنی گران ہوگی۔ اسماء نے عرض کیا۔ میرے آقا! میں دیکھتی ہوں آپ ہر روز حسین کو چومتے بھی ہیں اور روتے بھی ہیں۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں اسماء جو کچھ میں جانتا ہوں تو نہیں جانتی۔ بنی امیہ کا ایک گروہ میرے اس لال کو تین دن کا پیاسا وطن سے بہت دُور شہید کرے گا، اللہ میری شفاعت انہیں نصیب نہ کرے گا۔ قاتل کافر ہوں گے۔ اے اسماء! میرے اس بیٹے کے دوستوں کو دوست اور دشمنوں کو دشمن سمجھنا۔ میرے اس حسین کے دشمنوں پر جتنا ہو سکے لعنت کرنا۔

ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ امام حسین نے اپنی ولادت سے لے کر چالیس دن تک اپنی والدہ کا دودھ نہیں پیا۔ روزانہ نماز صبح نماز ظہرین اور نماز مغربین کے بعد سلطان الانبیاء تشریف لاتے اپنی زبانِ مبارک دہن حسین میں رکھتے۔ اور شہزادہ شبیر مادر کی طرح زبانِ رسالت کو چوستا۔ یوں امام حسین کا گوشت اور پوست، اخلاق و عادات نبویہ کے چشمۂ فیض سے پیدا ہوئے۔ اسی لئے نبی اکرم نے فرمایا تھا۔ الحسین منی وانا من الحسین۔

عزادارو! یہی وہ حسین ہے کہ ایک وقت رسولِ ربِ یزدان

کی زبان معجز بیان سے سیراب ہوتا ہے اور پھر اسی حسین پر ایک وقت وہ بھی آیا جب اسی رسول کی امت سے کہتا ہے۔

اسقونی شربۃً من الماء فقد — مجھے پانی کا ایک گھونٹ دے دو
نشفت کبدی من الظماء — پیاس سے میرا جگر کباب ہو چکا ہے

جواب میں ایک ظالم نے زہر آلود سہ شعبہ تیر مارا۔ جس سے پیاس میں اضافہ ہوگیا۔ آپ دریائے فرات کی طرف بڑھے۔ کنارے کو خالی کیا۔ گھوڑے کو دریا میں ڈالا اور فرمایا۔

انا عطشان وانت عطشان — میں بھی پیاسا ہوں اور تو بھی پیاسا ہے

تو پی لے پھر میں بھی پیوں گا۔ ذوالجناح نے زبان حال سے التجا عرض کیا۔ پہلے آپ پیئں۔ جب مظلوم نے دیکھا کہ ذوالجناح پانی نہیں پی رہا۔ آپ نے چلو میں پانی لیا۔ ارادہ کیا کہ پیئیں کہ حصین ابن نمیر گھوڑا دوڑا کر قریب آیا اور آپ کے دہن مبارک کا نشانہ لے کر ایک تیر چلایا۔ ایک طرف پانی کا چلو دہن کے قریب ہوا اور دوسری طرف اس ظالم کا چھوڑا ہوا تیر کمان سے نکلا۔ پانی کے دہن میں پہنچنے سے پہلے تیر نے پیاسے لبوں کا بوسہ لیا جس چلو میں پانی تھا اسی میں پیاسے لبوں سے بہنے والا خون گرنے لگا۔ چلو کا پانی رنگین ہو گیا۔ سوئے آسمان دیکھا۔ آہِ سرد بھری اور عرض کیا۔ اللھم اشھد۔ بار الہا تو گواہ رہنا اس ظالم نے مجھے پانی نہیں پینے دیا۔

شدتِ پیاس سے مظلوم کبھی اپنی خشک زبان کو بار بار حلق میں لے جاتے اور کبھی نوکِ نیزہ پر تلاوتِ قرآن فرماتے۔ صحابی رسول زید ابن ارقم

کا بیان ہے کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ اچانک شور و غل بپا ہوا۔ میں اُٹھا اپنی حویلی کے دروازہ پر آیا۔ میں نے دیکھا چند سپاہیوں کے ہاتھوں میں نیزے ہیں اور ان نیزوں کی نوکوں پر مختلف سن و سال کے متعدد سر ہیں۔ انہی سروں میں مَیں نے ایک ایسا سر دیکھا جو سورج کی مانند چمکتا تھا۔ اس کی زخمی پیشانی سے نور کی ایک کرن آسمان تک متصل نظر آرہی تھی۔ اس کے مجروح ہونٹ ہل رہے تھے۔ جب میں نے توجہ سے سُنا تو آواز آرہی تھی۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْکَھْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اصحاب کہف ورقیم ہماری آیات میں سے زیادہ باعث تعجب تھے؟

زید کہتا ہے جب میں نے غور سے دیکھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میرا جسم کانپنے لگا اور بیساختہ آنسو ٹپکنے لگے۔ میں نے دیکھا تو یہ نواسۂ رسول کا سر تھا۔ میں صرف اتنا کہہ سکا اے فرزندِ رسول آپ کا واقعہ اصحاب کہف و رقیم سے کہیں زیادہ تعجب انگیز ہے۔

چوتھا نور

نُورِ مصلحِ امت

- امام حسن کی ولادت
- زبانِ رسالت سے فضائلِ امام حسن
- لشکریانِ امام حسن کا فوجِ شام سے الحاق
- شبِ عاشور امام حسین کو ساتھ آنیوالوں کا چھوڑنا۔
- امام حسن کی ران پر خنجر کا وار
- سنان ابن انس ابن مالک کا نیزہ سے وار
- جعدہ ملعونہ کا زہر دینا
- تین مرتبہ مہلک زہر کا دیا جانا
- محبانِ اہلبیت سے انتقام
- مظلومِ کربلا کا زینِ ذوالجناح سے خاکِ کربلا پر آنا

ابن بابویہ وغیرہ علمار نے امام زین العابدین سے روایت کی ہے کہ جب امام حسن کی ولادتِ باسعادت ہوئی تو نبی اکرم تشریف لائے اپنی زبان مبارک دہن حسن میں دی۔ شہزادہ نے دنیا کی پہلی غذا لعابِ رسالت ہی سے حاصل کی۔ دوسرے دن دخترِ رسول نے حضرت علی کی خدمت میں عرض کیا بچے کا نام کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا۔ میں نبی کو نین سے سبقت نہیں کرتا۔ جب نبی اکرم تشریف لائے تو آپ نے حضرت علی سے سوال کیا۔ بچے کا نام کیا رکھا ہے؟ آپ نے عرض کیا۔ میں آپ سے کیسے سبقت کر سکتا تھا۔ آپ ہی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں بھلا ذاتِ احدیت سے کیسے سبقت کر سکتا ہوں۔ ذاتِ احدیت نے جبریل سے فرمایا۔

جا میرے حبیب سے میرے سلام کے بعد کہہ دے کہ اس بچے کا نام ہارون کے بڑے بچے کے نام جیسا رکھو۔ اس کا نام شبر تھا لیکن چونکہ تمہاری زبان عربی ہے اس لئے شبر کا عربی میں ترجمہ حسن ہوگا۔

قطب راوندی نے امام صادق سے روایت کی ہے کہ آنحضورؐ جناب زہرا کے گھر روزانہ تشریف لاتے تھے اور شیر خواران زہرا کو لعابِ دہن سے سیراب فرماتے تھے۔ اور جناب زہرا سے فرمایا کرتے تھے کہ تو انھیں دودھ نہ پلایا کر زبانِ رسالت ان کے لئے کافی ہوگی۔

ابوہریرہ سے مروی ہے کہ وہ کہا کرتا تھا میں جب بھی امام حسن کو دیکھتا ہوں تو آنسو بیساختہ میری آنکھوں سے بہنے لگتے ہیں کیونکہ مجھے آج تک وہ دن نہیں بھولتا جب میں آنحضور کی خدمت میں بیٹھا تھا۔

امام حسن دوڑے ہوئے آئے سرور انبیار کے زانو پر بیٹھے آپ نے حسن کو گلے لگایا لبوں پر بوسہ دیا اپنی زبان مبارک شہزادہ کے منہ میں دی جب شہزادہ سیراب ہو لیا تو آپ نے فرمایا۔ اے اللہ میں حسن کو چاہتا ہوں تو بھی اس شخص کو پسند فرما جو حسن سے محبت کرے۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔

عبداللہ ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک دن نبی اکرم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اچانک شہزادہ حسن اپنے دولت سرا سے برآمد ہوا۔ آنحضور نے دو مرتبہ فرمایا۔ حسن بیٹے یہاں آؤ۔ حسن بیٹے یہاں آؤ۔ شہزادہ چلتا ہوا آیا آپ کی گود میں بیٹھ گیا۔ آپ نے گلے لگایا۔ منہ کا بوسہ لیا آپ کے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ پھر آپ نے امام حسن کے فضائل بیان فرمائے آخر میں فرمایا۔ حسن مجھ سے ہے۔ حسن میرا بیٹا ہے۔ حسن میرا نورِ چشم اور میوۂ دل ہے۔

ایک مقام پر آپ نے فرمایا۔ کہ اللہ نے مجھے حسن سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے۔

تعجب ہے اس امت پر جو اپنے نبی کے اس نواسے کو زہرِ جفا سے شہید کرے جس سے محبت کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہو۔ وہ شہزادہ جس کا گوشت و پوست لعابِ رسول سے پیدا شدہ ہو اسی کے مقدس جگر کو زہر سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ اور اسی معصوم کے جسم کو خنجر سے زخمی کر دیا جائے۔

آپ ذرا اس معصوم امام کی مظلومی کا وہ وقت دیکھیں جب امیر شام

نے امام حسن کے ایک ایک سالار لشکر کو خط لکھا کہ اگر میرے ساتھ مل جاؤ تو اتنا نقد پیسہ اور اپنی بیٹی کا رشتہ دوں گا۔ ایک ہی لڑکی کا لالچ ہر سالار لشکر کو دیا اور یہ کم نصیب امیر شام کی دامادی کے لالچ میں آکر فرزندِ نبی کو چھوڑ چھوڑ کر جانے لگے، حتیٰ کہ عبید اللہ ابن عباس تو اپنی زیرِ کمان بارہ ہزار افراد کو بھی ساتھ لے کر امیر شام کے پاس چلا گیا۔

اگر آپ اس کا موازنہ شبِ عاشور امام حسین کے لشکر سے کریں تو چنداں فرق نظر نہیں آئے گا۔ آپ پوچھیں ناں کم سن سکینہ سے بتاتی ہیں کہ میں اپنے بابا کی آواز سننے کی خاطر اپنے بابا کے قریبی خیمہ میں بیٹھی تھی کہ خیمہ کے عقب سے بلند آواز سے گریہ کی آواز آئی، میں خیمہ کے دروازہ پر آئی دیکھا تو میرا پیاسا بابا درمیان میں ہے اور گرد سے کے ساتھ آنے والے ہیں۔ میرے مظلوم بابا نے اپنے صحابہ سے فرمایا، دیکھو آپ لوگوں میں سے کچھ اس لئے بھی میرے ساتھ آئے ہیں کہ لوگ مجھے فرزندِ رسول جان کر میری امداد کو آئیں گے۔ ہمارے لشکر کی تعداد زیادہ ہو گی۔ جنگ میں ہم فاتح ہوں گے اور تمہیں مالِ غنیمت ہاتھ آئیگا۔ لیکن یاد رکھو، میرے نانا کی وفات کو پچاس برس گزر چکے ہیں، ہمیں تو اس وقت بھی تنہا چھوڑ دیا گیا تھا جب ہمارے نانا کا جنازہ گھر میں رکھا ابھی تک دفن بھی نہ ہوا تھا۔ ہم اپنی ماں کے ساتھ جنازہ رسول پر بیٹھے تھے۔ اور ہمارے نانا کا کلمہ پڑھنے والے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر دستار بندی کر رہے تھے، میری ماں دخترِ رسول تھیں۔ وہ

زخمی پہلو لے کر اس دُنیا سے رخصت ہوئیں۔ میرے باپ کو لوگوں نے شہید کر دیا۔ میرے بھائی کو زہر دیا گیا۔ میں آپ لوگوں کو صاف صاف بتا رہا ہوں، آج شبِ عاشور میں نے مانگ کر لی ہے۔ یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے، میرے نانا کی وفات کے بعد سے آج تک جنگ بدر کے مقتولین کا انتقام ہم سے لیا جا رہا ہے اور یہ سلسلہ تا دیر چلتا رہیگا۔ کل میں اور میرے ساتھ رہ جانے والے ان کے ہاتھوں شہید ہونگے، ہماری شہادت کے بعد یہ لوگ بنات رسول کو قید کر کے شہر بشہر پھرائیں گے۔ ہمارے خیام لوٹ لئے جائیں گے۔

ہم اہلبیت کسی کو دھوکا نہیں دیتے۔ دیکھ لو، جسے شہادت قبول ہو رہ جائے ورنہ رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھا کر چلا جائے۔ ابھی تک میرے بابا نے پوری بات ختم نہ کی تھی کہ میں نے دیکھا ایک ایک دو دو اور پانچ پانچ کر کے اٹھنے لگے۔

میں آنسو بہاتی ہوئی واپس پلٹی، میری پھوپھی اُمِ کلثوم (جنابِ زینب) نے مجھے اپنے پاس بُلایا۔ مجھے گلے لگایا، میرے پیاسے ہونٹوں کو اپنے خشک لبوں سے چوما اور پوچھا بیٹی اس وقت کیوں رو رہی ہے کیا شدّتِ تشنگی سے رو رہی ہو یا بھوک زیادہ لگ رہی ہے یا کوئی اور بات ہے۔ میں نے عرض کیا پھوپھی اماں! پیاس اور بھوک تو نہیں لیکن ان سنے رونا کہاں آتا ہے اب تو ایک نئی افتاد آ پڑی ہے۔ میرے بابا نے اپنے تمام ساتھیوں کو اپنی شہادت کی خبر دی ہے۔ میں دیکھ کے آئی ہوں ہمارے ساتھ مدینہ سے آنے والے پھر مکہ سے ہمارے ساتھ شامل ہونیوالے

ایک ایک، دو دو، اور پانچ اُٹھ کر جا رہے ہیں۔ پھوپھی ہم تنہا رہ گئے ہیں۔ میرا بابا تنہا رہ گیا ہے۔ جونہی میری پھوپھی نے میری بات سُنی بیساختہ پکار اٹھیں۔ ہائے بابا۔ ہائے حسین۔ ہائے نانا۔ آج اس دشتِ غربت میں ہمارا کوئی ساتھی نہیں ہے۔

کاش! میرا حسین بچ جاتا۔ کاش ہمیں شہید کر دیا جاتا اور حسین زندہ رہ جاتا۔

جب امام حسن اپنے لشکر سے مایوس ہوئے تو مدینہ کی طرف روانہ ہوئے مقامِ ساباط پر بنی اسد کے ایک شخص نے خنجر سے آپ پر حملہ کیا جس سے آپ کی ران مجروح ہو گئی۔ آپ کے غلاموں نے اس نامراد کو گرفتار کر کے واصل جہنم کیا۔ آپ کو چارپائی پر اُٹھا کر مدائن میں سعد ثقفی کے گھر لائے۔ وہاں آپ کا علاج ہوا آپ شفا یاب ہو کر واپس مدینہ آئے۔

عزادارو! دل چاہتا ہے عرض کروں۔ حسن مولا! آپ خوش قسمت تھے۔ خوش نصیب تھے کہ آپ کو غلاموں نے گھوڑے سے اُتارا۔ ذرا کربلا میں دیکھے آپ کے بھائی کو تو گھوڑے سے اُتارنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ آپ کو گھوڑے سے اُتارنے کے بعد چارپائی پر اُٹھا کر لانے والے موجود تھے۔ لیکن بابائے سکینہ کو تو اُٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ بقی الحسین ثلاث ساعاتٍ کلبوباً علی السهام۔ تین گھنٹے تو مظلوم حسین نہ زین پر رہے اور نہ زمین پر آئے۔ بلکہ اوندھے منہ تیروں پر حمدِ خدا کرتے رہے۔ حسن آقا آپ کو خنجر کا ایک زخم لگا تھا۔ آپ کو معالج مل گیا لیکن ذرا اپنے مظلوم بھائی کو دیکھئے نہ خنجروں کا شمار ہے۔ نہ نیزوں کی گنتی ہے۔ نہ تلواروں کی تعداد ہے۔ نہ تیروں اور پتھروں کا شمار ہے۔ بھلا بتائیے ایک تن مجروح ہے ہزاروں زخم ہیں کس کس زخم کا علاج ہوگا۔ علاج کون کرے گا۔

حسن آقا! آپ کو دفن تو کر دیا گیا۔ روضہ رسول میں نہ سہی بال زہرا کے پہلو میں جگہ تو مل گئی آپ کی یہی مظلومی ہے ناں کہ آپ کے زہر خوردہ جسم پر تیر برسائے گئے۔ یہ تیر ہی تھے گھوڑوں کے سم تو نہ تھے لیکن ذرا کربلا میں ایک مرتبہ آ کر دیکھئے تو سہی شبیر کے تن پاش پاش پر گھوڑے دوڑ رہے ہیں۔ تین دن تک کربلا کے تپتے ریگزار پر لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی تیسرے دن پابہ زنجیر سجاد نے پامال سم اسپاں جسم کو کیسے جمع کیا ہوگا کہاں کہاں سے جمع کیا ہوگا اور کیسے دفن کیا ہوگا۔

جب امام حسن واپس مدینہ پہنچ گئے۔ امیر شام کا ایک خط جعدہ بنت اشعث کے پاس بھی پہنچ چکا تھا۔ یہ جعدہ حضرت ابوبکر کی بھانجی ہے۔ امیر شام نے اسے بھی اپنی بہو بنانے کا لالچ دیا تھا۔ اس بدقسمت نے امیر شام کی بہو بننے کے لالچ میں آ کر فرزندِ رسول کو زہر دے دیا۔

تاریخ میں ہے کہ اس دن گرمی میں شدت تھی۔ امام حسن کو روزہ تھا۔ وقتِ افطار ظالمہ نے دودھ پیش کیا۔ آپ نے جونہی دودھ سے افطار کیا۔ فرمایا۔ اے ظالمہ! تو نے میرے بچے یتیم کر دیئے ہیں میرے نانا۔ میرے باپ اور میری ماں کو قبر میں رُلایا ہے۔ مجھے دودھ میں

زہر دیا ہے۔ لیکن یاد رکھنا تجھے فریب دیا گیا ہے۔ تا زندگی اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ اس ملعونہ نے شہد میں زہر ملا کر دیا۔ اور ایک ہے کہ اس بدانجام نے کھجور میں زہر ملا کر دیا۔ آپ کے پارہ ہائے جگر کٹ کٹ کر باہر آنے لگے۔ آپ افتاں و خیزاں پہلے اپنی ماں کے مزار پر آئے۔ اور بتایا ماں تیرے حسن لال کو زہر مل گئی ہے اب آپ کے پاس آ رہا ہوں۔ پھر اپنے نانا کے مقدس روضہ پر آئے۔ مزار پر اپنا تپتا ہوا سینہ رکھا اور عرض کی۔ نانا۔ ذرا اٹھ کر اپنے حسن کے جگر کے ٹکڑے تو دیکھئے۔ آپ کی امت نے کس قصور میں میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ لیکن عزادارو!

آئیے مل کر عرض کریں۔ حسن آقا! آپ مدینہ میں تھے زہر ملی اپنی ماں کے مزار پر آ کر شکوہ کر لیا نانا کو اپنے غم بتا دیئے۔ لیکن ذرا میدانِ کربلا میں اپنے حسین بھائی کو تو دیکھئے۔ جب زین ذوالجناح سے تیروں پر اور تیروں سے زمین پر آئے۔ تو دائیں دیکھا۔ بائیں دیکھا کوئی سہارا دینے والا نظر نہ آیا۔

بلند مرتبہ شاہی زِصدرِ زین افتاد	عرش کا باسی زین سے زمین پر آ رہا۔
اگر غلط نہ کنم عرش بر زمین افتاد	اگر میں کہہ دوں کہ عرش زمین پر آ رہا ہے تو غلط نہیں ہوگا
شفیع روزِ قیامت بخاک مسکن کرد	یوم حشر کے شفیع امت نے خاکِ کربلا پر بسرا کر لیا ہے
زمین ماریہ را ہمچو دشت ایمن کرد	زمینِ کربلا کو کوہ طور بنا دیا ہے۔

آپ اٹھنے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ صالح ابن وہب نے

دائیں پہلو پر نیزہ سے وار کیا۔ آپ بحالت رکوع خمیدہ ہو گئے۔ درِ خیمہ پر دیکھنے والی بہن سے برداشت نہ ہو سکا۔ چادر زہرا سر پر رکھی خیمہ سے باہر آئی۔ گرتے ہوئے بھائی کو سہارا دیا اور عمر سعد سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

یابن سعد اتنظر و تقتل ابو عبداللہ   اے ابن سعد تو دیکھ رہا ہے اور نواسہ رسول شہید ہو رہا ہے۔

پانچواں نور

نورِ شہید عبرت

- سید الشہداء کی ولادت
- ملائکہ کی نبی کونین کو مبارکبادی اور تعزیت
- حور العین اور جنت کی آرائش
- بیمار کربلا کا اپنے شہید باپ کا پارہ پارہ جسم دیکھنا
- ثانی زہرا کا تسلی دینا

سابقاً بھی اجمالاً ولادت امام حسین کا کچھ تذکرہ کیا ہے۔
بھی اشارۃً چند امور کا تذکرہ کئے دیتے ہیں۔ تین شعبان کی صبح ذاتِ احدیت نے خازن جہنم کو حکم دیا کہ آج کے دن کے لئے آتش جہنم کو خاموش کر دے۔ رضوان جنت کو حکم دیا کہ ہشت بہشت آراستہ کر دو۔ حور العین کو حکم دیا کہ اپنے آپ کو مزین کر لو۔ جبریل کو حکم دیا کہ ہزار ہزار ملائکہ پر مشتمل ایک ہزار گروہ لے کے جاؤ اور میرے محبوب کو اس کے عزیز نواسے کی ولادت پر مبارکباد کہو۔

کیوں عزادارو! حق تو یہ ہے کہ جس طرح آج ذاتِ احدیت نے یہ احکام نافذ کئے ہیں، جو امام حسین کا یوم ولادت ہے تو عقلاً یوم عاشور جو اسی حسین کا یومِ شہادت ہے پر بھی کچھ احکام نافذ فرمائے ہوں گے۔ یقیناً رضوانِ جنت کو حکم دیا ہو گا کہ آج جنت کو سیاہ یوم کر دے کیونکہ میرا عاشق حسین بحالتِ پیاس خاک و خون میں تڑپ رہا ہے۔ حور العین کو حکم دیا ہو گا کہ سیاہ لباس پہن لو آج زہرا زادیوں کا آخری سہارا ٹوٹ گیا ہے اور ان کے سروں سے نانا کی امت نے چادریں تک چھین لی ہیں۔ جبریل سے فرمایا ہو گا۔ جا سیاہ پوش ملائکہ کو لے کے جا۔ پہلے میرے حبیب کو عباس و اکبر۔ قاسم و اصغر۔ عون و محمد کے لئے تعزیت کرنا۔ پھر میرے حسین کے جسم کے تمام ٹکڑوں کو سنبھال کر بحفاظت رکھنا تاکہ سجاد جب دفن کو آئے تو اس کے پاس وقت کم ہو گا آسانی سے دفن کر سکے۔ آج کی رات زہرا زادیاں دشتِ کربلا میں پیاسی بھی ہیں۔ ماتمدار بھی ہیں۔ اور تنہا بھی ہیں۔ دیکھو سکینہ بہت کم سن ہے اسے

تسلی دینا۔

بہرنوع جبریل سے فرمایا کہ مبارکبادی کے بعد بتانا کہ ہم نے اس مولود کا نام حسین رکھا ہے۔ مبارک کے بعد میرے حبیب کو بتا دینا کہ تیری امت کے بدترین افراد اس مولود کے قتل میں شریک ہوں گے اس کی لاش پر گھوڑے دوڑائیں گے۔ لعنت ہے ان پر اور ان کی ان سواریوں پر جن پر یہ ظالم سوار ہوں گے۔ میں قاتلانِ حسین سے بری ہوں۔ وہ لوگ میری امت سے دور ہوں گے۔ میرے دربار میں یوم حشر جو مجرم بھی پیش ہوگا وہ قاتلان حسین سے کم ہی مجرم ہوگا۔ میں نے قاتلانِ حسین کے لئے جہنم کا وہی طبقہ مقرر کر رکھا ہے جو طبقہ مشرکین کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

جبریل ملائکہ کے ساتھ نازل ہوا۔ حکم رب جلیل کے مطابق مبارکبادی دی، پھر تعزیت کی۔ نبی اکرم نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ سوال کیا۔

کیا میرے حسین کو میری امت شہید کرے گی؟

جبریل نے عرض کی۔ ہاں آقا۔

نبی کونین نے سوال کیا بھلا وہ میری امت کیسے ہوگی؟ وہ میری امت نہیں ہے۔ میں ان سے بری ہوں۔ آپ اٹھے جناب زہرا کے پاس تشریف لائے۔ بیٹی کو مبارکبادی کے بعد تعزیت بھی کی۔

جناب زہرا نے عرض کیا ابا جان۔ مبارکبادی تو دل کو لگ رہی ہے لیکن اس موقع پر تعزیت کا کیا سبب ہے؟

نبی کونین نے سرد آہ بھر کر فرمایا۔ بیٹی ابھی جبریل مجھے بتا کر گیا ہے

کہ تیرے اس حسین کو میری امت کے کچھ بدنصیب افراد تین دن کا بھوکا اور پیاسہ تمام اعزا اور اقربا کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید کریں گے۔

جناب زہرا نے عرض کیا کیا اس وقت آپ موجود ہوں گے۔

نبی عالمین نے فرمایا۔ نہیں بیٹی۔ نہ میں ہوں گا۔ نہ تو ہوگی۔ نہ علی ہوں گے اور نہ حسن ہوں گے۔

جناب زہرا نے فرمایا بابا جان۔ کاش میں اس وقت ہوتی۔ بھلا میرے حسین پر کون روئے گا؟

سلطان انبیاء نے فرمایا۔ بیٹی تو تو نہیں ہوگی۔ البتہ حسین سے بہت کم فاصلہ پر حسین کی بہنیں اور بیٹیاں دیکھ رہی ہوں گی۔ بعد از شہادت انہیں رونے کوئی نہ دے گا۔ البتہ اللہ ایک ایسی قوم پیدا کرے گا جو تیرے حسین کی بیکسی اور تیری بیٹیوں کی بے ردائی کو تاقیامت روئے گی۔ جناب زہرا کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

ہاں عزادارو! آج جب زہرا کا یہ لال بی بی کی گود میں ہے۔ اور بی بی صرف آپ کی خبر شہادت سُن کر زار و قطار رونے لگتی ہیں۔ بھلا مادر علی اکبر ام لیلیٰ کا جگر دیکھئے کہ کس کلیجہ سے بی بی نے اپنے اٹھارہ سالہ ہمشکل نبی کو در خیمہ پر کھڑے ہوئے زین سے سوئے زمین آتے دیکھا اور اپنے کانوں سے سُنا۔ جب ہمشکل نبی نے پکارا علیک السلام یا ابتاہ۔ بابا کا آخری سلام قبول فرمانا۔ پھر دائیں دیکھا، بائیں دیکھا۔ نہ چچا عباس نظر آئے۔ نہ قاسم نوسہ سامنے آیا۔ نہ عون و محمد نظر۔ ہاں جب خیام کی طرف مڑ کے دیکھا۔ تو روتی ہوئی سکینہ

ماتم کرتی ہوئی پھوپھی۔ در خیمہ تلاش کرتی ہوئی ماں نظر آئی۔ اور جگر پر ہاتھ رکھے ہوئے پیاسا مظلوم اور غمزدہ باپ اٹھتا نظر آیا۔ دوسری طرف اپنے جدِ امجد کی امت کے وہ بدبخت افراد نظر آئے جو تازہ ہو کر اسلحہ سے لیس ذریتِ نبی کو کاٹنے کے لئے بڑھے آ رہے تھے۔ انہی میں سے منقذ ابن مرہ بھی ایک تھا جس نے گھوڑے سے زمین پر آتے ہوئے ہمشکلِ نبی پر گرز سے دوسرا وار کیا۔ اور اپنے سالار کو مبارکباد کہی۔ سردار مبارک ہو۔ نبی کی صورت کو میں نے خاکِ کربلا پر سُلا دیا ہے۔

جناب زہرا نے عرض کیا بابا جان۔ کیا میرے بیٹے کے قاتل مسلمان ہوں گے؟

آنحضور نے فرمایا بیٹی کہلوانے کو تو مسلمان ہوں گے لیکن میں ان کا کلمہ قبول نہیں کروں گا۔

جب میں ان کا کلمہ قبول نہیں کروں گا تو اللہ بھی ان کا اسلام قبول نہیں کرے گا۔ خدائے قدوس نے سلسلۂ امامت اسی تیرے حسین کی ذریت میں ودیعت فرمایا ہے۔

عزادارو! ذریتِ حسین کے سلسلۂ امامت کے پہلے تاجدارِ امامت پر ذرا غور کرو۔ جسے نانا کی امت نے جلتی ہوئی آگ میں دستار بندی کرائی۔ بیماری میں اتنی شدت تھی کہ بے پالان کے اونٹ پر خود حضرت سجاد سنبھل نہ سکتے تھے۔ ملاعینِ شام نے اس کا یہ انتظام کیا کہ اس ستم دیدہ اور بیمار امام کے پاؤں شکمِ شتر سے باندھ دیئے۔ جب مقتل سے گذرے اور جناب سجاد نے اپنے خاندان کے بہتر پیاسے افراد کی

پامال اور پارہ پارہ لاشیں بے گور و کفن دیکھیں، بے اختیار آپ کے منہ سے نکلا۔

او ظالمو! او سنگدلو! انہیں تم نے قتل تو کر دیا۔ انہیں دفن بھی نہیں کیا اور کفن بھی نہیں دیئے۔ خلونا لنودعھم ہمیں ان سے آخری الوداع تو کہہ لینے دو۔ جب اجازت ملی اور زہرا زادیاں رسن بستہ ہاتھوں کے ساتھ بے پالان اونٹوں سے اتریں۔ بناتِ علی نے اپنے بھائی کو کتنی مشکل سے تلاش کیا۔ جناب زینب نے ایک پارہ لاش کو، ام کلثوم نے ایک ٹکڑا رقیہ نے ایک ٹکڑا اور ام لیلیٰ و ام رباب نے ایک ایک پارہ لاش کو اپنی آغوش میں لیا۔ کمسن سکینہ کبھی جناب زینب کی گود میں۔ کبھی ام کلثوم کی گود میں کبھی رقیہ کی گود میں۔ کبھی ام لیلیٰ کی گود میں اور کبھی ام رباب کی گود میں رکھے ہوئے پارۂ لاش کو چومتی تھیں کبھی تیر نکالتی تھیں اور کبھی خاک جھاڑتی تھیں میدانِ کربلا ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ لشکریانِ یزید سے بی بیوں کا رونا بھی برداشت نہ ہو سکا۔ کسی بی بی سے لاش چھینی۔ کسی بی بی کو جھڑکا۔ کسی بی بی کو نوکِ نیزہ سے اُٹھایا۔ کمسن سکینہ اپنے بابا کی لاش سے چمٹ گئی اور عرض کیا۔ بابا ذرا میری عمر بھی دیکھئے اور شمر کے طمانچے بھی دیکھیئے۔

دوسری مجلس

پانچ عزاخانے

خانۂ رسول

مسجدِ کوفہ

خانۂ علی

خانۂ حسن

میدانِ کربلا

پہلا عزاخانہ

خانۂ رسول

- آنحضور کی وفات
- آپ کی اطلاع وفات
- درِ زہرا اور خیامِ کربلا میں آگ
- وصیتِ نبی اکرم اور وصیت امام حسین
- نبی اکرم اور امام حسین کے آخری لمحاتِ زندگی

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم الرحمٰن الرحیم۔ یاایھا النبی انا ارسلناک شاھداً و مبشراً و نذیراً و داعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیرا۔

اے نبی ہم نے تجھے گواہ بنا کے بھیجا ہے۔ تو بشیر بھی ہے نذیر بھی ہے۔ اذن خدا سے اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور تو سراج منیر ہے

واضح سی بات ہے آیت میں سلطان انبیاء کو مخاطب کیا گیا ہے اور ذات احدیت نے فرمایا ہے کہ میں نے تجھے پوری کائنات کا شاہد بنا کر بھیجا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ حاضر و ناظر ہونا اللہ کی صفت ہے اور کسی غیر اللہ کو حاضر و ناظر ماننے کا نتیجہ شرک ہوتا ہے۔ ان حضرات کے لئے یہ آیت مقام عبرت ہے۔ اللہ نے خود اپنے محبوب نمائندہ کو۔ اپنی مخلوقات کا شاہد قرار دیا ہے۔ بھلا جو حاضر و ناظر نہ ہو وہ شاہد کیسے ہو سکتا ہے۔ اب تو خود اللہ ہی نے اپنے نبی کو حاضر و ناظر نہ صرف مان لیا ہے بلکہ حاضر و ناظر ہونے کا اعلان بھی کر دیا ہے۔

اس آیت میں ذاتِ احدیت کی طرف سے نبی اکرم کے بتائے گئے دیگر القاب سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مبدء فیاض سے جتنے فیوض بھی مخلوق کو پہنچتے ہیں یا پہنچتے رہیں گے وہ نبی اکرم اور آپ کی مقدس اہلبیت ہی کی وساطت سے پہنچتے ہیں۔ پہنچ رہے ہیں۔ اور پہنچتے رہیں گے۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مبدء فیاض کے اس معدن فیاض کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھنے کی بجائے آپ کو اتنی اذیت اور تکلیف دی کہ آنحضور کو فرمانا پڑا۔

ما اُوذِیَ النَّبِیُّ قَطُّ کَمَا اُوذِیتُ۔ جو مصائب مجھے دیئے گئے ہیں اتنے کسی نبی کو نہیں پہنچے۔

آپ کی یہ ایذائیں اس وقت اور بڑھ گئیں جب آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے صحابہ سے کاغذ اور قلم طلب کیا تاکہ انہیں ایسی دستاویز لکھ کر دے جس پر عمل پیرا ہو کر وہ گمراہ نہ ہوں تو ایک صاحب نے گستاخانہ انداز میں کہدیا۔ دعوہ ان الرجل یھجر حسبنا کتاب اللہ۔ چھوڑو اسے۔ شدتِ بخار کی سے ہذیان کہہ رہا ہے۔ ہمیں کتاب خدا ہی کافی ہے۔

پہلا عزا خانہ، خانۂ زہرا

امت کے لئے آنحضرت کی وفات سے زیادہ اور کوئی عظیم سانحہ نہیں ہوگا۔ حق تو یہ تھا کہ اس دن پوری امت سوگوار ہوتی۔ لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ سوائے چند بیچارے شیعوں کے اور امت مسلمہ کا کوئی فرد غم تو غم بلکہ مسرت و شادمانی کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں سال بھر سے اس یوم وفاتِ نبی کو بطور عید منانے کی سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر تیاریاں کی جاتی ہیں۔ کاش امت مسلمہ کچھ ہوش کے ناخن لیتی۔

(تاریخ عالم شاہد ہے کہ کسی نبی کی امت نے اپنے نبی کے یوم وفات کو آج تک یوم عید کے بطور نہیں منایا۔ یہ صرف امتِ مسلمہ کی بدنصیبی ہے کہ نبی الانبیاء کے یوم وفات پر رنگ برنگے لباس پہنے۔ عیدیاں بانٹتے پھرتے ہیں جشن مناتے ہیں۔

نبی اکرم کے یوم وفات پر اظہار مسرت صرف کلمہ گویان محمدؐ کی واضح اکثریت کے حصہ میں آیا ہے۔ ممکن ہے نبی اکرم کی وفات کے دن کو کسی کے جشن تاجپوشی میں تبدیل کرنا مقصود ہو۔ ناشر)

وصیّتِ نبویہ

سید ابن طاؤس نے امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت کی ہے کہ جب آپؐ کا وقتِ وفات قریب آیا تو آپؐ نے انصار کو بلایا۔ اور فرمایا۔ اے گروہِ انصار میری جدائی کا وقت قریب آگیا ہے عنقریب مجھے میرے خالق کی طرف سے بلاوا آنے والا ہے۔ اور میرے لئے ضروری ہوگا کہ میں لبیک کہوں۔ آپ لوگوں نے کافی حد تک میرا ساتھ دیا ہے۔ اب میں دو گرانقدر چیزیں تمہارے درمیان چھوڑ کے جارہا ہوں جو حوض کوثر کے پہنچنے تک ایکدوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گی۔ ایک تو اللہ کی کتاب اور دوسرے میرے اہلبیت۔ کتاب خدا دنیا میں صامت ہے اور میرے اہلبیت قرآن کے ناطق مفسر ہیں۔ اللہ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ میرے اہلبیت قرآن سے کبھی جدا نہ ہوں گے۔ اے انصارو! اسلام ایک چھت ہے جس کا ستون امام کی اطاعت ہے۔ میرے اہلبیت سے دور نہ ہٹنا۔ یہ ہدایت کے چراغ علم کے معدن اور حکمت کا سرچشمہ ہیں۔ ہر شب قدر ملائکہ امر خدا انہی کے پاس لاتے ہیں۔ میرے ان اہلبیت میں پہلا علی

ابن ابی طالب ہے جو میرا وصی، میرا امین، اور میرا وارث ہے علی کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ اے گروہ انصار! فاطمہ میری دختر میرا ہی ایک حصہ ہے جس نے فاطمہ کو تکلیف دی اس نے مجھے اذیت دی۔

احراق دَرِ زہرا

نبی اکرم کی وصیت تو آپ نے ملاحظہ فرمالی ہے۔ اس وصیت کا تذکرہ کرنے کے بعد امام موسیٰ کاظمؑ کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی آنسو ریش مبارک سے ٹپک ٹپک کر گرنے لگے۔ اور فرمانے لگے۔ اے مادرِ گرامی! اے دخترِ رسول! کاش وصیت نبویہ پر عمل کیا جاتا لیکن آہ۔ تیرا احترام ضائع کردیا گیا۔ تیرے دروازہ کو توڑ دیا گیا۔ حکم خدا کو پس پشت ڈال دیا گیا۔

عزادارو! وصیت نبی اسلام دیکھنے کے بعد اب ذرا وہ وقت ملاحظہ فرمائیے جب کچھ لوگ دَرِ زہرا پر آئے۔ اس وقت بی بی اپنے سلطان کونین بابا کے غم میں اپنی بیٹی کے ساتھ خاک پر بیٹھی سر پر سیاہ سی پٹی باندھے آہ و بکا میں مصروف تھیں۔ کھانا کھائے ہوئے کئی دن گزر چکے تھے۔ روتے روتے آنکھیں سرخ اور جسم ناتواں ہوچکا تھا کہ

یکایک دروازہ کو زور زور سے کھٹکھٹانے کی آواز بلند ہوئی اور پکار کر کہا گیا۔

یا علی دروازہ کھولو!

بی بی آگے بڑھیں دروازہ کے قریب آئیں۔ اور فرمایا۔ اب اور کیا چاہیئے۔ میرا بخت زیر زمین دفن ہو گیا تمہیں جو کچھ چاہیئے تھا مل گیا کیا مجھے اپنے بابا کے غم میں رونے بھی نہیں دو گے؟

حضرت عمر نے کہا۔ او زہرا دروازہ کھول دے ورنہ میں آگ لگا دوں گا۔

بی بی نے کہا کیا تجھے خوفِ خدا نہیں ہے؟ کیا تو ہمارے گھر میں ہماری اجازت کے بغیر چلا آئے گا؟ کیا تجھے احکامِ خدا اتنی جلدی بھول گئے؟

کون احکامِ خدا سننے والا تھا۔ آگ جلا دی گئی۔ اور جس دروازہ پر بزرگ کر تاجدار انبیاء آیۂ تطہیر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے وہی دروازہ دیکھتے دیکھتے آگ کی لپیٹ میں آگیا۔

عزادارو! آج مدینہ میں وفاتِ رسول کے چوتھے دن دخترِ رسول کا دروازہ جلا۔ لیکن کیا آگ دروازہ کو جلا کر بجھ گئی تھی۔ نہیں، خدا شاہد ہے اور تاریخ جانتی ہے کہ یہ آگ نہیں بجھی، اس راکھ میں چنگاریاں سلگتی رہیں۔ جو ایک مرتبہ پھر میدانِ کربلا میں یوم عاشور کی عصر کو اس وقت شعلہ بن گئیں جب اسی زہرا کی بیٹیاں۔ پوتیاں اور نواسیاں تنہا رہ گئیں۔ تو عمر سعد نے اپنی فوج کو خیام کو لوٹنے کے بعد خیام کو نذرِ آتش کرنے کا حکم دیا۔ اور خیام میں مصروفِ نوحہ و بکا نبی زادیوں کو بتایا تک نہ گیا کہ اپنے بچ رہنے والے بچوں کو لے کر باہر نکل جائیں۔

البتہ ایک اور سپاہی نے عمر سعد سے کہا۔ ارے ظالم تیرے دل میں اتنا بھی خوفِ خدا نہیں۔ آلِ نبی کے پاس تو نے کیا چھوڑا ہے۔ رسول زادے باہر تپتی ریت پر پامال سم اسپاں خاک و خون میں غلطاں ہیں۔ بی بیوں کے سروں سے چادریں تک تم نے نیزوں سے اتار لی ہیں۔ اب تجھے اتنی شرم بھی نہیں آرہی کہ ان موت کی ماری بناتِ رسول کو خیام میں بیٹھ کر رونے بھی نہیں دیتے اب کون ہے جو ان کی مدد کو آئے گا۔ لیکن کون تھا سننے والا۔

درِ زہرا جب جل رہا تھا حضرت عمر نے پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ کو گرا دیا۔ یہی جلتا ہوا دروازہ دخترِ رسول پر آرہا تھا۔ بی بی پیچھے کو ہٹیں۔ لیکن دروازہ پہلو پر آیا۔ دخترِ نبی سنبھل نہ سکی۔ زمین پر آئیں۔ جلتا ہوا دروازہ پہلو پر آیا۔ پہلو زخمی نہیں ہوا۔ ٹوٹ گیا۔ جس بچے کا نام نبی کونین نے محسن رکھا تھا۔ اور رو کر فرمایا تھا۔ اس بچہ کی قسمت میں دنیا پر زندہ آنا نہیں لکھا۔ وہ محسن بطنِ معصومہ ہی میں شہید ہو گیا۔

•

بی بی نے ایک دلدوز آواز سے ـــــ ہائے بابا پکارا۔ اور کہا۔ یا رسول اللہ! آیئے اپنی بیٹی کو سہارا دیجئے۔ بابا آیئے اپنی بیٹی کو اٹھایئے بابا۔ آیئے جس دروازہ پر بزرگ کر آیتِ تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے اس دروازہ کی راکھ دیکھ لیجئے۔

جب بی بی کے بین سنے۔ اور دیکھا کہ جب تک دخترِ نبی کے بین بلند ہوتے رہیں گے اس وقت تک کوئی بھی سپاہی اندر داخل

نہیں ہو گا۔ آگے بڑھا۔ تلوار کے نیام کی نوک جلتے ہوئے پہلوئے زہرا پر رکھ دی۔ اپنے غلام سے کہا کیا دیکھ رہا ہے تازیانہ اٹھا۔ اس شقی نے تازیانہ لہرا کر دائیں بازو پر لگایا۔

اتنے میں تمام ساتھی اندر آ گئے۔ حضرت عمر نے انہیں حکم دیا کہ جاؤ علی کو گرفتار کرو۔ آپ اپنے حجرہ میں بیٹھے قرآن جمع کر رہے تھے جب صدائے زہرا سُنی بے اختیار اٹھے۔ باہر آئے دیکھا تو دختر رسول پہلو پہ ہاتھ رکھے غش میں تھیں۔ پیچھے ہٹے تاکہ تلوار اٹھائیں کہ اتنے میں تمام سپاہی ٹوٹ پڑے اور آپ کو گرفتار کر لیا۔

(عزادارو! آج زہرا کی اس تنہائی اور کربلا میں زہرا زادیوں کی تنہائی میں کتنی مشابہت ہے۔ یہاں بھی ایک علی موجود ہے۔ کربلا میں بھی ایک علی موجود ہے۔ مدینہ میں موجود علی کو پابندِ رسن کر دیا گیا ہے۔ اور کربلا میں موجود علی بحالت بیماری خاک کربلا پر پابند رسن ہے۔ لیکن فرق بھی ہے۔ مدینہ میں موجود علی کے سامنے ایک محسن کا لاشہ ہے لیکن کربلا میں موجود علی کے سامنے بہتّر لاشے ہیں۔ کربلا میں موجود علی کے سامنے صرف ایک دخترِ نبی زخمی ہے۔ لیکن کربلا میں موجود علی کے سامنے چونسٹھ بے چادر۔ پریشان حال زہرا زادیاں ہیں۔ کسی کے کان زخمی ہیں کسی کی پشت نیزوں سے زخمی ہے کسی کا سر زخمی ہے۔ مدینہ میں موجود علی نہ بیمار ہے نہ پیاسا ہے لیکن کربلا میں موجود علی بیمار بھی ہے اور پیاسا بھی ہے۔ مدینہ میں علی کو تنہا رسن بستہ دربار میں لایا گیا لیکن کربلا میں موجود علی کو چونسٹھ مستورات

جن میں بیمارِ کربلا کی مائیں۔ پھوپھیاں۔ اور بہنیں بھی شامل تھیں ایک رسی میں مجبور ایک دربار نہیں کوفہ سے شام تک نو درباروں میں لایا گیا)

شیخ مفید سے مروی ہے کہ ایام مرض کے آخری میں آنحضور نے فضل ابن عباس۔ علی ابن ابی طالبؑ اور دیگر اہلبیت کے علاوہ دوسرے تمام تر اصحاب کو چند منٹ کے لئے باہر جانے کا حکم دیا۔ جناب عباس نے عرض کیا حضور مجھے تو آثار ایسے نظر آ رہے ہیں کہ اُمتِ مسلمہ اعلانِ خم غدیر کو بھول چکی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ چچا جان! میں نے جو پیغامِ الٰہی دینا تھا دے چکا ہوں اب اگر لوگ اپنے پچھلے قدموں پر ہٹ جائیں تو اللہ ہی ان سے حساب لے گا آپ لوگوں کو میری وصیت ہے کہ آپ لوگ دامنِ صبر ہاتھ سے نہ چھوڑیں میرے بعد علی ہی سے دین لینا۔ خواہ دوسری دنیا کہیں چلی جائے۔

دخترِ رسول اور حدیث سلمان :-

شیخ طوسی نے جناب سلمان سے روایت کی ہے جناب سلمان فرماتے ہیں کہ میں آپ کے آخری ایام مرض میں اجازت لے کر نبی اکرم کے پاس آیا۔ عبادت کی اور جانے کو اُٹھا۔ آپ نے فرمایا۔ سلمان تھوڑی دیر کے لئے رُک جاؤ میں تجھے خیر الامور کے لئے گواہ بنانا چاہتا ہوں۔ کچھ دیر بعد عبا میں مستور جناب زہرا اور دیگر افراد اہلبیت آپ کے پاس آئے۔ جب جناب فاطمہ نے آنحضور کو دیکھا۔ تو آپ کے اس عالم کو برداشت نہ کر سکیں۔ بی بی کے رونے کی آواز آنے

لگیں۔ آنحضور نے فرمایا بیٹی کیوں رو رہی ہے؟ بی بی نے عرض کیا۔ بابا جان اگر ایک عام بیٹی اپنے باپ کو اس حالت میں دیکھ لے تو صبر نہ کر سکے گی۔ پھر آپ جیسے عظیم باپ کو مجھ جیسی اکلوتی بیٹی سے آپ کی یہ حالت کیسے برداشت کی جا سکتی ہے؟

آپ نے فرمایا۔ بیٹی جس طرح دیگر نمائندگانِ باری کی صالح اولاد نے صبر کیا تھا تو بھی اسی طرح صبر کر۔ میں تجھے ایک بشارت دے دیتا ہوں۔

بیٹی مجھے معلوم ہے کہ ذاتِ احدیت نے اپنی پوری کائنات میں سے تیرے باپ کو مصطفیٰ کیا ہے۔ اور اسے عالمین کا نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ پھر تیرے باپ کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ تیرا عقد علی ابن ابی طالب سے کرے۔ بیٹی میں نے علی کو حکمِ خدا ہی سے اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ یقین رکھ تمام امتِ مسلمہ پر حق علی ہر ایک سے زیادہ ہے۔ علی اسلام میں سابق ہے علم میں تمام سے افضل ہے۔ حلم میں سب سے برتر ہے اور میزانِ عظمت میں تمام امت سے وزنی ہے۔

جناب فاطمہ اور اطلاع وفات

جناب سیدہ یہ سن کر خوش ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا بیٹی اب تو خوش ہے۔ خداوندِ عالم نے تجھے ایسا شوہر عطا کیا ہے کہ جو عنایات ذاتِ احدیت نے اس پر کی ہیں اس سے پہلے کسی پر نہیں کیں اور نہ ہی اس کے بعد کسی کو نوازے گا۔ تیرا دلبند بہت جلد اپنے وطن

وطن کو واپس لوٹ جائے گا۔ بی بی نے گلوگیر ہو کر عرض کیا۔ بابا جان! آپ نے مجھے خوش کر کے پھر غمزدہ کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا بیٹی دنیا میں نہ تنہا مسرت ہے اور نہ تنہا غم۔ غم میں خوشی اور خوشی میں غم دونوں ایک ساتھ رہتے ہیں۔

(بیٹی صبر کرنا، لیکن صبر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رونا نہیں۔ ہر مصیبت زدہ روتا ہے۔ اور تیرے لئے میری وفات سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں ہوگی۔ رونا فطرت ہے اور فطرت سے روکنا فطرت سے جنگ کرنا ہے۔ میں بھی تو تیرے بھائی ابراہیم پر رویا تھا۔ صبر کا معنی یہ ہے کہ گریبان چاک نہ کرنا اور بال نہ نوچنا)

عزادارو! یہ تو ۱۱ھ کی وصیت ہے ذرا ایک مرتبہ میدان کربلا میں توجہ کیجئے۔ ۶۱ھ ہے۔ تمام یار و انصار رخصت ہو چکے ہیں۔ نواسۂ رسول اپنے تمام تر پیاسے عزیزوں کو خاک و خون میں غلطاں دیکھ کر آخری الوداع کے لئے خیام میں آئے ہیں۔ تمام مستورات گرد جمع ہیں۔ آپ نے آخری وصیت فرمائی جو بالکل وصیتِ پیغمبر جیسی ہے۔ تمام مستورات کو جمع کر کے فرماتے ہیں۔

اے پاک دامن بی بیو!

اے چمنِ رسالت کی پیاسی کلیو!

اے مصیبت زدہ بے آسرا شریف زادیو!

اے پروردہ عصمت و طہارت نبی زادیو!

میرے بعد، اگر کوئی رونے دے تو بیشک رونا۔ میں کسی ماں کو کیسے

منع کروں کہ اپنے ماہ رو بیٹے پر نہ رو۔ کسی بہن کو کیسے روکوں کہ تو اپنے چاند سے بھائی کو نہ رو۔ کسی بیوہ کو کیسے کہوں کہ تو اپنے اُجڑے سہاگ پر آنسو نہ بہانا۔ تمہاری جیسی مصیبت زدہ نہ کوئی ماں ہوگی۔ نہ کوئی بہن ہوگی۔ اور نہ کوئی بیوہ ہوگی۔ رونا ضرور مگر صبر کرنا۔ گریبان چاک نہ کرنا۔ اور نہ بال نوچنا۔

اگر نانا کی امت بلند آواز سے نہ رونے دے تو چپکے سے رو لینا۔ میرے بعد تمہارے غموں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ خیمے لُٹیں گے۔ چادریں چھن جائیں گی۔ لٹے ہوئے خیمے جل جائیں گے۔ تمہارے ہاتھوں میں رسیاں ہوں گی۔ تمہیں بازاروں اور درباروں میں شہر بشہر تشہیر کرایا جائے گا۔ تمہاری آخری منزل شام ہوگی۔ میری ایک بات یاد رکھنا۔ جب اسیری شام گزار کے واپس مدینہ جانا تو تم میں سے جو زندہ بچ کے مدینہ پہنچ جائے۔

میرے نانا کی مزار پر جا کر نانا کو میرے سلام عرض کرنا۔ اور میری طرف سے انہیں بتا دینا۔ نانا جان! آپ کے عزیز از جان نواسے حسین کو تیری اُمت نے نہرِ فرات اور نہرِ علقمہ کے مابین تین دن کا پیاسا رکھ کے تپتے ہوئے صحرائے کربلا میں تیرہ ضربوں سے شہید کر دیا ہے۔

نانا کی زیارت سے فارغ ہو کر حسن بھائی کے مزار پر آنا۔ حسن کو سلام کہنا۔ اور بتا دینا، جان برادر تیرا حسین تجھے تیرے نوشہ کی تعزیت کرتا ہے۔ کاش آپ میدانِ کربلا میں ہوتے اور دیکھتے کہ میں کس طرح دامن عبا میں تیرے قاسم کی لاش کے ٹکڑوں کو جمع کر کے خیام میں

لایا تھا۔

حسن بھائی کے بعد ماں زہرا کے مزار پر آنا۔ میرے سلام عرض کرنے کے بعد میری طرف سے کہنا۔ ماں! کاش تو میدانِ کربلا میں اپنے بیٹے کی پیاس دیکھتی۔ ماں! کاش اپنے بیٹے کی غربت اور بیکسی دیکھتی۔ کاش تو سنتی کہ۔ میں کس طرح ھل من ناصر کہتا تھا۔ اور نانا کی امت جواب میں تیروں تلواروں۔ نیزوں اور پتھروں سے حملہ کرتی تھی۔

اس کے بعد میرے تمام شیعوں کو میرا سلام دینا اور ان سے کہنا۔

اے شیعو! میری تربت کی زیارت نہ چھوڑنا۔

میری تربت میں شفا ہے۔

اور میرے سایۂ گنبد میں قبولیت دُعا ہے۔

شیعو! جب ٹھنڈا پانی پینا میری پیاس کو یاد کر لینا۔

شیعو! جس مجلس میں میرا ذکر ہو وہاں چند آنسو ضرور بہا لینا۔

شیعو! میں پیاسا مقتول ہوں۔ میں کشتۂ عبرت ہوں۔

شیعو! کاش تم کربلا میں مجھے شیر خوار کے لئے پانی مانگتا دیکھتے۔

شیعو! کاش تم دیکھتے کہ میں کس انداز میں اصغر کے لئے پانی مانگ رہا تھا۔

شیعو! کاش تم دیکھتے کہ میرے سوال کے جواب میں ماہِ رباب کو کیسے پانی دیا گیا۔

شیعو! کاش تم دیکھتے کہ میری سکینہ کس طرح درِ خیمہ پر کھڑے ہو کر اصغر کو پانی پیتا دیکھ رہی تھی۔

شیعو! کاش تم اس وقت ہوتے جب سکینہ مجھ سے پوچھ رہی
تھی کہ میرے بھائی کو پانی ملا ہے ؟
شیعو! کاش کوئی ہوتا تو میری جگہ سکینہ کو بتاتا کہ تیرے بھائی
نے کیسے پانی پیا ہے۔
شیعو! کاش تم رباب کے وہ بین سُنتے جو اُس نے اپنے لال
کو گود میں سُلا کے کئے تھے۔

ملک الموت کا اجازت مانگنا

مروی ہے کہ جب نبی اکرم زندگی کی آخری دہلیز پر پہنچے۔ ذاتِ
احدیت نے ملک الموت کو حکم دیا کہ جا میرے حبیب کی روح قبض
کر کے لے آ۔ لیکن خیال رکھنا۔ بلا اذن اندر نہ جانا۔ اور بلا اذن
روح قبض نہ کرنا ملک الموت بصورت عرب آیا۔ دق الباب کیا اور کہا۔
السلام علیکم یا اھل بیت النبوۃ میں ایک مسافر ہوں،
دُور سے آیا ہوں، نبی اکرم سے مل کر ایک سلام کرنا چاہتا ہوں —
اجازت دیجئے۔
نبی عالمین غش میں تھے۔ جناب زہرا سرہانے تشریف فرما تھیں،
بی بی نے سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا۔ بندہ خدا میرے بابا سے ملاقات
کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اس وقت وہ کسی سوال کا جواب نہ دے
سکیں گے۔ جا بارگاہِ خالق میں دُعا کر۔ جب شفایاب ہو جائیں گے
تو ملاقات کر لینا۔ ملک الموت نے کچھ دیر انتظار کیا۔ پھر دق الباب

کر کے سلام کیا۔ اور اپنا مدعا پیش کیا۔ آنحضور کو غش سے افاقہ آیا۔
بی بی نے عرض کیا۔ ابا حضور! کافی دیر سے ایک عرب اذنِ ملاقات
کر رہا ہے۔ آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا۔
ہاں زہرا، یہ ملک الموت ہے۔ اجازت طلب کرے گا کیونکہ میں
موجود ہوں۔ پھر خدا معلوم کون کون آئے گا اور اجازت طلب نہ کریگا
میری جان زہرا! تجھ پر مصائب برسیں گے صبر کرنا۔ اب ملک الموت
کو اجازت دے۔ بی بی نے اجازت دی۔ ملک الموت داخلِ خانہ ہوا
سلام کیا۔ اور پیغامِ ربِ جلیل دیا۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو آپ کی روح
قبض کروں۔
نبی اکرم نے فرمایا کیا میں جو کہوں گا مان لے گا؟
ملک الموت نے عرض کیا جب حکمِ خالق ہی آپ کی اطاعت کا
ہے تو کیسے نہ مانوں گا۔
آنحضور نے فرمایا۔ پھر ایسا کر ایک مرتبہ مجھے جبریل سے مل
لینے دے۔
ملک الموت واپس ہوا۔ جبریل نازل ہوا۔ سلام کے بعد عرض کیا،
سرکار حکم!
نبی الانبیاء نے فرمایا۔ جبریل اس وقت مجھے تنہا چھوڑ رہا ہے۔
جبریل نے عرض کیا۔ حضور آپ ایک عرصہ کے بعد اپنے وطن
واپس تشریف لا رہے ہیں۔ آپ کے استقبال کی تیاریاں کر رہا تھا۔
نبی الانبیاء نے فرمایا اپنے بعد اپنی آل پر ہونے والے مظالم

دیکھ رہا ہوں۔ مجھے ایسی بشارت دے کہ میں دلشاد ہو کر اس دنیا کو الوداع کہوں۔

جبریل نے عرض کیا۔ حضور! جب تک آپ جنت میں قدم نہیں رکھیں گے اللہ کسی نبی کو جنت میں جانے کی اجازت نہیں دے گا۔

سرورِ کونین نے فرمایا نہیں جبریل مجھے اس سے بھی عمدہ بشارت چاہیئے۔

جبریل نے عرض کیا۔ فردائے قیامت تاجِ شفاعت آپ کے سر پہ ہو گا۔

سرورِ انبیاء نے فرمایا۔ جبریل اس سے بھی زیادہ بشارت کی ضرورت ہے

جبریل نے عرض کیا آپ ہی فرمائیں کہ آپ کو کیا چاہیئے۔

سرورِ انبیاء نے فرمایا۔ جبریل تجھے معلوم ہے میرے بعد میری آل سے جو سلوک ہو گا؟

جبریل نے عرض کیا۔ میں نے لوحِ محفوظ کا مطالعہ کیا ہے۔

آنحضور نے فرمایا۔ تجھے معلوم ہے کہ میری ایک بچی ہے اس کے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔؟

جبریل نے عرض کیا۔ حضور میں جانتا ہوں۔

آنحضور نے فرمایا۔ جبریل تجھے معلوم ہے میری آل سے محبت کرنیوالوں کے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟

جبریل نے عرض کیا۔ مجھے معلوم ہے۔

آنحضور نے فرمایا۔ مجھے تو یہ بتا دے کہ میری آل سے محبت

کرنے والے گناہگاروں سے قیامت میں حساب کیسا ہو گا؟

جبریل نے عرض کیا۔ لسوف یعطیك ربك فترضیٰ۔ اللہ آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق دے گا۔

آنحضور مسرور ہو کر فرماتے ہیں بس جبریل مجھے اسی بشارت کی ضرورت تھی۔ اے ملک الموت اب اپنا کام کر لے۔

حضرت علی کی آغوش میں آپ کا سر تھا۔ دائیں جبریل۔ اور بائیں میکائیل تھا۔ جناب فاطمہ پہلوئے حضرت علی میں تشریف فرماتھیں۔

ہاں عزادارو! یہ تو نبی کونین ہیں۔ اور مدینہ ہے۔ کاش کربلا میں بھی کوئی ہوتا جو تشنہ لب جان زہرا کا سر اپنی گود میں لیتا۔ ہائے افسوس جب نواسۂ رسول نے آمدِ شمر پر خاکِ کربلا سے سر اُٹھا کر دائیں بائیں دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔

دخترِ رسول نے ایسی دلدوز آہ کی، مدینہ کے دَر و دیوار لرز گئے۔ جناب فضہ فرماتی ہیں کہ میں نے اہلِ مدینہ کو پوری زندگی میں تین مرتبہ جس طرح روتے دھاڑیں مارتے، اور آہ و بکا کرتے دیکھا ہے، اس طرح کبھی نہیں دیکھا۔

پہلی مرتبہ وفاتِ رسول کے دن۔

دوسری مرتبہ۔ مدینہ سے روانگیٔ حسین کے دن۔

اور تیسری مرتبہ جب بنتِ زہرا شام سے واپس مدینہ آئی۔

دوسرا عزاخانہ

کوفہ میں خانۂ علیؑ

- شہادت حضرت علیؑ
- کھوپڑی سے گفتگو
- اسیران آلِ محمد اور بعلبک
- حضرت علی اور ۱۹ ماہ رمضان
- امام حسین کا شب عاشور کی مہلت مانگنا
- حضرت علی کا سورج کو سلام اور اس کا جواب
- ابن ملجم کی ضرب اور امام حسین پر سہ شعبہ تیر
- نبی اکرم کا حضرت علی کے لئے سوال
- نبی اکرم کا حضرت علی کا ہاتھ چومنا
- ضرب کے بعد حضرت علی کا گھر آنا
- جراح کا زخم دیکھنا
- بیٹیوں کو تسلی
- ورودِ کوفہ اور عورت کا سوال

ابو رواحہ انصاری سے مروی ہے کہ جب حضرت علی جنگِ نہروان سے فارغ ہوئے مغرب کا وقت تھا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں آپ کی خدمتِ عالیہ ہی میں بیٹھا تھا کہ آپ نے ایک سپاہی سے فرمایا کہ یہیں قریب ہی کہیں تلاش کرو تمہیں ایک کھوپڑی ملے گی اُٹھا کر میرے پاس لے آؤ۔ تلاش بسیار کے بعد ایک سپاہی صدیوں کی ایک بوسیدہ کھوپڑی لے کے آیا۔

آپ نے فرمایا میرے سامنے رکھ دے۔ سپاہی نے سامنے رکھی آپ نے ایک چوب سے اسے ہلایا اور فرمایا۔

بتا کہ تو غریب تھا یا امیر؟
نیک بخت تھا یا بد بخت؟
بادشاہ تھا یا رعیت؟

کھوپڑی نے فصیح عربی میں جواب دیا۔

السلام علیک یا امیر المومنین۔ میں ایک ظالم بادشاہ تھا۔ میرا نام دویز ابن ہرمز تھا۔۔۔ میرا لقب ملک الموت تھا۔ جب میں حکمران بنا تو امکانی حد تک پورے کرۂ ارض پر حکومت کرنے کی غرض سے جہاں تک ہو سکا میں نے اپنی حدودِ مملکت کو وسیع سے وسیع تر کیا۔۔۔۔ مشرق سے مغرب تک۔۔۔ کوہ و صحرا۔۔۔ اور خشکی و تری کو زیرِ نگیں کر لیا۔۔۔ میں نے ایک ہزار شہر تعمیر کیا۔۔۔ روئے ارض کے ایک ہزار بادشاہ کو فتح کیا۔۔۔ ہزاروں باکرہ لڑکیوں سے شادی کی۔ جن میں کئی ہزار شہزادیاں تھیں۔۔۔ ایک ہزار غلام

ترکی ..... ایک ہزار غلام ..... ایک ہزار غلام رومی ..... اور ایک ہزار غلام حبشی خریدے کئے۔ ہر بادشاہ کے سابقہ شہر کو زمین بوس کیا ... ہر بادشاہ کی رعیت پر بے پناہ ظلم کئے ..... جب ملک الموت آیا تو اس نے کہا۔ اے سرکش ظالم بہت ظلم کر چکا ہے اب اپنے کیفرِ کردار کے لئے تیار ہو جا ... اس وحشت ناک آواز سے میرا تمام جسم سُن ہو گیا ... جب میری روح میرے جسم سے جدا ہوئی تو تمام رعیت نے شکر کیا ... کرۂ ارض میرے مظالم سے تنگ آچکا تھا ... اب ہمیشہ کے لئے میں معذب ہوں ... ستّر ہزار ملائکہ مجھ پر مؤکل ہیں ... ہر مَلک کے ہاتھ میں آگ کا ایسا تازیانہ ہے کہ اگر اسے روئے ارض کے کسی بھی پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو اس کی حدّت سے پہاڑ جل کر راکھ ہو جائے گا ... ہر مَلک باری باری مجھے تازیانہ لگاتا ہے ... ہر تازیانہ کے بعد میں مر جاتا ہوں پھر زندہ کر دیا جاتا ہوں ... میرے جسم پر جتنے بال ہیں ایک ایک بال کی تعداد کے مطابق ایک ایک سانپ اور ایک ایک بچھو مجھ پر مسلّط ہے ایک طرف تازیانہ پڑتا ہے عین اسی وقت سانپ کاٹتا ہے اور عین اسی وقت بچھو ڈنک مارتا ہے۔

اتنا کہنے کے بعد کھوپڑی خاموش ہو گئی۔ تمام سپاہی جمع تھے۔ یہ سُن کر زار و قطار رونے لگے۔ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے اور عرض کرنے لگے۔

یا علی! ہم نے آپ کو نہیں پہچانا۔

ہم بد نصیب ہیں جو کچھ نبی کونین نے آپ کے متعلق بتایا تھا اسے بھول گئے۔

ہم بد بخت ہیں ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔
ہم کم نصیب ہیں آپ ہمیں معاف فرمائیں۔

اپنی شہادت کی اطلاع

جب آپ جنگ نہروان سے فارغ ہو کر واپس کوفہ تشریف لائے تو اہلِ کوفہ آپ کے استقبال کو باہر نکلے۔ آپ نے اہلِ کوفہ کو دیکھا تو گھوڑے سے نیچے اترے۔ پیدل چل کر تشریف لائے۔ مسجد کوفہ میں آئے۔ دو رکعت نماز ہدیہ مسجد پڑھی۔ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ حمد و ثنائے الٰہی کے بعد نبی اکرم کی ذاتِ بابرکات پر درود و سلام بھیجا۔ پھر دائیں جانب امام حسن کو دیکھا اور فرمایا۔

حسن بیٹے۔ اس ماہ کے کتنے دن گزر چکے ہیں؟
شہزادے نے عرض کیا۔ تیرہ دن گزر چکے ہیں۔
پھر بائیں جانب امام حسین کی طرف دیکھ کر فرمایا۔
حسین بیٹے ماہِ رمضان کے کتنے دن باقی ہیں؟
آپ نے عرض کیا سترہ دن۔

آپ نے اپنی ریشِ مبارک پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔ اسی ماہ میں اس امت کا بدبخت ترین انسان اس ریشِ مقدس کو میرے اپنے سر کے خون سے خضاب کرے گا۔ آپ خود بھی رو دیئے۔ اور تمام اہلِ مسجد

بھی رونے لگے۔

پھر فرمایا۔ یقین کرو۔ میں کبھی موت سے نہ ڈرا ہوں اور نہ گھبرایا ہوں۔ میں تو اپنے بعد اپنے یتیموں کی بیکسی پر رو رہا ہوں، اپنے وطن سے دور اس غربت میں یتیم ہوں گے۔ پھر ایک کو زہر دغا سے شہید کیا جائے گا۔ اس کے جنازے پر تیر برسائے جائیں گے۔ دوسرے کو ریگزار کربلا میں تین کا بھوکا اور پیاسا شہید کیا جائے گا۔ اس کا جسم صحرائے کربلا کی ریت پر بے گور و کفن چھوڑ کے سر کو نوکِ نیزہ پر سوار کر کے شہر بشہر اور کو بکو تشہیر کیا جائے گا۔

یہ ہے حضرت علی ابن ابیطالب کا خطبہ۔ جو آپ نے آزاد پاؤں کھلے ہاتھوں اور تندرست جسم کے ساتھ منبر کوفہ پر دیا۔ ہر طرف جانثار بیٹھے تھے۔ اگر کوئی دشمن تھا تو اظہارِ عداوت کر نہیں سکتا تھا لیکن

عزادارو! ایک اور خطبہ بھی ہے جو علی ابن حسین نے بعلبک کے بازار میں دیا ہے۔ لیکن ان دونوں خطبوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک خطیب دادا ہے۔ دوسرا خطیب پوتا ہے۔

دادا نے خطبہ دیا۔ آزاد تھے۔

پوتے نے خطبہ دیا۔ پاؤں میں بیڑیاں۔ ہاتھوں میں رسیاں اور گلے میں طوق تھا۔

دادا نے منبر کوفہ پر خطبہ دیا۔

پوتے نے بعلبک کے تنگ بازار میں خطبہ دیا۔

دادا کو استقبال کر کے لانے والے دوست تھے۔

پوتے کو استقبال کر کے لانے والے اسی کی مظلومیت پر خوشی منا رہے تھے۔

دادا تنہا تھا۔

پوتے کے ساتھ مائیں، بہنیں، پھوپھیاں اور دیگر مستورات پابندِ رسن تھیں۔

دادا کے گرد جمع ہونے والے محب تھے۔

پوتے کے گرد جمع ہونے والے تماشائی تھے۔

دادا تندرست تھا۔

پوتا بیمار تھا۔ کمزور تھا۔ عزادار تھا۔

دادا نے اپنی شہادت کی خبر دی تھی۔

پوتے نے اپنے باپ۔ بھائی۔ چچا۔ اور انصار کی عبرت ناک اور چشم دید شہادت کی خبر سُنائی۔

دادا کی خبرِ شہادت سُننے والے رو رہے تھے۔

پوتے کی زبان سے اپنے اعزا کی خبرِ شہادت سُننے والے تالیاں بجاتے تھے۔)

جب آلِ محمد کا لٹا ہوا قافلہ بعلبک سے ایک منزل کے فاصلہ پر پہنچا تو سالارِ لشکر نے بعلبک کے یزیدی حکمرانوں کو پیغام بھیجا۔ ہمارے ساتھ باغیوں کے سر اور ان کی ستم رسیدہ مستورات ہیں۔ ہم اپنی فتح کا جشن منانا چاہتے ہیں۔ شہر کو سجاؤ۔ عید جیسے لباس پہنو۔ خوشی کا اہتمام کرو۔ ہمارے استقبال کو آؤ۔

جونہی یزیدی حکمرانوں کو پیغام ملا۔ اُس نے منادی کرادی بازار سج گئے۔ گلیاں آراستہ کی گئیں۔ دروازے بنائے گئے۔ جشن کا اہتمام ہوگیا۔ بچوں۔ جوانوں۔ بوڑھوں اور عورتوں کے گروہ در گروہ ہاتھوں میں علم اٹھائے۔ ڈھول بجاتے۔ خوشی کے گیت گاتے۔ ناچتے کودتے تالیاں بجاتے پانچ میل تک استقبال کو آئے۔ جب دیکھا نبی زادیاں بے پالان کے اونٹوں پر رسن بستہ۔ بالوں سے پردہ بنائے آرہی ہیں۔ نیزوں پہ سر ہیں۔ ایک سر تلاوتِ قرآن کررہا ہے۔

بنتِ زہرا نے اس عید کے سماں کو دیکھ بعلبک اور اہالیان بعلبک پر نفرین کی اور بد دعا کی۔ علی ابن حسین کے زخمی دل پر آرے چل گئے۔ بیساختہ لبوں پر یوں آئی۔

هو الزمان لا تفنی عجائبه	یہ وہ زمانہ ہے جو شریفوں پر مسلسل ظلم ڈھائے
عن الکرام وما تهدی مصائبه	جاتا ہے۔ اور اس کے مصائب کبھی ختم نہیں ہوتے۔
فلیت شعری الی کم ذا تحاربنا	کاش آلِ محمد سے اس کے مصائب کی کوئی انتہا ہوتی
فنوبه وترانا کم یحاربه	اور کاش اب تو اس کے مظالم ختم ہو جاتے۔
یسری بنا فوق اقتاب بلا وطاء	بلا پالان کے اونٹوں پر ہمیں دست بستہ بٹھا دیا گیا ہے
وسائق العیس یحدو غاربه	اور ساربان پیچھے سے اونٹوں کو بھگاتے ہیں۔
کاننا من السارى الروم بینهم	ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ہم روم کے قیدی ہیں۔
کان ما قاله المختار کاذبه	اور جو کچھ ہمارے متعلق نبی اکرم نے فرمایا تھا سب کچھ جھوٹ
کفرتم برسول الله ویحکم	تھا۔ تم لوگ منکرِ رسول ہو چکے ہو ہلاکت تمہارا مقدر ہو چکی ہے۔
فکنتم مثل من ضلت مذاهبه	اب تم اس قافلہ کی مانند ہو چکے ہو جو گم کردہ راہ ہو

اپنی شہادت کی خبر دینے کے بعد حضرت علی نے فرمایا۔ اے تمام موجود افراد! تمام ان افراد کو میری طرف سے سلام کہہ دینا جو موجود نہیں ہیں اور انہیں یہ بھی بتا دینا کہ جب میرے حسنین کی خبر شہادت سُننا تو ان کی تعزیہ داری کرنا۔ میں علی تمہیں بلا اجر نہیں چھوڑوں گا۔

آپ منبر سے نیچے تشریف لائے۔ ایک دن افطار امام حسن کے ہاں۔ ایک دن امام حسین کے ہاں اور ایک دن جناب زینب خاتون کے ہاں فرماتے تھے۔ تین لقموں سے زیادہ تناول نہیں فرماتے تھے۔ اور ساتھ ہی فرماتے تھے کہ بارگاہِ ربّ العزّت میں پہنچنے کا وقت قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ زیادہ دیر تک جواب کے لئے کھڑا رہوں۔

جناب زینب کے ہاں افطار۔

بی بی فرماتی ہیں اٹھارویں روزہ کا افطار میرے ہاں تھا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ کے سامنے کھانا رکھا۔ اس میں دو روٹیاں۔ ایک پیالہ دودھ اور قدرے نمک تھا۔ آپ نے جب دیکھا تو رو دیئے اور فرمایا۔

بیٹی! کیا تو یہ چاہتی ہے کہ کل یوم محشر تیرا باپ حساب دینے کے لئے زیادہ دیر تک دربارِ باری میں کھڑا رہے۔؟

میں نے عرض کیا نہیں ابا جان!

آپ نے فرمایا۔ پھر افطار کے لئے روٹی کے ساتھ دو چیزیں

دودھ اور نمک کیوں رکھا ہے، میں تو اپنے آقا اور بھائی کی اتباع کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ان کے دستر خوان پر کبھی دو چیزیں نہیں دیکھیں۔

بی بی کہتی ہیں میں نے جب دیکھا کہ میرے بابا کی رغبت نمک میں ہے میں نے دودھ اُٹھا لیا۔ آپ نے تین لقمے نمک کے ساتھ تناول فرمائے۔ تھوڑا سا پانی پیا۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ اٹھے اور مصروف نماز ہو گئے۔ رکوع و سجود میں باواز بلند گریہ فرماتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد عبادت خانہ سے باہر تشریف لائے۔ آسمان کی طرف دیکھا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم پڑھا۔ واپس مصلائے عبادت پر آئے مصروف عبادت ہو گئے۔ تمام رات وقفہ وقفہ کے بعد باہر تشریف لا کر سوئے آسمان دیکھ کر آہ سرد کھینچتے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھتے اور اللھم بارک لمانی لقائک فرما کر واپس مصلائے عبادت پر جاتے رہے۔

مومنین ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آج کی رات حضرت علی کے لئے ویسے ہے جیسے مولا حسین کے لئے شب عاشور تھی خیمہ شبیر اور اصحاب شبیر میں تلاوتِ قرآن۔ تسبیح و تہلیل الٰہی کی آواز بلند تھی خیامِ مستورات میں ماؤں۔ بہنوں اور بیٹیوں کی صدائے تعقیب اور بچوں کی فریاد العطش تھی۔ لیکن دونوں راتوں میں فرق ہے۔

(حضرت علی کوفہ میں بحیثیت حکمران کے رہتے تھے۔

جبکہ جناب شبیر کربلا میں لشکرِ یزید میں گھرے ہوئے تھے۔

حضرت علی کو خوفِ جنگ نہ تھا۔

جبکہ حضرت شبیر کے سر پر ہزاروں تلواریں لٹک رہی تھیں۔

حضرت علی تنہا تھے۔

جبکہ جناب شبیر کے ساتھ بیٹے، بیٹیاں۔ بھائی۔ بھتیجے بہنیں اور بھانجے تھے۔

حضرت علی نے بیٹی کے دستر خوان پر افطار کیا تھا۔

جبکہ جناب شبیر کو تین دن سے پانی اور کھانا دیکھنے تک کو نہیں ملا تھا۔

حضرت علی پیاسے نہ تھے۔

جبکہ شبیر اپنے یار و انصار اور اہل و عیال کے ساتھ تین دن سے روزہ دار تھے۔

حضرت علی کو اپنے بعد کسی قسم کی فکر نہ تھی۔

جبکہ جناب شبیر جانتے تھے کہ میرے بعد خیام لوٹے جائیں گے۔ اور مستورات کو بصورت اسیری کوفہ و شام پہنچایا جائے گا۔)

جب انیسویں ماہِ رمضان کی رات ڈھلی۔ آپ مصلائے عبادت پر بیٹھے مصروف تعقیبات تھے۔ مصلائے عبادت ہی پر آنکھ لگی۔ چند منٹ کے بعد گھبرا کر آنکھ کھولی۔ بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے۔ اپنی اولاد میں سے ایک ایک کا نام لے کر پکارا۔ جب سب جمع ہو گئے۔ بہتی آنکھوں سے فرمایا۔

یا اولادی و اھلبیتی فی ھذہ الایام تفقدونی۔	اے میرے اہلبیت۔ اے میرے بچو انہی دنوں میں میں تم لوگوں سے جدا ہو جاؤں گا۔

میں نے ابھی ابھی عالمِ خواب میں اپنے بچھڑے ہوئے آقا و مولا نبی اکرم

کو دیکھا ہے فرما رہے تھے۔

یا علی! اب تیرا فراق برداشت نہیں ہوتا۔ بس اب جلد ہمارے پاس آجائیے۔

جب ہم نے آپ کی یہ بات سُنی تمام اہلِ خانہ رونے لگے۔

عزادارو! یہی صورتِ حال ہمیں شب عاشور بھی نظر آتی ہے۔ جب ہم تاریخ کربلا دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ تمام رات مظلوم شبیر نہیں سوئے، عبادت میں رات گزاری۔ وقتِ سحر مصلائے عبادت پر آنکھ لگی۔ جب آنکھ کھولی تو روتے ہوئے خیمہ جناب زینب میں آئے۔ بی بی استقبال کو اُٹھیں۔ پیاسے بھائی کے پیاسے لبوں پر بوسہ دیا۔

امام مظلوم نے فرمایا۔ زینب بہن۔ ابھی ابھی جائے نماز پر تعقیبات میں مصروف تھا کہ آنکھ لگ گئی۔ دیکھا تو نانا جان انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ تشریف لائے اور فرمایا۔

اے شہیدِ آلِ محمد۔
اے تشنۂ آلِ محمد۔
اے غریب آلِ محمد
اے مظلوم آلِ محمد
اے جانِ محمد
اے روحِ محمد
اے راحتِ دلِ محمد

تمام ملائکہ مقربین تیرے شوقِ دیدار میں بیقرار ہیں۔ آج رات ہمارے ہاں آکے افطار کرنا۔

ہائیں عزادارو! شاید یہی دعوت افطار تھی جب جناب شبیر نے یوم عاشور ایک مرتبہ دریائے فرات میں ذوالجناح کو ڈالا۔ پانی پینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ظالم حصین ابن نمیر نے کہا۔ حسین تو پانی پی رہا ہے اور لشکر یزید خیام کے گرد جمع آگ لگانے کی تیاری کر رہا ہے۔ آپ نے پانی کا چلو دریا میں پھینکا اور ذوالجناح کو دریا سے نکال کر خیام کی طرف متوجہ ہوئے۔

جب آپ نے اپنی بہن کو خواب سُنایا۔ بی بی کو اپنی۔ اپنے بچوں کی اور اہلِ حرم کی پیاس بھول گئی اور فریاد کی۔

ہائے حسین!
وامحمدہ۔
واعلیاہ۔
واحمزتاہ۔
واجعفراہ۔
وامصیبتاہ۔
واقلتہ ناصراہ

جناب زینب نے عرض کیا۔ بابا جان! کیا اسی لئے آج رات آپ سو نہیں رہے۔ میں دیکھ رہی ہوں آپ ایک منٹ کے لئے بھی بستر خواب پر تشریف نہیں لے گئے۔ بار بار آپ اپنے آخری لمحات

یاد کر کے آہِ سرد کھینچتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ بیٹی تجھے معلوم ہے۔ تیرا باپ موت سے کبھی نہیں ڈرا۔ بڑے بڑے شجاعانِ عرب کے پتے تیرے باپ کے سامنے آ کر پانی ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن آج کی رات بار بار مجھے تیری بیکسی اور بے ردائی یاد آ رہی ہے بیٹی میں دیکھ رہا ہوں۔

قد قرب الاجل، میرا وقت ختم ہو چکا ہے۔

قطب راوندی نے سلیم ابن قیس بلالی سے روایت کی ہے سلیم نے جناب ابوذر سے نقل کیا ہے۔ جناب ابوذر فرماتے ہیں کہ ایک رات نبی کونین نے حضرت علی سے فرمایا کہ کل صبح جنت البقیع میں طلوعِ آفتاب کے وقت چلے جانا سورج کو سلام کرنا۔ خداوندِ عالم نے سورج کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ کو جواب سلام دے گا۔

صبح کو جب حضرت علی کے ساتھ ہم جنت البقیع میں آئے تو بڑے بڑے صحابہ کی اکثریت پہلے سے وہاں موجود تھی۔ جب طلوعِ آفتاب ہونے لگا تو آپ نے سورج کو مخاطب کر کے فرمایا۔

السلام علیک ایھا الخلق الجدید لِلّٰہ والمطیع لامرہ — اے اللہ کی تخلیق جدید۔ اے احکامِ الٰہیہ کے مطیع میری طرف سے تجھ پر سلام ہو۔

تمام مہاجرین و انصار نے آسمان سے جواب سُنا۔

وعلیک السلام یا اول یا آخر یا ظاھر یا باطن و یا علیم بکل شیٔ — اے اول۔ اے آخر۔ اے ظاہر۔ اے باطن۔ اے ہر شئے کے عالم میری طرف سے بھی آپ پر سلام

اس آواز میں اتنی ہیبت تھی کہ تمام مہاجرین و انصار بے ہوش

ہو گئے۔ جب ایک گھنٹہ بعد ہوش میں آئے تو دیکھا حضرت علی وہاں موجود نہ تھے۔ تمام صحابہ آنحضور کی خدمت عالیہ میں تشریف لائے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم تو سمجھتے تھے کہ علی بھی ہم جیسا ہے۔ حالانکہ آج تو ہم نے دیکھا ہے کہ سورج نے حضرت علی سے ایسے انداز میں کلام کیا ہے جس انداز میں ہم اپنے رب کریم کو مخاطب کرتے ہیں۔

آپ مسکرائے اور فرمایا۔ سورج نے کیا کہا ہے۔؟

صحابہ نے عرض کیا۔ سورج نے حضرت علی کو یا اول کہا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کیا علی اوّل المسلمین نہیں ہے۔؟

صحابہ نے عرض کیا۔ سورج نے یا آخر بھی علی ہی کو کہا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں علی آخری وہ شخص ہو گا جو میری تجہیز و تکفین کے وقت میرے پاس موجود ہو گا۔

صحابہ نے عرض کیا۔ سورج نے علی کو یا ظاہر کہا ہے۔

آپ نے فرمایا سورج نے سچ کہا ہے۔ تمام علومِ الٰہیہ کا ظاہر کنندہ علی ہے۔

صحابہ نے عرض کیا سورج نے علی کو یا باطن بھی کہا ہے۔

آپ نے فرمایا سورج نے درست کہا ہے۔ سورج کو معلوم ہے کہ علی ماکان و مایکون کا عالم ہے۔

علی۔ تاویل۔ تنزیل۔ محکم۔ متشابہ اور ناسخ و منسوخ قرآن کا عالم ہے اگر مجھے علی کے متعلق وہ ڈر نہ ہوتا جو کچھ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے متعلق کہا ہے تو میں علی کے ایسے فضائل بتاتا کہ جس راہ سے بھی علی

گزرتا تم لوگ علی کی خاکِ پا کو اپنے لئے خاک شفا سمجھ کر اٹھاتے۔
آنحضور نے فرمایا کہ علی ہر شئی کا عالم ہے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ انیسویں ماہِ رمضان کی صبح جب آپ اذان سے فارغ ہوئے تو مسجد میں سونے والے افراد کو جگاتے جب ابن ملجم کے قریب پہنچے اسے دیکھا تو یہ ملعون منہ کے بل سو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔
اُٹھ ایسے نہ سویا کر۔ یہ شیطانی خواب ہے، یہ اہل جہنم کا انداز ہے۔ دائیں کروٹ سویا کر علماء اس طرح سوتے ہیں۔ یا حکماء کی طرح بائیں کروٹ سویا کر۔ اور یا انبیاء کی طرح چت لیٹا کر۔ آپ نے فرمایا۔ اب اُٹھ جا جس ارادہ سے آیا ہے۔ پورا کرلے۔ عرش الٰہی کو لرزہ براندام کرلے۔ اگر چاہے تو میں تجھے بتا دوں کہ تو نے کیا چھپا رکھا ہے اور کہاں چھپا رکھا ہے۔
پھر آپ محرابِ مسجد میں آئے مصروفِ عبادت ہوئے جب ابن ملجم نے آپ کو مصروف نماز دیکھا۔ اپنی جگہ سے اٹھا چھپتا چھپاتا محراب کے قریب ستون کی آڑ میں آکر کھڑا ہو گیا۔ جب آپ دوسری رکعت کے دوسرے سجدہ کو جانے لگے۔ اس ظالم نے دوسرے سجدہ کی مہلت نہ دی۔ تلوار کو فضا میں لہرایا۔ اور اسی جگہ کا نشانہ لیا جس جگہ جنگِ خندق میں عمرو ابن عبدود کی تلوار کا نشان لگا تھا پیشانی تک سر امیر المومنین دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔
ابھی تک نمازی نہیں آئے تھے۔ سہارا دینے والا کوئی نہ تھا۔ ایک سرد آہ بھری اور خاکِ مسجد پر اوندھے گر کر تڑپنے لگے۔ اور

خاکِ مسجد اُٹھا اٹھا کر زخم میں بھرتے جا رہے تھے اور فرما رہے تھے۔
بِسمِ اللہ وباللہ علی ملۃ رسول اللہ۔ فزت برب الکعبہ
عزادارو! تلوار کا یہ زخم تنہا زخم تھا۔ آیئے عرض کریں مولا آپ کا زخم بھی ناقابلِ برداشت ہے، لیکن آپ کے جسمِ نازنین پر پہلا اور آخری زخم ہے۔ کاش آپ میدانِ کربلا میں اس وقت ہوتے جب مولا حسین زین ذوالجناح پر زخموں سے چور دائیں بائیں لرز رہے تھے کہ ایک ظالم نے ایک سہ شعبہ تیر دلِ حسین کا نشانہ لیکر چھوڑا جب یہ تیر دلِ شبیر پر آیا تو آپ زین ذوالجناح پر اوندھے ہوئے اور کہا۔
بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔ پھر تھوڑا سا سر اٹھایا۔ تیر کو سامنے کی طرف سے نکالنے کی کوشش کی، لیکن تیر نہ نکل سکا آپ نے تیر کے عقبی سرے کو زین پر ٹیکا، سینہ کا تمام وزن تیر پہ ڈالا۔ تیر دلِ مظلوم کے ٹکڑے کرتے ہوئے پشتِ شبیر سے برآمد ہوا۔ آپ نے ہاتھ پشت کی طرف کر کے تیر کو نکالا۔ دیکھا تو اس تیر کے ساتھ جسمِ شبیر کے گوشت کے کچھ ٹکڑے بھی نوکوں میں اٹکے ہوئے تھے۔ بچشم گریاں آسمان کی طرف رُخ کیا اور عرض کیا۔
الٰہی انک تعلم انہم یقتلون رجلا لیس علی وجہ الارض ابن نبی غیرہ۔ میرے اللہ! تو جانتا ہے کہ یہ لوگ ایسے شخص کے درپے قتل ہیں جسکے سوائے روئے ارض پر کوئی فرزندِ نبی نہیں ہے۔
خون پرنالہ کی مانند بہنے لگا۔ آپ نے دونوں ہتھیلیوں کو جوڑ کر ابلتے ہوئے خون سے پُر کیا۔ سوئے آسمان اچھالا۔ جس کا ایک قطرہ تک

واپس نہ آیا۔

حضرت نے بسم اللہ پڑھنے کے بعد فرمایا۔ فزت برب الکعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ لوگو! مجھے ابن ملجم مرادی نے ضرب لگائی ہے۔ زمین میں زلزلہ شروع ہو گیا۔ دریاؤں کا پانی اچھلنے لگا عرش الٰہی ہلنے لگا۔ مچھلیاں تڑپ تڑپ کر باہر آنے لگیں۔ ملائکہ نے تسبیحیں چھوڑ دیں۔ سیاہ آندھیاں چلنے لگیں۔ جبریل نے خاک بسر ہو کر خبر شہادت سنائی۔

جبریل کی آواز جونہی پردہ سرائے امیر المومنین میں پہنچی۔ بنت زہرا نے دلدوز صدائے وابتاہ۔ واعلیاہ کے بین کئے۔ پریشان بالوں میں خاک ڈالی۔ تمام لوگ گرد جمع ہو گئے۔

عزادارو! آئیے عرض کریں۔ یا علی! آپ کتنے خوش نصیب ہیں۔ کتنے خوش قسمت ہیں۔ آپ کو صرف ایک ضرب لگی۔ جبریل نے خبر شہادت سنائی۔ اہل کوفہ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ لیکن کاش آپ کربلا کے تپتے ہوئے ریگزار میں اپنے تین دن کے پیاسے حسین کو دیکھتے جب آخری وقت آپ کے اردگرد کوئی اپنا نہ تھا۔ جو اپنے تھے ان کے لاشے خاک و خون میں غلطاں تھے۔ جو زندہ تھے وہ تیر کا آپ پر وار کر رہے تھے۔ وار کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مظلوم حسین جس طرف بھی نظر اُٹھا کر دیکھتے تھے۔ ہر طرف اپنے بیٹوں۔ بھائیوں اور ساتھیوں کے لاشوں کے بکھرے ٹکڑے ہی نظر آتے تھے۔ اگر اپنوں کی کوئی

آواز آتی تھی تو وہ صرف اور صرف بے سہارا بہنوں۔ بیٹیوں اور بیواؤں کی صدائے آہ و بکا ہی تھی۔

نبی کریم کی حضرت علی کو بشارت:۔

سلیم ابن قیس نے مقداد سے روایت کی ہے کہ حضرت علی سے آنحضور نے فرمایا ہے کہ یا علی! تجھے بشارت ہو۔ میں نے جو کچھ بھی اپنے لئے اللہ سے مانگا ہے تیرے لئے بھی طلب کیا ہے اور میں نے جو کچھ اللہ سے طلب کیا ہے اس نے مجھے عطا کر دیا ہے۔

میں نے اللہ سے اپنے ساتھ تیری اخوت کا سوال کیا۔ اللہ نے قبول فرمالیا۔

میں نے اللہ سے اپنے بعد تیری ولایت کا سوال کیا۔ اللہ نے قبول فرمالیا۔ اللہ نے تجھے میرا وصی۔ میرا وزیر۔ میرا خلیفہ اور اپنا ولی قرار دیا۔

میں نے سوال کیا کہ تجھے مجھ سے اسی نسبت پر رکھے جس نسبت پر ہارون کو موسیٰ سے رکھا ہے اللہ نے اسے قبول فرمالیا۔

میں نے اللہ سے سوال کیا کہ فاطمہ کو تیری زوجیت میں دے اللہ نے قبول فرمالیا۔

میں نے اللہ سے سوال کیا کہ تیری اولاد میری ذریت کہلائے اللہ نے قبول فرمالیا۔

شیخ طوسی نے عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ میں نے

ایک دن دیکھا آنحضور حضرت علی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اسے چوم رہے تھے۔ میں نے عرض کیا آقا آپ کی نگاہ میں مقام علی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جو میرا مقام نگاہِ خالق میں ہے۔

ابن شہر آشوب سے مروی ہے کہ جب حضرت علی گھوڑے پر سوار ہوتے تھے آنحضور حضرت علی کی کامیابی اور کامرانی کے لئے دُعا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آنحضور بعض اوقات حضرت علی سے فرطِ محبت کی بدولت آپ کی پیشانی چوم لیا کرتے تھے۔

مگر اے عزادارو! آئیے عرض کریں۔ اے رحمتِ عالمین اور نبی کونین جس پیشانی کے آپ بوسے لیتے تھے ذرا آئیے اور انیس ماہِ رمضان کی صبح مسجد کوفہ میں وہی پیشانی دیکھئے آپ کی امت کے بدنصیب ترین شخص نے آپ کی اس بوسہ گاہ کو کس بیدردی سے دولخت کردیا ہے۔ حضرت علی سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے آنحضور سے سوال کیا کہ ماہِ رمضان میں کونسا عمل افضل ترین اعمال ہے؟

آپ نے فرمایا۔ نافرمانئ رب سے بچنا۔

یہ فرمانے کے بعد بیساختہ رونے لگے۔ میں نے عرض کیا میرے مولا! خیریت تو ہے؟

آپ نے فرمایا۔ یا علی! میں نگاہِ نبوّت سے وہ وقت دیکھ رہا ہوں کہ تو مسجدِ کوفہ میں مصروفِ نماز ہے اور میری امّت کے بدبخت ترین آدمی نے تیری ریش مقدس کو تیرے ہی لہو سے سُرخ کردیا ہے

عزادارو! آئیے عرض نہ کرلیں۔ اے نبی کونین! خدا معلوم آپ اس وقت کتنا روتے ہوں گے جب آپ اپنے حسین کو گود میں بٹھاتے ہونگے اور چشمِ رسالت سے آپ اس حسین کے جسمِ نازنین پر تیروں تلواروں نیزوں اور بھالوں کے چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ زخم دیکھتے ہوں گے۔

(خصائص حسینیہ میں حضرت علی سے مروی ہے کہ نبی اکرم مجھ سے فرمایا کرتے تھے۔ یا علی! تو میرے حسین کو اٹھا۔ جب میں بلند کرتا تھا۔ تو آپ حسین کی پیشانی۔ آنکھوں۔ لبوں۔ دندان۔ رخساروں سینہ پسلیوں اور ہاتھوں کو چومتے بھی تھے اور روتے بھی تھے۔ ایک دن خود شہزادہ حسین نے اپنی کم سن زبان سے عرض کیا۔

نانا جان! کیا وجہ ہے آپ مجھے چومتے بھی ہیں اور روتے بھی ہیں۔ آپ نے شہزادے کے گلوئے نازنین پر پہلے بعد دیگرے کئی بوسے دیئے اور فرمایا۔ بیٹے۔

اقبل مواضع السیوف والسہام میں تیروں اور نیزوں کے زخموں کے مقامات کے بوسے لیتا ہوں)

ابن ملجم کی ضرب سے غشی کے بعد جب افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے گھر لے چلو۔ آپ کو چارپائی پر لٹایا گیا۔ ایک طرف سے امام حسن اور دوسری طرف سے امام حسین نے اٹھایا تمام اصحاب آپ کے گرد تھے۔ گھر آپ کے حجرۂ عبادت میں آپ کو لایا تھا۔ تمام بیٹیاں بےچین تھیں۔ تمام اصحاب بیرونِ خانہ چلے گئے۔ جب بیٹیوں نے دیکھا۔ جناب زینب نے دیکھنے کے بعد زخم کا بوسہ لیا اور بچشم گریاں عرض کیا۔

بابا جان! آپ جانتے ہیں ہم اپنے وطن سے کتنے دور ہیں۔ اب ہمارا کون پرسانِ حال ہو گا۔ جب ماں اس دنیا سے جانے لگیں تھیں تو انہوں نے ہمیں آپ کے سپرد کیا تھا۔ اب آپ بھی تو جا رہے ہیں۔ لیکن اب کون ہے آپ ہمیں جس کے حوالے کریں گے۔

آپ نے اپنے دستِ مبارک سے جناب زینب کے آنسو پونچھے اور فرمایا۔ زینب تیرے تمام بھائی موجود ہیں۔ ابھی تیرا رونا ختم نہیں ہوا۔ تیرے رونے کا وقت بہت طویل ہو گا۔ بیٹی! تو نے نانا کو دیکھا۔ اپنی ماں کا مجروح پہلو دیکھا۔ میرا پیشانی پر صرف ایک زخم دیکھا۔ لیکن بیٹی! اب جو وقت آرہا ہے۔ آہ۔ زینب میں تجھے کیا بتاؤں اور کیسے بتاؤں۔ تو کتنے بڑے زخم دیکھے گی۔ میری بیٹی! حسن کے پارہ ہائے جگر۔ حسن کی لاش میں تیر۔ حسین کی پیاس۔ ہائے زینب! تیرے کیسے مغموم نصیب ہیں۔ بس زینب اب نہ رو۔ تیرا باپ اپنی زندگی میں نہ تجھے روتا ہوا دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی تجھے رونے سے منع کر سکتا ہے۔

بی بی نے اپنا سر بابا کے سینہ سے لگایا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بیٹی کو گلے لگایا اور فرمایا۔ میری بچی رو لے۔ میرا زخم چوم لے۔ آہ زینب میں ایک وقت ایسا بھی دیکھ رہا ہوں جب تجھے حسین کے جسمِ پاش پاش پر بوسہ کی جگہ بھی نہ ملے گی۔ جب تجھے حسین پر رونے بھی نہ دیا جائے گا۔ ہاں آج رو لے میری بچی، جی بھر کے رو لے۔

عزادارو! آئیے عرض کر لیں۔ بی بی تو خوش قسمت ہے۔ تیرا بابا زخمی ہو کر گھر آیا ہے۔ تو زخم دھو سکتی ہے۔ پٹیاں باندھ سکتی ہیں۔ پانی پلا سکتی ہیں۔ لیکن بی بی ذرا کربلا میں اپنی کمسن سکینہ کو بھی دیکھیئے جب بھی بابا خیمہ میں آتا ہے زخموں کی تعداد پہلے سے زیادہ ہوتی ہے۔ پیاس کو تین دن گزر چکے ہیں۔ ذرا سکینہ کو بھی تو بتائیے کہ زخم دھونے کو پانی کہاں سے لائے۔ زخم کو کیسے بوسہ دے۔ جب آپ زینِ ذوالجناح سے زمینِ کربلا پر آئے۔ فوجِ یزید نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ پھوپھی سے اجازت لے کر یہ کمسن بابا کے پاس آئی۔

امام مظلوم نے پوچھا بیٹی اس وقت کیوں آگئی ہے۔؟

جنابِ سکینہ نے عرض کیا۔ لا تزدمنک۔ بابا۔ جی بھر کے دیکھنے آئی ہوں۔ آپ کو گلے لگانے آئی ہوں۔

امامِ مظلوم نے فرمایا۔ آ سکینہ گلے لگا لے۔

بی بی نے سامنے سے آ کر گلے لگانا چاہا۔ نہ لگا سکی۔ دائیں جانب سے ارادہ کیا گلے نہ لگا سکی۔ بائیں طرف سے چاہا گلے نہ لگا سکی۔ پیچھے کی طرف سے چاہا مگر گلے نہ لگا سکی۔

امامِ مظلوم نے پوچھا بیٹی کیا بات ہے کبھی آگے آتی ہے کبھی پیچھے آتی ہے۔ کبھی دائیں اور کبھی بائیں۔

فوجِ یزید کے سپاہی دم بخود دیکھ رہے ہیں کہ کم سن بچی فرطِ محبت سے نہ تیروں کی پروا کرتی ہے۔ نہ پتھروں سے ڈرتی ہے۔ نہ نیزوں کی طرف دیکھتی ہے، کچھ تماشہ سمجھ کر مسکرا رہے ہیں، کچھ حیرت سے

انگشت بدنداں ہیں۔ کچھ بیساختہ رو رہے ہیں۔

شہزادی نے عرض کیا۔ بابا کیا کروں تیر بڑے ہیں اور میرے بازو چھوٹے ہیں۔ سلطانِ کربلا نے سینہ سے ایک ایک تیر نکالا۔ ہر تیر کے ساتھ جسم تقسیم ہوتا رہا۔ جب گود خالی ہوگئی بیٹی کو قریب کیا۔ گود میں بٹھایا۔ سکینہ نے بابا کی رنگین ریش کا بوسہ لیا۔ مظلوم باپ نے پہلے بیٹی کے سَر کا بوسہ لیا۔ پھر دایاں رخسار چوما پھر بائیں رخسار پر بوسہ دیا۔ میں دونوں چھوٹے چھوٹے ہاتھ اُٹھائے کمسن ہاتھوں کو چوما۔ آخر میں باری باری کانوں کا بوسہ لیا —)

کمسن بچی نے عرض کیا۔ بابا کیا آپ خیام میں نہیں آئیں گے۔

اس سوال سے مظلوم کونین کا دل تڑپ اٹھا۔ زور سے بیٹی کو گلے لگایا فرمایا۔ نہیں سکینہ نہ اب میں آؤں گا اور نہ پھر تو آئے گی۔

اتنی دیر میں شمر خونخوار چہرہ لے کر سامنے آیا۔ اور یوں سوال کیا۔ شمر نے کہا حسین یہ بچی کون ہے۔؟

امام مظلوم نے فرمایا ظالم ایسے ماحول میں زخمی باپ کے پاس بیٹی کے سوا کون آسکتا ہے۔

شمر نے کہا اب آپ اسے واپس بھیجیں گے یا میں کہوں۔

فرزندِ زہرا نے فرمایا سکینہ یہ بڑا سنگدل ہے۔ اُٹھ جا میری بچی۔ اپنے سجاد بھائی اور پھوپھیوں کو میرے سلام کہہ دینا۔

کم سن بچی نے بابا کی آغوش کو چھوڑا۔ چند قدم چل کر رک گئی۔ امام مظلوم نے فرمایا کیوں سکینہ کیا بات ہے۔؟

جناب سکینہ نے عرض کیا بابا میں سلطان الصابرین کی صابر بیٹی ہوں۔ میں نہیں جاؤں گی۔ اگر میں چلی گئی تو آپ کے پاس کون رہ جائے گا۔

امام حسن نے کوفہ کے قابل ترین جرّاح عمران کو بلایا۔ جب جرّاح نے زخم کو دیکھا۔ زخم سے بہنے والے خون کو دیکھا۔ جرّاح نے سَر سے عمامہ اُتار پھینکا۔ گریبان چاک کر ڈالا۔ سَر میں خاک ڈالی اور عرض کیا۔ حسن آقا حسین مولا! یہ غلام مجبور ہے۔ یہ زہر آلود تلوار ہے۔ اس کا علاج ناممکن ہے۔ تمام اہلبیت رونے لگے۔ جناب زینب کو جب معلوم ہوا کہ زخم لاعلاج ہے۔ غش کر گئیں۔ جب افاقہ ہوا بابا کے قریب آئیں۔ قدموں میں سر رکھ دیا۔ اور عرض کی۔ بابا زینب کس کس کا ماتم کرے۔ ابھی تک نانا نہیں بھولا کہ ماں کا زخمی پہلو دیکھنا پڑا۔ ماں کا غم ابھی تک نہیں بھولا تھا کہ آپ کا زخم مقدر نے دِکھایا۔

مولا امیر نے فرمایا۔ بیٹی ابھی تک تو ایک ایک زخم دیکھا اب حالات اور زیادہ سنگین ہوں گے۔

آئیے عزادارو! عرض کریں بی بی! آپ کے بابا کا ایک لاعلاج زخم دیکھ کر اس قدر گھبرا گئیں اس وقت کیا کیا ہوگا جب مظلوم کربلا کے جسم پر بوسہ دینے کی جگہ تک نہ تھی سر سے پاؤں تک ہر زخم لاعلاج تھا۔

حضرت علی نے جب دیکھا کہ حسین ہر ایک سے زیادہ رو رہا ہے۔ شدت گریہ سے آنکھیں زخمی ہو چکی ہیں اور کہہ رہا ہے۔

باباجان! آج تو حسین کو رونا آگیا ہے۔ آج تو میں جانتا ہوں کہ کس طرح رویا جاتا ہے۔ ایک وقت وہ بھی تو تھا جب مجھے رونے کا

طریقہ بھی نہیں آتا تھا۔ جب نانا کا جنازہ تین دن گھر میں رکھا رہا۔ اس وقت تو یہ معصوم حسین اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ رویا کیسے جاتا ہے۔

حضرت علی نے فرمایا بلایا اپنے دستِ شفقت سے حسین کی زخمی آنکھوں سے آنسو صاف کئے۔ لیکن آقا کاش آپ کربلا میں ہوتے آج تو آپ چشمِ شبیر سے آنسو صاف کر رہے ہیں لیکن کل یومِ عاشور اسی حسین کے جسمِ نازنین سے خون صاف کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ آقا جب آپ کے اسی حسین کے دلِ مجروح میں سہ شعبہ تیر پیوست ہوا تھا۔ تو خون کا چشمہ پھوٹ پڑا تھا۔

امیر المومنین نے فرمایا۔ حسن بیٹے مجھے تکیہ سے سہارا دو۔ حسن نے تکیہ سے سہارا دیا۔ جناب زہرا کو ضرورت ہوئی تو جناب فضہ نے تکیہ دیا۔ حضرت علی کو تکیہ کی ضرورت ہوئی تو امام حسن نے تکیہ رکھا۔ لیکن جب کربلا میں زین ذوالجناح سے زمین پر آئے اور تکیہ کی ضرورت ہوئی تو بھلا بتائیے کوئی تھا جو تکیہ دیتا۔ خدا جانتا ہے عزادارو! کوئی نہیں تھا۔ خود مظلوم نے اپنے زخمی ہاتھوں سے گرم ریت کی ڈھیری بنائی اور اس پر پیشانی کو سہارا دیا۔

اکیس ماہِ رمضان کے وقتِ سحر آپ نے کوفہ میں موجود تمام بنی ہاشم کو جمع کیا ایک ایک کو وصیت کی۔ ہر ایک کو حسنین کے سپرد کیا۔ حسنین کو جناب زینب کے سپرد کیا۔ اور کمسن عباس کو جنابِ زینب کی وصیت کی۔

جناب زینب نے عرض کیا۔ باباجان اب ہمارا کیا ہوگا۔

اب ہم کہاں جائیں گے۔ آپ اتنی شدت سے روئے کہ آواز گلوگیر ہوگئی اور فرمایا۔ زینب بیٹی آج تو تو محفوظ ہے میں وہ وقت دیکھ رہا ہوں کہ۔ تیرے آگے آگے تیرے بھائی کا سر ہے۔ تو بے پالان کے اونٹ پر بے چادر سوار بازارِ کوفہ سے گزر رہی ہے۔

ہاں عزادارو! سُن لینا اور بات ہے اور وقت پڑنے پر سہہ جانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ جب آلِ محمد کا لٹا ہوا قافلہ حضرت علی کی پیشگوئی سے اکیس برس بعد پہنچا تو چھتوں پر چڑھ کر تماشہ دیکھنے اور پتھر برسانے والی عورتوں میں سے ایک عورت نے جب جناب زینب کا اونٹ قریب آیا تو اس نے سوال کیا۔

آپ کہاں کی قیدی ہیں؟

بی بی نے جواب دیا۔ من اساریٰ آلِ محمد۔ ہم آلِ محمد کے قیدی ہیں۔ چند اور سوالات کرنے کے بعد جب اس مستورہ نے پہچان لیا تو ماتم کرتی آنسو بہاتی جلدی سے نیچے اُتری جتنی چادریں میسر آسکیں اٹھائیں پھر چھت پر آکر ان بے ردا مستورات میں تقسیم کرنے لگی۔ پابندِ رسن بی بیوں نے اپنا اپنا پردہ بنانا شروع کیا لیکن آہ مسلمانو! امتِ مسلمہ کے حکمرانوں نے یہ چادر گوارا نہ کیں۔ اور نیزوں کی سے چادریں اُتار لیں اور سروں کو اونٹوں کے قریب تر کر دیا۔

جب بی بی کی نظر اپنے بھائی کے راکھ آلود سر پر پڑی تو فرمایا۔ بھیا۔ کل تو تیرا سر خاک و خون میں غلطاں تھا آج یہ راکھ کہاں سے آگئی۔ میرے ماں جائے کہیں رات کے وقت تجھے ظالموں

نے خاک کی بجائے تنور میں تو نہیں رکھا۔ ہائے بھائی۔ یہ وہی آنکھیں ہیں جنہیں نانا چوما کرتے تھے۔ آج آنکھوں پر راکھ پڑی ہے انہی لبوں کو نانا بوسے دیتے دیتے نہیں تھکتے تھے آج ان لبوں پر راکھ ان کے بوسے لے رہی ہے۔

تیسرا عزاخانہ

خانۂ حضرت علیؑ

- شہادتِ دخترِ رسولؐ
- بلال کی اذان
- پیراہنِ نبی اور پیراہنِ شبیر
- دخترِ رسولؐ کا اطلاعِ وفات دینا
- بی بی کا خواب میں بابا کو دیکھنا
- بی بی کی حضرت علیؑ کو وصیتیں
- حضرت علیؑ کو غش آجانا
- حضرت علیؑ کا بوقت غسل گریہ
- بی بی کا حسینؑ کو گلے لگانا
- حضرت علیؑ کے ہاتھ میں زہراؑ کا ہاتھ
- اپنی امانت کا سونپنا
- حضرت علیؑ کا امانت واپس کرنا

ابن بالویہ اور دیگر علمائے عظام نے روایت کی ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا ہے۔

یا علی! ذاتِ احدیت نے کائناتِ عالم میں سے مجھے مصطفیٰ فرمایا۔ میرے بعد تجھے۔ نسائے عالمین میں سے میری دختر اور تیری زوجہ فاطمہ کو۔ جب آپ کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو جس فرد سے آپ کا آخری الوداع ہوتا تھا وہ جناب زہرا تھیں اور سفر سے واپسی کے بعد جس فرد سے سب سے پہلے ملاقات فرماتے تھے وہ بھی جناب زہرا تھیں۔ اور سفر سے

اذانِ بلال۔

نبی اکرم کے بعد موذن نبوی بلال نے اذان کہنا چھوڑ دیا تھا۔ جس کا ایک سبب تو حزبِ اقتدار کی یہ خواہش تھی کہ اب بلال کی جگہ مؤذن بھی سرکاری ہونا چاہیئے اور ایک سبب خود بلال کا اپنا وقار بھی تھا۔ بلال فرمایا کرتے تھے۔ جس زبان نے خاتم الانبیاء کے لئے اذان کہی ہے اب وہ کسی اور کے لئے اذان نہیں کہہ سکتی۔

ایک دن دخترِ رسول نے فرمائش کی حسنین نے بلال کو بتایا۔ بلال نے بسر و چشم قبول کیا۔ منبرِ اذان پر آ گیا۔ چار مرتبہ اللہ اکبر کہا۔ بنتِ رسول کو اپنے بابا کا دورِ امن یاد آیا۔ آنسو بہنے لگے۔ جب بلال نے اشھد ان محمداً رسول اللہ کہا۔ جناب زہرا کو زبانِ بلال سے شہادتِ رسالت کا یہ کلمہ کچھ اس طرح لگا کہ۔ بی بی۔ ہائے بابا کہہ کے غش کر گئی۔ حسنین دوڑ کے مسجد میں آئے اور کہا۔ بلال اب کس کے لئے

اذان کہہ رہے ہو دخترِ رسول تو جیسے دنیا چھوڑ چکی ہے۔ بلال نے اذان روک دی پورا نہ کیا۔ کافی دیر کے بعد جب غش سے افاقہ ہوا تو بلال سے اذان مکمل کرنے کی خواہش کا پیغام بذریعہ حسنین بھجوایا۔ لیکن بلال نے معذرت کر لی۔ بی بیؑ نے بلال کی معذرت کو قبول کر لیا۔

ریاض الشہادہ میں حضرت علی سے مروی ہے کہ ایک دن جناب زہرا نے مجھ سے پوچھا یا علی! میرے بابا کی وہ قمیص کہاں ہے جس میں آپ نے انہیں غسل دیا تھا؟

میں نے بتایا کہ وہ میرے پاس ہے۔

بی بی نے عرض کیا آج طبیعت گھبرا رہی ہے۔ بابا کی خوشبو سونگھنے کو دل چاہ رہا ہے اگر از راہ عنایت ایک مرتبہ مجھے دیدیں تو میں اسے چوم کر آنکھوں سے بھی لگا لوں اور بابا کی خوشبو بھی حاصل کر لوں۔

میں نے وہ قمیص دے دی۔ جونہی بنت رسول کی نظر اس پر پڑی۔ آنسو بہنے لگے۔ قمیص کو ہاتھوں میں لیا۔ سینے سے لگایا۔ آنکھوں سے لگایا۔ کئی بار چوما۔ پھر پہلو پر رکھا اور غش کر گئیں۔

عزادارو! یہ پیراہنِ رسول تھا۔ ممکن ہے اس پر آپ کے دمِ آخر کے وقت کے کچھ خونِ رسالت کے چند دھبے ہوں لیکن یہ تو مسلم ہے کہ اس پر نہ کوئی تیر کا نشان تھا نہ تلوار کا۔ نہ نیزے کا سوراخ تھا اور نہ پتھر کی ضرب تھی۔ بی بی تو اس صحیح و سالم قمیص پر خون کے چند دھبے دیکھ کر ہی غش کر گئی لیکن کیا حال ہو گا دختران زہرا کا جب

دربار شام میں ایک سپاہی نے یزید کے سامنے شبیر کے تن مجروح سے اتارا ہوا تار تار پیراہن پیش کیا۔ اور یزید نے برسرِ منبر بھرے دربار میں فرزندِ رسول کا وہ پیراہن کھول کر درباریوں کو دکھایا۔ ایک طرف زینب نے ہائے برادر کہا۔ اور دوسری طرف سکینہ نے ہائے بابا کہا۔

حضرت علی سے مروی ہے کہ ایک دن میں اور جناب زہرا اپنے دونوں بچوں کے ساتھ آنحضور کے پاس آئے۔ آپ نے ہمیں دیکھتے ہی رونا شروع کر دیا۔ میں نے عرض کیا۔ آقا! خیریت تو ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں یاعلی۔ جب میں نے تم تمام کو اکٹھے اور خوش و خرم دیکھا تو مجھے وہ وقت یاد آگیا جب میری زہرا میرے منبر کے سامنے کھڑی رہ جائے گی۔ پھر محروم واپس لوٹے گی۔ اس کا پہلو شکستہ ہو گا۔ جب تجھ سے سب کچھ چھین لیا جائے گا۔ مسجد کوفہ میں تیری ریش تیرے خون سر سے خضاب کی جائے گی۔ میرے حسن کے جگر کے ٹکڑے زہر کے اثر سے طشت میں آئیں گے اس کے جنازہ پر تیروں کی بارش ہو گی۔ میرا حسین تین دن کا بھوکا پیاسا میدانِ کربلا میں شہید ہو گا۔

میں نے عرض کیا۔ آقا۔ یہ ہمارے امتحانات ہی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں یاعلی! اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ اس نے تمہاری محبت ہر ذی روح پر فرض قرار دی ہے۔ ہر مومن تم سے محبت کریگا۔ اور ہر منافق تم سے عداوت رکھے گا۔ کلینی نے امام صادق سے روایت کی ہے کہ جناب زہرا وفات نبی اکرم کے بعد مزارِ رسول پر

آئی دونوں باہیں کھول کر قبر کو گلے لگایا۔ اور عرض کیا۔

بابا۔ تیری بیٹی کی خوشیاں چھین لی گئی ہیں۔ بابا میری میراث پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ بابا علی سے سب کچھ چھن گیا ہے۔ بابا بھرے دربار میں مجھے علی کو اور میرے بچوں کو جھٹلایا گیا ہے۔ بابا آپ کے بعد وہ مصائب آئے اگر پہاڑوں پر آتے خاکستر ہو جاتے۔

روضۃ الواعظین میں ہے کہ بنتِ رسول بابا کے بعد مسلسل بیمار رہنے لگیں تھیں۔ آخری ایام میں بی بی نے ایک دن امّ ایمن اور اسماء بنتِ عمیس کو بلایا۔ پھر حضرت علی کو بھی بلایا۔ اور فرمایا۔ دنیا میں میرا وقت بہت کم رہ گیا ہے۔

حضرت علی نے پوچھا زہرا تجھے کیسے پتہ چلا ہے۔؟

عرض کیا یاعلی! ابھی ابھی میں جا نماز پر ذرا سی دیر کے لئے سوئی۔ عالمِ خواب میں میں نے اپنے بابا کو جنت میں ایک سفید محل میں تشریف فرما دیکھا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو اپنے قریب بُلایا اُٹھے مجھے گلے لگایا۔ میری پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا۔

زہرا اب فراق قابلِ برداشت نہیں بس جلدی سے میرے پاس آجا۔

میں نے عرض کیا۔ بابا جان! میرا ابھی شوق زیارت کم نہیں ہے آپ نے فرمایا۔ زہرا آج رات تو میرے پاس ہو گی۔ اے ابوالحسن مجھے یقین ہے بابا جس طرح دنیا میں صادق تھے اسی طرح آج بھی صادق ہیں۔

عزادارو! ذرا جناب زہرا کے اس خواب کا موازنہ نو محرّم کو جناب سید الشہداء کے خواب سے کریں جب آپ نو محرم کی عصر کو اپنے زانو پر سر رکھے بحر افکار میں غواصی فرما رہے تھے کہ عمر سعد کے لشکر نے خیام کا رُخ کیا۔ جب گھوڑے قریب آ گئے تو بنتِ زہرا اپنے تشنہ لب بھائی کے پاس آئی اور عرض کیا۔

اے جانِ خواہر! کہیں آپ نیند تو نہیں کر رہے ذرا باہر کی آواز سنیں مجھے تو گھوڑوں کی ٹاپیں خیام سے بالکل قریب معلوم ہوتی ہیں۔

آپ نے اپنے زانو سے سَر اُٹھایا۔ ایک سرد آہ کھینچی اور فرمایا زینب کیا تجھے معلوم ہے کہ میں نے ابھی ابھی خواب میں کیا دیکھا ہے؟

بی بی نے عرض کیا۔ بھیا آپ ہی بتا دیں۔

آپ نے فرمایا۔ زینب ابھی ابھی میں نے عالمِ خواب میں نانا۔ بابا۔ ماں۔ اور حسن بھائی کو دیکھا ہے سب نے باری باری مجھے گلے لگایا اور فرمایا حسین اب تیرے مصائب کا دَور ختم ہو گیا ہے کل تو ہمارے پاس آ جائے گا۔

جونہی بی بی نے یہ بات سُنی۔ ہائے حسین۔ ہائے حسین کرتی ہوئی زمین پر بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگی۔

حسین تو تو چلا جائے گا۔ یہ مستورات کا قافلہ اور ان بچیوں کی آہیں کون سُنے گا۔ حسین کیا نانا۔ ماں۔ بابا اور حسن کی طرح تیرا ماتم بھی مجھے کرنا ہو گا۔

جناب زہرا نے فرمایا۔ یا علی! آپ چند لمحات کے لئے میرے قریب بیٹھ جائیں میں چند وصیتیں کرنا چاہتی ہوں۔

ضرور زہرا جو چاہو وصیت کر لو۔

بی بی نے عرض کیا بس یا علی!

پہلی وصیت یہ ہے کہ میرے بعد کسی ایسی عورت سے شادی کرنا جو میرے بچوں پر مہربان ہو۔ حضرت علی نے فرمایا آپ کی نگاہ میں اگر کوئی ایسی عورت ہے تو آپ خود ہی میری نشاندہی کر دیں۔

ہاں یا علی میری ہمنام فاطمہ کلابیہ ہے۔

دوسری وصیت یہ ہے کہ میرے بعد میرے یتیم بچوں سے کبھی سخت کلامی نہ کرنا۔

جب میرا طائرِ روح میرے گلشن جسم کو الوداع کہے — دمے کہ طائر روحم پرد ز گلشن تن

میری جان تجھ پر اور میرے گلشن پر قربان ہو۔ — فدائے جان تو و جانِ این حسین و حسن

کبھی میری زینب کو با آواز بلند نہ پکارنا۔ — خدا نہ کردہ بزینب صدا بلند مکن

فراق زدہ میری اس ام کلثوم (زینب) کو دکھ نہ پہنچانا — زفرقتم ام کلثوم را گزند مکن

میرے بعد خیال رکھنا کوئی کینہ پرور میرے بچوں کے — مبادا آنکہ زند کس طمانچہ ای ازین

چہرہ اور رخسار پر طمانچہ نہ مارے۔ — ز بعد من بسرو روئے گلشن لب

عزادارو! آئیے عرض کریں۔ بی بی۔ کاش میدانِ کربلا میں ہوتیں کہ تیری یہی ام کلثوم زینب بیٹی کے کندھے پر کیسے تازیانے پڑ رہے تھے۔

یا علی تیسری وصیت یہ ہے کہ ہر رات کم از کم شب جمعہ میری قبر پر ضرور آنا۔

چوتھی وصیت یہ ہے کہ جن لوگوں نے مجھے اذیت پہنچائی ہے انہیں میرے جنازہ میں شامل نہ کرنا۔

پھر بی بی نے اپنے دونوں بیٹوں کو قریب بلایا اور فرمایا۔ میرے بیٹو! آج میری طبیعت ذرا زیادہ ناساز ہے جاؤ اپنے نانا کے مزار پر میرے لئے دُعا کرو۔

شہزادے چپ چاپ چلے جاؤ۔

اسماء سے فرمایا۔ اسماء کچھ دیر کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دے میں اپنے رب سے مناجات کرلوں۔ جب تک میری آواز سنتی رہے سمجھنا میں موجود ہوں جب میری آواز سنائی نہ دے سمجھنا میں اپنے بابا کے پاس چلی گئی ہوں۔

اسماء کا بیان ہے کہ بی بی حجرہ کے اندر تشریف لے گئیں میں نے کچھ دیر کے لئے تو انتظار کیا پھر میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ میں نے بی بی کے جو آخری الفاظ سُنے وہ یہ تھے۔ الٰہی تجھے میرے مصطفیٰ باپ۔ میرے مُحروم شوہر۔ میرے مجتبیٰ بیٹے۔ میرے مظلوم حسین اور میری بچی کی یتیمی کا واسطہ میری اولاد سے محبت کرنے والوں کو معاف فرما۔ ان کے گناہوں سے درگزر فرما۔

اس کے بعد بی بی خاموش ہوگئیں میں اور قریب ہوئی اور آواز دی۔ اے بنتِ رسول اے دخترِ نبی۔ مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ میں اور آگے بڑھی۔ دیکھا تو بی بی خاموشی سے پہلو پر ہاتھ رکھے رو بقبلہ سو رہی ہیں۔ میں سرہانے آکر بیٹھ گئی۔ جھکی بی بی کی پیشانی کا بوسہ لیا

اور رونے لگی اتنے میں مجھے باہر سے شہزادوں کے آنے کا احساس ہوا۔ میں نے جلدی سے بی بی کے منہ پر چادر ڈالی باہر آئی دروازہ بند کیا۔

دونوں شہزادے بشکل پریشان تھے۔ میں نے کہا او شہزادے کھانا کھالو۔

کمسن حسین نے پوچھا۔ اسماء ہماری امی کہاں ہے؟ میں نے کہا اندر حجرۂ عبادت میں ہے۔ حسین نے پوچھا اسماء حجرہ عبادت میں ماں کیا کر رہی ہے۔ میرے آقا آپ کی امی عبادتِ خدا میں مصروف ہے۔

میں نے دیکھا حسین سے ضبط نہ ہو سکا۔ سَر میں خاک ڈالی اور کہا۔ اسماء ذرا مجھے دیکھ میں کون ہوں۔؟ میں نے عرض کیا۔ میرے آقا آپ فرزندِ زہرا ہیں۔ اتنے میں حسین کی اشکبار آنکھوں سے آنسو ابرِ برسات کی طرح گرنے لگے۔ اور کہا۔ اسماء حجرہ کا دروازہ کھول اور ہمیں اپنی ماں کے پاس جانے دے۔ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ ہماری ماں ہمیں داغِ مفارقت دے چکی ہے۔

اسماء نے پوچھا۔ شہزادے آپ اتنے کمسن ہیں آپ کو کیسے پتہ چل گیا ہے۔ کمسن حسین نے بتایا اسماء بھلا تجھے معلوم ہے کہ جب ہم پہلے نانا کے مزار پر جاتے تھے، سلام عرض کرتے تھے۔ ہمارے نانا ہمیں جواب سلام دے کر خاموش ہو جاتے تھے لیکن آج جب ہم نے نانا کو سلام کیا۔ تو تجھے پتہ ہے آج کیا ہوا۔ ہوا یہ کہ میں نے دیکھا نانا کی قبر میں شگاف ہوئی پریشان حال نانا کمر تک مزار سے باہر

آئے ہم دونوں بھائیوں کو قریب بُلایا۔ ہمیں گلے لگایا۔ حسن بھائی کا منہ اور معمول کے مطابق میرا گلا چوما اور رو کے فرمایا۔ میری فاطمہ کے یتیم بچو جاؤ تم یتیم ہو چکے ہو۔ تمہاری ماں اس دنیا کو چھوڑ چکی ہے۔ دونوں شہزادے اندر آئے۔ حسن ماں کے سرہانے اور حسین ماں کے قدموں کے قریب بیٹھ گیا۔ حسن نے ماں کی پیشانی اور حسین نے ماں کے قدموں کا بوسہ لیا اور دونوں نے عرض کیا۔ ماں ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیئے۔ ہمارے بال کھلے ہیں۔ ہم نے آپ کے سوگ میں سروں میں خاک ڈالی ہے۔ ماں کیا آج کے بعد آپ ہمیں کبھی جواب نہ دیں گی — دونوں شہزادے اسی صورت کے ساتھ مسجد میں اپنے نانا کے پاس آئے ان کی صورت دیکھ کر کسی کو بھی کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہی۔ جو بھی دیکھتا گیا اسے معلوم ہوتا گیا کہ آج زہرا کے بچے یتیم ہو چکے ہیں۔ دونوں شہزادے مسجد میں بیٹھے ہوئے باپ کے گلے لگے اور رو رو کے عرض کیا۔ بابا ہم یتیم ہو گئے ہیں۔ ہماری ماں ہمیں چھوڑ کے نانا کے پاس جا چکی ہیں۔

حضرت علی اپنے دونوں بچوں کے ہمراہ گھر تشریف لائے۔ حضرت علی نے اپنے یتیم بچوں کو بوسہ دیا اور فرمایا۔ میرے بچے جب آپ کا نانا اس دنیا سے رخصت ہوا تھا تو میں تمہیں تمہاری ماں تسلی دیتا تھا۔ اب کون رہا ہے جس کا تمہیں سہارا دے سکوں۔

آپ بی بی کے سرہانے آئے منہ سے چادر ہٹائی۔ دیکھا تو رقعہ لکھا رکھا ہے۔ آپ نے رقعہ اُٹھایا دیکھا تو لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ دختر رسول فاطمہ۔ توحید خالق۔ رسالت ختمی مرتبہ۔ اور ولایت علویہ کی شہادت دیتی ہے۔ قرآن نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سب برحق ہے۔ اے علی! میں دختر رسول ہوں بحکم خدا میرے بابا نے آپ سے میری شادی کی تھی۔ میں دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ ہوں۔ میری تغسیل و تکفین کے بعد میرا جنازہ خود پڑھنا۔ رات کے وقت مجھے دفن کرنا۔ آپ کو اور میرے بچوں کو میرا آخری سلام۔

جب جناب فضہ بنت رسول کو غسل دے رہی تھیں اور حضرت علی پردہ کے عقب سے پانی دے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد جناب فضہ نے رک کر عرض کیا یا علی! اگر کوئی جگہ خشک رہ جائے تو؟ آپ نے پوچھا فضہ کیا ہوا۔؟ جناب فضہ نے عرض کیا۔ آقا میں نے کافی کوشش کی ہے لیکن بنت رسول کا پیراہن پہلو سے جدا نہیں ہو رہا۔ جونہی کوشش کرتی ہوں ہاتھ پہلو پر آجاتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ فضہ میرا ہاتھ پکڑ کر دست زہرا پر لے جا۔ جب جناب فضہ نے دست علی کو پکڑ کر جناب زہرا کے شکستہ پہلو پر رکھے ہوئے ہاتھ پر رکھا۔ جناب فضہ کا بیان ہے کہ جناب زہرا کا میت لرز اٹھا۔ لب ہلے۔ میں نے لبوں پر کان لگایا۔ تو آہستہ آہستہ بی بی فرما رہی تھی۔ یا علی۔ میرے بچوں کو میرے پہلو کی اس شکستہ حالت کی اطلاع نہ دینا۔ میں نے تو آپ سے بھی چھپا رکھا تھا۔

جناب سلمان فرماتے ہیں میں نے دیکھا امیر المومنین دھاڑیں

مار کے رونے لگے۔ میں نے عرض کیا مولا آپ تو بہت بڑے بہادر تھے آج فراق فاطمہ اتنا شاق گزر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا سلمان فراقِ فاطمہ بھی کم باعثِ غم نہیں ہے لیکن میرے رونے کی وجہ یہ نہیں۔ رو اس لئے رہا ہوں کہ دخترِ رسول نے آج تک مجھے اپنے دَرد نہ بتائے۔ اب پتہ چلا ہے کہ جلتے ہوئے دروازہ کے گرنے اور زمین پر دروازہ کے نیچے پہلوئے زہرا پر تازیانہ کی ضرب سے دخترِ رسول کا پہلو بھی شکستہ ہو چکا تھا۔

تکمیل غسل وکفن کے بعد جناب کو اُٹھا کر حجرۂ عبادت کے دروازہ پر رکھا گیا۔ جب رات کا کافی حصّہ گزر چکا تو حضرت علی نے اپنے بچوں کو آخری الوداع کے لئے بلایا۔ امام حسن اور جناب زینب نے آکے الوداع کہا لیکن امام حسین قریب نہ آئے۔

حضرت علی نے فرمایا حسین کیا ماں سے آخری الوداع نہیں کرو گے؟

مولا حسین نے عرض کیا۔ بابا جان میرا ایک سوال ہے۔

حضرت علی نے فرمایا حسین بیٹے پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟

آقا حسین نے عرض کیا بابا جان کیا میری ماں افضل ہے یا عیسٰی کی ماں مریم!

حضرت علی نے فرمایا بیٹے تیری ماں کا مقابلہ دنیا کی کسی بھی عورت سے نہیں کیا جا سکتا۔

امام حسین نے عرض کیا کیا مادرِ عیسٰی نے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد حضرت عیسٰی کو بلا کر گلے لگایا تھا؟

حضرت علی نے فرمایا ہاں حسین مریم نے کفن سے حضرت عیسٰی کو بُلا کر گلے لگایا تھا۔

مولا حسین نے عرض کیا تو پھر جب تک مجھے ماں نہیں بلائے گی میں نہیں جاؤں گا۔

حضرت علی فرماتے ہیں بکت الفاطمة وقدت بیداھا جنابِ زہرا نے گریہ کیا۔ روئی کفن کے بند کھلے۔ دونوں باہیں کھولیں اور فرمایا۔ آجا میرے لال۔ آجا میرے حسین۔ آمیرے بیٹے۔ ماں کو گلے لگا لے۔ آخری الوداع کر لے۔ لیکن یہ قرض ہے ایک دن وصول کروں گی۔ حسین آگے بڑھے ماں کی باہوں میں آئے۔ سینہ پر سر رکھا۔ ماں کو گلے لگایا۔ پیشانی کا بوسہ لیا۔ دیر تک یہ منظر رہا۔ ہاتفِ غیبی نے آواز دی۔ یا علی! حسین کو جلدی ماں سے جُدا کر لے۔ ملائکہ نے تسبیحیں چھوڑ دی ہیں۔

حضرت علی آگے بڑھے۔ دونوں ہاتھوں سے حسین کو اُٹھایا۔

آؤ عزادارو! مل کے عرض کریں۔ حسین مولا تو کتنا خوش نصیب ہے آج مدینہ میں تجھے اپنی ماں کے جنازہ سے تیرے باپ علی نے جُدا کیا ہے۔ کاش کربلا میں جناب سجاد ہی کو اتنا موقع دیا جاتا کہ آپ کی کمسن سکینہ کو آپ کے لاشہ سے وہی جدا کر لیتے لیکن وہاں تو شمر تھا اٹھانے والا۔

امانتِ رسول۔

جب سرورِ کونین کا آخری وقت قریب ہوا تو آپ نے تمام

ازواج اور اصحاب کو باہر جانے کا حکم دیا۔ حضرت علی کو قریب بلایا پھر جناب زہرا کو بُلوایا۔ اور حسنین کو طلب کیا۔ حضرت علی اور حضرت زہرا دونوں کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ دونوں کے ہاتھوں کو اپنے سینہ پر رکھا کافی دیر تک دونوں ہاتھوں کو سینہ پر رکھے رہے اور روتے رہے۔ پھر جناب زہرا کا دایاں ہاتھ حضرت علی کے دائیں ہاتھ میں دیا۔ اور فرمایا۔ یا علی۔ یہ میری زہرا اللہ اور میری طرف سے تیرے پاس امانت ہے۔ میری امانت کا خیال رکھنا۔ میرے دونوں بچوں کا خیال رکھنا۔ اُن کے رونے سے مجھے بہت دکھ پہنچتا ہے۔

حضرت علی نے جنازہ زہرا اٹھایا۔ جنت البقیع میں لائے۔ کنارے قبر رکھا۔ جب جنازہ کو قبر میں اتارنے کا ارادہ کیا تو فرش قبر سے دو ہاتھ ظاہر ہوئے۔ ساتھ ہی ایک آواز بھی فضا میں گونجی۔ یا علی! میری زہرا۔ میری امانت مجھے دے دے۔

سلمان کہتا ہے میں نے دیکھا۔ حضرت علی کا تمام جسم لرزنے لگا۔ آنسوؤں میں اضافہ ہو گیا اور عرض کیا۔

السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا مولای۔

السلام علیک یا نبی اللہ۔

اللہ اور آپ شاہد ہیں۔ میں نے آپ کی امانت میں غفلت نہیں کی لیکن مجھے افسوس ہے کہ اب امانت صحیح و سالم نہیں ہے۔ آپ کی امانت کا پہلو شکستہ ہے۔ خود زہرا ہی اپنی زبانی آپ کو بتائے گی۔

جب آپ جنت البقیع سے واپس گھر آئے۔ حسنین نے دیکھا

ماں کا مصلائے عبادت خالی ہے۔ حجرہ خالی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ شہزادے کے دل پر کیا گزری ہو گی۔ لیکن عزادارو! ذرا اندازہ کیجیے حسنین کے لئے یہ وقت زیادہ سخت تھا یا جناب زینب کے لئے وہ وقت زیادہ سخت تھا جب بی بی شام سے واپس مدینہ آئی اور بند دروازے دیکھے۔

لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

چوتھا عماخانہ

عماخانہ حسن مجتبیٰ ع

- شہادت امام حسنؑ۔
- دربارِ امیر شام میں امام حسن کا منبر پر جانا۔
- دربارِ یزید میں سید سجاد کا خطبہ
- سرور انبیاء کا امام حسن کے لب اور امام حسین کا گلا چومنا
- موصل میں تین مرتبہ امام حسن کو زہر دیا جانا۔
- مدینہ میں تین مرتبہ زہر
- جناب زینب کو خواب بتانا۔
- پانی پینا
- جناب زینب کا امام حسین کو بلانا
- امام حسین کا چار افراد کو گلے لگانا۔
- جناب زینب کا پارہ ہائے جگر کو طشت میں سنبھالنا
- الوداع اور وصیت قاسم
- جناب فاطمہ کبریٰ کا خطبہ

قطب راوندی نے روایت کی ہے کہ ایک دن عمرو عاص نے امیر شام سے کہا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں فرزندِ رسول حسن نے کبھی پبلک مقام پر کوئی تقریر وغیرہ نہیں کی اور نہ کبھی کوئی خطبہ دیا ہے۔ مجھے یقین ہے جب منبر پر عوام کے رو برو ہو گا تو عوام سے مرعوب ہو کر اس کے لئے بات کرنا مشکل ہو جائے گا۔ لوگوں میں ان کے علم کی جو دھاک بیٹھی ہوئی ہے ہوا ہو جائے گی۔ لوگ خود مذاق اڑانا شروع کر دیں گے۔ بڑا مزہ آئے گا ذرا اسے کہو کہ منبر پر جا کر خطبہ دے۔

امیر شام نے امام حسن سے کہا۔ میرا دل چاہتا ہے آج آپ سے کچھ وعظ و نصیحت میں بھی سنوں دوسرے لوگ بھی مستفید ہو جائیں۔ آپ منبر پر تشریف لے جا کر ہمیں کچھ وعظ فرما دیں۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ حمد و ثنائے الٰہی کچھ اس فصاحت و بلاغت سے بیان فرمانے لگے کہ پورا دربار عش عش کر اٹھا۔ جب آپ نے اہل دربار کی توجہ دیکھی تو فرمایا۔

- امتِ محمد میں سے خیر النساء دخترِ نبی کا فرزند میں ہوں۔
- پوری امتِ محمدیہ میں سے فرزندِ رسول ہونے کا شرف صرف ہم دو بھائیوں کو حاصل ہے۔
- میں سراج منیر کا فرزند ہوں۔
- میں بشیر و نذیر کا فرزند ہوں۔
- میں رحمتِ عالمین کا فرزند ہوں۔
- میں نبی الانس وجاں کا فرزند ہوں

- میں بعد از خدا بہترین خلائق نبی کریم کا فرزند ہوں۔
- میں صاحب کمالات کا فرزند ہوں۔
- میں صاحبِ معجزات کا فرزند ہوں۔
- میں امیرالمومنین علی کا فرزند ہوں۔
- میں وہ ہوں جس کا حق غصب کیا گیا ہے۔
- میں جوانانِ جنت کے سرداروں میں سے ایک ہوں۔
- میں شفیع روزِ جزا کا فرزند ہوں۔
- میں اس کا فرزند ہوں جس کی قیادت میں ملائکہ نے جنگ کی۔
- میں اس کا فرزند ہوں جس کا کلمہ تمام قریش نے پڑھا ہے۔
- میں ہادی کونین کا فرزند ہوں۔

جب آپ یہاں تک پہنچے اور تمام اہالیانِ دربار گرویدہ ہو گئے تو امیر شام کو اپنے تختِ شاہی کے ستون لرزتے نظر آئے۔ فوراً کہا۔

اے فرزندِ علی! بہت ہو چکا۔ اب بس کریں۔

یہ تو چچا کا خطبہ تھا لیکن اسی دربار میں اسی منبر پر ایک مرتبہ بھتیجے کو بھی خطبہ کا موقعہ ملا۔ البتہ ان دونوں خطبوں میں فرق یہ تھا کہ۔

(چچا تندرست تھے۔

بھتیجا بیمار تھا۔

چچا آزاد تھے بھتیجا پابندِ طوق و سلاسل تھا۔

چچا تنہا تھا۔ بھتیجے کے ساتھ بیوہ مائیں یتیم بہنیں اور غم کی ماری پھوپھیاں تھیں ـــ)

ہوا یوں کہ جب بیمارِ کربلا کو دربارِ یزید میں لایا گیا۔ اور زندانِ شام میں قید کر دیا گیا۔ ایک جمعہ کو یزید نے داروغہ کو حکم دیا کہ اسیرِ آلِ محمد کو مسجد میں لاؤ۔ جب آپ کو مسجد میں لایا گیا تو درباری خطیب جسے پہلے سے سمجھا دیا گیا تھا۔ اس نے حضرت شہیدِ کربلا پر بہتان طرازی شروع کر دی۔ یزید اور بنی امیہ کے گیت گانے لگا

جناب سجاد نے یہ سُن کر فرمایا۔

اے ظالم تو نے مخلوق کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر خالق کا غضب خرید لیا ہے۔ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لیا ہے۔

پھر آپ یزید سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔

اگر چند منٹ کے لئے مجھے اجازت دے دے تو منبر پر جا کر چند ایسے کلمات کہوں جس سے حاضرینِ مسجد کے ثواب میں اضافہ ہو خالق کی رضا بھی مل جائے۔

یزید نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تو میرا قیدی ہے۔

حاضرینِ مسجد نے کہا اے امیر اسے اجازت دیدے تاکہ ہم اہلِ حجاز کی فصاحت کا اندازہ تو کر لیں۔

یزید نے کہا تم نہیں جانتے اگر اسے منبر مل گیا تو بنی امیہ کو ذلیل و رسوا کر کے رکھ دے گا۔

حاضرین کہنے لگے بھلا یہ بچہ کیا کر سکتا ہے۔

یزید نے کہا یہ اہلبیتِ محمد سے ہے اور اس گھر کے افراد ماں کی گود میں بھی علم و حکمت کے خزانے ہوتے ہیں۔

حاضرین نے کہا یہ بیچارہ کیا کہے گا اگر آزاد ہوتا تو پھر بھی خطرہ تھا۔ اب کیا خطرہ ہے۔

یزید نے کہا یہ لوگ قید اور آزادی ہر حالت میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔

حاضرین نے کہا چلو ہماری خاطر ایک اجازت تو دے دو۔ اس کی جرأت نظر آجائے گی۔

یزید نے کہا اچھا تمہاری مرضی ہے تو ٹھیک ہے۔

جب اجازت مل گئی تو علم لدنی کا سرچشمہ منبر پر آیا۔ حمد و ثنائے الٰہی کے بعد محمد و آلِ محمد پر درود و سلام بھیجا۔ پھر فرمایا۔

جو مجھے پہچانتا ہے سو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا تو اسے اپنا حسب و نسب بتا دوں۔

- میں مکہ و منیٰ کا فرزند ہوں۔
- میں اس کا فرزند ہوں جسے جبریل سدرۃ المنتہیٰ تک لے گیا۔
- میں اس کا فرزند ہوں جسے مقامِ قاب قوسین او ادنیٰ نصیب ہوا۔
- میں محمد مصطفیٰ کا فرزند ہوں۔
- میں علی مرتضیٰ کا فرزند ہوں۔
- میں صالح المومنین کا فرزند ہوں۔
- میں وارثِ انبیاء کا فرزند ہوں۔
- میں امیر المومنین کا فرزند ہوں۔
- میں جبریل کے نوید اور میکائیل کے منصور کا فرزند ہوں۔

- میں دینِ خدا کے ناصر اور الامر کا فرزند ہوں۔
- میں حکمتِ الٰہیہ کے ترجمان اور علم الٰہی کے مخزن کا فرزند ہوں۔
- میں ابو السبطین کا فرزند اور مزدلفہ و عرفات کے وارث کا فرزند ہوں۔
- اے لوگو! میں فاطمہ زہرا کا فرزند ہوں۔
- میں سیدۃ النساء کا فرزند ہوں۔
- میں خدیجۃ الکبریٰ کا فرزند ہوں۔
- میں مظلوم مقتول کا فرزند ہوں۔
- میں تیغِ جفا سے شہید کا فرزند ہوں۔
- میں پیاسے کشتہ باپ کا فرزند ہوں۔
- میں اس کا بیٹا ہوں جس کے خیام تک لوٹ لئے گئے۔
- میں اس کا بیٹا ہوں جس کا سر نوکِ نیزہ پر بلند کیا گیا اور شہر بشہر تشہیر کرایا گیا۔
- میں اس کا بیٹا ہوں جس کی عترت کو نمک حراموں نے پابندِ سلاسل کیا۔
- میں اہلِ بیت سے ہوں۔

جب آپ اس مقام پر پہنچے تو مسجد میں صدائے گریہ بلند ہو گئی۔ یزید کو خطرہ محسوس ہوا۔ اس نے موذن کو حکم دیا کہ اذان کہو۔

جب موذن نے اللہ اکبر کہا۔ جناب سجاد نے فرمایا۔ واقعاً اللہ سے کوئی بھی برتر نہیں ہے۔

جب موذن نے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہا۔ تو آپ نے فرمایا

میرا گوشت و پوست اور جان و روح گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

جب مؤذن نے اشہد ان محمداً رسول اللہ کہا تو آپ یزید سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔

اے یزید! جس محمد کا نام اس بلندی پر تیرے گھر میں لیا جا رہا ہے تیرا دادا ہے یا میرا؟ اگر کہے کہ یہ تیرا دادا ہے، تو جھوٹے بنے گا۔ اور اگر کہے کہ میرا دادا ہے تو پھر بتا کہ کس جرم میں تو نے اس کی ذریت کو قتل کیا۔ اور مخدرات عصمت کو بے مقنع و چادر کیا۔

نبی اکرم کا شہزادوں کو چومنا

ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک دن فرزندانِ زہرا مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے محراب مسجد کا سہارا لے رکھا تھا۔ مہاجرین و انصار کو موعظہ فرما رہے تھے۔ جب آپ نے شہزادوں کو دیکھا آپ نے وعظ روک دیا۔ بازو پھیلائے۔ آگے بڑھے۔ دونوں کو مرحبا کہہ کر گود میں بٹھایا۔ حسن کو دائیں زانو پر اور حسین کو بائیں زانو پر۔ حسن کے دونوں لبوں کا بوسہ لیا اور کافی دیر تک اپنے پاکیزہ لبوں سے حسن کے لب چومتے رہے۔ پھر حسین کی طرف متوجہ ہوئے اور شہزادے کے گلوئے نازنین پر اپنے لب رکھے اور بڑا طویل بوسہ دیا۔ ہم نے تو آپ کے آنسو بہہ رہے تھے۔ آپ کا گریہ دیکھ کر تمام اصحاب بھی رونے لگے۔ اور یہ سلسلہ ایک گھنٹہ تک

رہا۔ اسی اثنا میں ہم نے دیکھا کہ شہزادہ حسین آنحضور کے زانو سے اٹھا اور بآوازِ بلند روتا ہوا گھر کی طرف چلا گیا۔

جناب صدیقہ کبریٰ فرماتی ہیں کہ جب میں نے اپنے لال کو اس شدت سے روتے دیکھا اپنے قابو میں نہ رہی۔ دوڑ کر بیٹے کے قریب آئی۔ بازوؤں میں لیا۔ اُٹھایا۔ چوما اور پوچھا۔

میرے لال کیا ہوا۔ اتنی شدت سے کیوں رو رہا ہے؟

شہزادے نے آہستہ سے عرض کیا۔ ماں! ذرا میرے منہ کو سونگھنا۔ میں نے منہ کو سونگھا۔ پھر پوچھا بیٹے تیرے منہ کو کیا ہے؟ شہزادے نے عرض کیا۔ ماں میں سمجھتا ہوں آج میرے منہ سے شاید بو آ رہی ہے۔

میں حیران و ششدر رہ گئی۔ بار بار حسین کا منہ چوما بھی اور سونگھا بھی۔ پھر کہا۔ نہیں میرے بچے بھلا تیرے منہ سے بو کیوں آئے گی۔ کچھ تو ماں کو بھی بتا بات کیا ہے؟

ماں ابھی ابھی آپ کے پاس سے ہم دونوں بھائی نانا کی خدمت میں پہنچے۔ نانا نے ہم دونوں کو اپنی گود میں بٹھایا۔ پہلے تو نانا نے حسن بھائی کے لب چومے اور بڑی دیر تک چومتے رہے۔ پھر میرے لبوں کے بجائے گلے کو چوما۔

میں نے بھی حسین کا گلوئے نازنین کے لاتعداد بوسے لئے اور کہا بیٹے ایسی کوئی بات نہیں ہے میں نے کئی مرتبہ تیرے نانا سے سُنا ہے کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں — جس نے

حسین کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ تیرے نانا نے کتنی مرتبہ تجھے اپنی مہرِ رسالت پر بٹھایا ہے۔ بیٹے ایک دن تو گہوارہ میں رو رہا تھا۔ تیرے نانا تشریف لائے اور مجھے فرمایا۔ اے زہرا تجھے معلوم ہے کہ حسین کے رونے سے مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ بیٹے ان باتوں کے ہوتے ہوئے کیسے آپ کے نانا آپ سے خفا ہو سکتے۔ آؤ بیٹے چلیں آپ کے نانا کے پاس۔ ان سے پوچھتے ہیں۔ میں نے حسین کو اٹھایا۔ چادر سر پہ رکھی۔ میرے بابا مسجد سے گھر تشریف لا چکے تھے۔ میں جب آئی۔ آپ نے حسین کے آنسو بہتے دیکھے حسن کو گود میں بیٹھے تھے۔ ہمیں دیکھ کر آپ اٹھے۔ ہمیں اپنے قریب بٹھایا۔ میں نے عرض کیا۔ بابا جان! آپ تو مجھے فرمایا کرتے تھے کہ حسین کو رونے دیا کر۔ آج آپ نے خود حسین کو کیوں رُلایا؟ آپ نے فرمایا۔ بھلا بیٹی میں حسین کو کیسے رُلا سکتا ہوں۔ بابا ملاحظہ فرمائیے حسین کے آنسو ابھی تک رک نہیں رہے۔ آپ نے جلدی سے حسین کو مجھ سے لے لیا۔ خود رونے لگے اور حسین کا گلا چومنے لگے حسین نے میری طرف دیکھا میں نے عرض کیا۔ بابا جان! یہی تو حسین کے رونے کی وجہ ہے۔ آپ نے حسن کے لب چومے ہیں اور حسین کا گلا چوما ہے۔

پھر تو بابا کی آنکھیں ابرِ برسات کی مانند برسنے لگیں۔ حسین کو سینہ سے لگایا۔ اور فرمایا زہرا! مجھے لفظ نہیں مل رہے کہ میں تجھے کیسے بتاؤں کہ میرے یہ دونوں بیٹے میری امت کے ہاتھوں

شہید ہوں گے۔ حسن کو زہرِ جفا سے شہید کیا جائے گا اس لئے حسن کے لب چومتا ہوں اور حسین کو تین دن کا پیاسا تلوار سے شہید کیا جائیگا اس لئے حسین کا گلا چومتا ہوں۔

تاریخ سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جعدہ بنت اشعث ابن قیس کندی زوجہ امام حسن کو امیرِ شام کی طرف سے۔ یزید کے ساتھ شادی کے علاوہ دولت کے وعدہ کے ساتھ مروارید کا ایک ہار مدینہ کے گورنر مروان کے ذریعہ بھیجا گیا اور امام حسن کو زہر دینے پر آمادہ کیا۔ ساتھ ہی زہر بھی تلاش کر کے دیدیا گیا۔ اس کم نصیب نے ایک مرتبہ زہر دیا۔ مگر آپ بچ گئے۔ دوسری مرتبہ پھر دیا۔ آپ پھر بچ گئے۔ تیسری مرتبہ[1] ۲۷ صفر ۵۰ھ جمعہ رات اس نے صراحی آب میں زہر کی بہت بڑی مقدار ملائی اور خاموشی سے اپنی جگہ آگئی۔ آپ سو رہے تھے نیند سے بیدار ہوئے تو جناب زینب خاتون کو بلا بھیجا۔ جب بی بی آئی تو فرمایا۔ زینب بہن۔ میں نے ابھی ابھی خواب میں اپنے نانا۔ بابا۔ اور ماں کو دیکھا ہے۔ جنت الفردوس میں ایک جگہ کھڑے تھے۔ نانا اور بابا ایک جگہ تھے۔ ان کے بالکل قریب ماں زہرا اور نانی خدیجۃ الکبریٰ کھڑی تھیں۔ میرے نانا نے میرا ہاتھ

---

[1] سابقاً ایک مقام پر آپ نے پڑھا ہو گا کہ حضرت ابو بکر کی بھانجی جعدہ نے امام حسن کو دودھ میں وقتِ افطار زہر دیا تھا۔ اس روایت کے مطابق جعدہ نے فرزندِ نبی کو پانی میں زہر ملا کے دیا۔ مذکور ہے۔ تاریخ میں اختلاف کی وجہ سے ممکن ہے دونوں روایات درست ہوں کیونکہ اس بدنصیب عورت نے کئی مرتبہ زہر دیا ہے۔

پکڑا۔ معمول کے مطابق میرا منہ چوما اور فرمایا۔ بیٹے بس اب جلدی کرو۔ بہت مدت ہو چکی ہے ہمیں شوق ملاقات ہے۔ چلو ادھر تو بھی تو تھک چکا ہے۔ دشمنوں کی طرف سے ہونے والی تکالیف بھی بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ کل رات تو ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں۔

آپ نے جعدہ کو آواز دی۔ وہ قریب آئی۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے تھوڑا سا پانی پلادے۔ جعدہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھی جسم کانپنے لگا۔ لرزتے ہاتھوں کے ساتھ زہر آمیز صراحی سے پانی بھرا۔ اور فرزندِ زہرا کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے پانی لیا۔ جام کو منہ لگایا۔ بسم اللہ و باللہ علی ملتہ رسول اللہ پڑھا اور چند گھونٹ پانی پیا۔ جونہی پانی اندر پہنچا زہر کی تلخی سے زبان کا ذائقہ بھی بدل گیا۔ جعدہ فوراً واپس پلٹ کر ہانپنے لگی۔ آپ نے فرمایا۔ اس پانی سے۔ مجھے ذائقہ تو ایسے آرہا ہے جیسے قبل ازیں دو مرتبہ آیا تھا لیکن میں سمجھتا ہوں اب کی بار مقدار بہت زیادہ ہے۔ شاید اب میں برداشت نہ کر سکوں بس یہی بات کہہ رہے تھے۔ کہ چہرہ کا رنگ بدلنے لگا۔ اور پارہ پارہ جگر باہر آنے لگا۔ فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور فرمایا۔ بہن ذرا جلدی میرے حسین بھائی کو بلا کے لے آ۔ بی بی امام حسین کے گھر آئیں انہیں اطلاع دی۔ کون نعلین سنبھالتا۔ یا عمامہ سر پہ رکھتا۔ سر و پا برہنہ تشریف لائے۔ حالت غیر دیکھی۔ بے ساختہ جھکے۔ دونو بازو کھولے دوسری طرف امام حسن نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے دونو باہیں دراز کیں۔ دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے

کو گلے لگایا۔

امام حسین نے فرمایا۔ جانِ برادر آج تصدیق ہو گئی ہے کہ نانا آپ کے لبوں کے بوسے بار بار کیوں لیتے تھے۔ امام حسین نے اپنے بھائی کے کانپتے لرزتے اور نیلے لبوں کے کئی بوسے لئے۔ اور امام حسن نے گلوئے حسین کے کئی بوسے لئے۔

تمام مخدرات عصمت نے دونوں بھائیوں کو گلے مل کر روتے دیکھا تو وا محمداہ۔ وا علیاہ وا جعفراہ کے دلدوز نعرے بلند کئے۔ خانہ سبز قبا ماتم کدہ بن گیا۔

عزادارو! یہ پہلا موقعہ تھا جب امام حسین نے اپنے حسن بھائی کو گلے لگایا۔ اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو میدانِ کربلا میں تین مقامات اور بھی ایسے ملیں گے جہاں پیاسے حسین نے تین افراد کو گلے لگایا تھا۔

۱۔ ریاض المصائب میں ہے کہ جب سقائے سکینہ مشکیزہ لئے دریا کی طرف جا رہے تھے۔ ابھی کچھ ہی چلے تھے کہ عقب سے ہائے عباس کی جگر خراش صدا بلند ہوئی۔ مڑ کے دیکھا تو پیاسا فرزندِ زہرا کمر پہ ہاتھ رکھے آنسو بہاتے چلے آرہے ہیں۔ جناب عباس واپس پلٹے۔ گھوڑے سے اُترے اور عرض کیا۔ میرے مظلوم مولا! مجھے پانی لانے کی اجازت تو دیدی ہے۔ ہاں آپ فرمایا ہاں عباس اجازت تو دیدی ہے لیکن ایک مرتبہ ذرا خیام پر نگاہ کرو۔ خیام سے خاک اڑتی دیکھ اور خیام سے آنے والی صدائے آہ و بکا

سن. میں چاہتا ہوں ایک مرتبہ خیام کے اندر چلا جا اور بے سہارا بہنوں
اور بچوں کی ایک مرتبہ تسلی دیتا جا۔ اور ایک مرتبہ مجھے بھی گلے لگا
لے۔ ابھی تک تیرے بازو موجود ہیں۔ پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ تجھے گلے
لگانے کی حسرت دل ہی میں رہ جائے۔

جناب عباس نے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ آگے بڑھے بازو پھیلائے
تشنہ لب حسین بھی آگے بڑھے اور بازو پھیلائے دونوں بھائیوں نے
ایک دوسرے کو گلے لگا۔ امام حسین نے ایک بوسہ دائیں بازو پر
دیا جناب عباس نے پہلے آپ کی پیشانی کو چوما پھر جھکے اور گلے کا
بوسہ لے لیا۔

جب اہلِ حرم نے دونوں بھائیوں کو گلے لگ کے ایک
دوسرے کے بوسے لیتے دیکھا تو واعباساہ اور واحسینا کے بین
کرنے لگیں۔

۲۔ جب شہزادہ قاسم اجازت لینے کے لئے آیا۔ آپ اٹھے
اور فرمایا۔ قاسم تو میرے بھائی کی نشانی ہے۔ تجھے دیکھ کے مجھے حسن
یاد آجاتا ہے۔ آ ایک مرتبہ میرے حسن کی یاد کو تازہ کر دے۔ جس طرح
دم آخر حسن نے مجھے مدینہ میں گلے لگایا تھا۔ تو بھی حسن کی طرح کربلا
میں مجھے گلے لگالے۔

۳۔ جب آخری الوداع کے بعد آپ خیام سے روانہ ہوئے۔
ایک مستورہ نے ذوالجناح پر بیٹھنے میں مدد کی۔ جب چلنے لگے تو
پیچھے جناب زینب نے ہائے حسین کہہ کر مرثیہ خوانی کی اور عرض کیا۔

حسین میرے پیاسے حسین۔ ذرا دیکھ میں بہن ہوں۔ اور تو پیاسا جا
رہا ہے۔ ایک مرتبہ ذوالجناح سے اترنے کی تکلیف کیجئے۔ آپ اترے
بی بی آگے بڑھیں۔ اور کہا حسین مجھے ایک مرتبہ اس طرح گلے لگالے
جس طرح مدینہ میں حسن کو گلے لگایا تھا۔ جس طرح قاسم کو اور عباس
کو ابھی ابھی گلے لگایا تھا۔

ممکن ہے آپ نے فرمایا ہو۔ زینب حسن اور عباس بھائی تھے
اور قاسم کو میں نے حسن ہی سمجھ کے گلے لگایا تھا۔

بی بی نے یقیناً جواب دیا ہوگا۔ حسین اس وقت مجھے بھی بھائی
ہی سمجھ کے گلے لگالے۔ جس طرح تیرے بعد میرا کوئی نہیں رہ جائیگا
اسی طرح تیرے بعد ان مخدراتِ عصمت کا سہارا میرے بغیر کون ہوگا۔
سجاد تو بیمار ہے۔ مجھے بچوں کے لئے عباس۔ اہلِ کوفہ و شام کے لئے
علی۔ اور مستورات کے لئے حسین ہی تو بننا پڑے گا۔

جب امام حسین بھائی کو گلے لگا چکے۔ صراحی کی طرف دیکھا۔
اور فرمایا ذرا ایک گھونٹ مجھے بھی اس میں سے دیں تاکہ دیکھوں اس
میں کیا ہے۔ بنتِ زہرا آگے بڑھیں اور آپ کے ہاتھ سے صراحی
لے کر عرض کیا۔

حسین میری طرف دیکھ۔ میں غموں ماری ایک دن میں دو بھائیوں
کا جنازہ اٹھتے دیکھنے کی ہمت رکھتی ہوں۔ خدارا مجھ پر ترس کر۔
امام حسن نے جناب زینب کے ہاتھ سے صراحی لے لی اور فرمایا
حسین اگر تو بھی آج دیکھتا ہے کہ اس صراحی میں کیا ہے تو مجھے دیکھ

علاوہ ازیں کربلا کون جائے گا۔ امام حسن نے صراحی کو زور سے زمین سے دے مارا۔ صراحی ٹوٹی۔ پانی بہا۔ جہاں پانی گرا زمین سے دھواں نکلنے لگا۔ زمین کوئلہ کی مانند سیاہ ہوگئی۔ فرمایا۔ حسین زمین کا رنگ دیکھ کر پہچان لے کہ صراحی میں کیا تھا۔

بعض روایات کے مطابق بنتِ زہرا نے طشت میں ستر پارہ ہائے جگر شمار کئے۔ امام حسن نے فرمایا۔ حسین بھائی میری چند وصیتیں سن لے۔

۱۔ مجھے غسل و کفن خود دینا۔ میری نمازِ جنازہ خود پڑھنا۔

۲۔ مجھے روضہ رسول پر لے جانا۔ اگر امت اجازتِ دفن نہ دے تو نانا کو میرے سلام کہہ دینا۔

۳۔ جنت البقیع میں مجھے ماں کے پہلو میں دفن کرنا۔

اس کے بعد آپ نے تمام اہلِ حرم کو جمع کیا۔ قاسم کا ہاتھ پکڑ کے امام حسین کے ہاتھ پہ رکھ کے فرمایا۔ حسین بھائی کربلا میں میں خود تو نہ ہوں گا میری طرف سے قاسم کو اپنے قدموں میں قربان کر دینا۔ کربلا تک قاسم کو میری امانت سمجھ کے رکھنا۔

بھائی میں چاہتا ہوں کہ اپنی فاطمہ بیٹی کا عقد میرے قاسم سے کر دینا۔ پھر آپ نے تمام اہلِ حرم اولاد اور امام حسین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

استودعکم اللہ واقراء علیکم السلام میرا آخری سلام ہو میں تمہیں اللہ کی امان میں دے کے جا رہا ہوں۔

امام حسین نے امام حسن پر جو مرثیہ پڑھا اس کے دو اشعار

یہ تھے۔

بکائی طویل والدموع غزیرۃ	بھیا میرے رونے کی مدت شاید بہت دراز ہے اور آنسو تھمتے نہیں
وانت بعید والمزار قریب	تیری تربت ہمارے قریب ہے لیکن تو بہت دور ہے
غریب واطراف البیوت تحوطہ	مدینہ کے در و دیوار قریب ہونے کے باوجود تو مسافر اور دور ہے
الا کل من تحت التراب غریب	لیکن جو بھی مٹی کے نیچے چلا جائے وہ مسافر ہی ہوتا ہے

پانچواں عزاخانہ

میدانِ کربلا

مومنین کے آنسو اور ملائکہ۔
یومِ عاشور اور درندے
حضرت موسیٰ اور تشنگیٔ اہلبیت کی اطلاع
جنابِ سکینہ کی ایک خواہش

امام صادق سے منقول ہے کہ

یوم عاشور ملائکہ آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ تمام عزاداروں کے گھروں اور عزاخانوں میں جاتے ہیں۔ تمام عزاداروں کے آنسو جمع کرتے ہیں۔ یوم قیامت جب عزادارانِ حسین پل صراط سے گزریں گے تو ملائکہ انہی آنسوؤں سے آتشِ جہنم کو سرد کریں گے۔ اور ہر عزادار بحفاظت پل صراط سے گزر جائے گا۔

زہرۃ الریاض میں ہے کہ

ان السباع والوحوش لا یرتضعن فی یوم عاشورہ ولا یرضعن اولادہن و یرفعن رؤسہن الی السماء

تمام وحشی درندے یوم عاشور نہ تو خود کچھ کھاتے اور پیتے ہیں۔ اور نہ ہی اپنے بچوں کو کھلاتے ہیں بلکہ اپنے منہ آسمان کی طرف کئے رہتے ہیں۔

سرورِ انبیاء ایک دن بیرونِ مدینہ کسی کام کی خاطر تشریف لیجا رہے تھے کہ ایک شکاری ایک ہرنی کا شکار کئے لا رہا تھا۔ جب ہرنی نے آپ کو دیکھا تو سلام کے بعد عرض کیا۔ یارسول اللہ اس شکاری نے مجھے شکار کر لیا ہے۔ میرے دو چھوٹے چھوٹے بچے رہ گئے ہیں۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ آج محرم کی نو تاریخ ہے اور کل دس محرم ہے۔ آپ بھی یہ جانتے ہیں کہ جنگل میں رہنے والے تمام جانور یوم عاشور نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں اور نہ ہی اپنے بچوں کو کھلاتے پلاتے ہیں۔

آپ میری ضمانت لے لیں میں اپنے بچوں کو دودھ پلا کے

شام کے وقت آجاؤں گی۔ آپ نے ضمانت لے لی۔ ہرنی آپ کو دُعا کرتی چلی گئی۔

جو صحابہ آپ کے ساتھ تھے انھوں نے پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ میرا حسین یومِ عاشور میدانِ کربلا میں تین دن کا بھوکا اور پیاسا شہید کیا جائے گا۔ ذاتِ احدیت نے جنگل میں رہنے والے تمام جانوروں کو یومِ عاشور کے لئے شہادتِ حسین سے پہلے سوگوار بنا دیا ہے۔

ہاں مسلمانو! یومِ عاشور امتِ مسلمہ کی تاریخ میں معمولی دن نہیں ہے۔ یہ وہ دن ہے

○ جس میں اولادِ رسول کو بیگناہ اور بلا جرم و خطا بیدردی سے شہید کیا گیا ہے۔

○ اس دن بانیٔ اسلام کی بیٹیوں کے سروں سے کلمہ گو اُمت نے چادریں چھین لی ہیں۔

○ اس دن کے بعد آلِ رسول کی ان مخدراتِ عصمت کو بے پالان کے اونٹوں پر سوار کر کے کھلے سر بازاروں میں تشہیر کرایا گیا۔

○ اس دن جناب زینب نے اپنے بھائی کو زیرِ خنجر تڑپتے دیکھا

○ اس دن ام لیلیٰ نے اپنے بیٹے کے سینہ میں برچھی کا ٹوٹا ہوا پھل دیکھا۔

○ اس دن سقائے سکینہ کے بازو کٹ گئے۔

○ اور اس دن قاسم کی شادی ماتم کدہ بن گئی۔

ایک دن کوہِ طور پر ذاتِ احدیت نے حضرت موسیٰ کو مستقبل کا

علمِ غیب عطا کرتے ہوئے یومِ عاشور کے حالات بتائے اور فرمایا۔

یا موسیٰ صغیرھم لمیۃ العطش و کبیرھم جلدہ منکمش یستغیثون و لا ناصرھم۔

اے موسیٰ یومِ عاشور وہ دن ہو گا جس میں آلِ محمد کے بچے پیاس سے جاں بلب ہوں گے۔ اور بڑوں کے جسم تیروں اور تلواروں سے چھلنی ہونگے وہ اپنے نبی نانا کی امت سے مدد مانگیں گے لیکن کوئی ان کی مدد نہ کرے گا۔

ذاتِ احدیت کی اس اطلاع پر اگر غور کیا جائے اور میدانِ کربلا میں پیاسے بچوں کی یہ حالت پڑھی جائے کہ بعض بچوں کے منہ کھلے تھے جو بند نہیں ہوتے تھے اور بعض بچوں کے منہ بند تھے اور کھلتے نہ تھے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ شدتِ پیاس سے زبانیں تالو سے چپک گئی تھیں اور بچے نہ منہ کھول سکتے تھے اور نہ بند کر سکتے تھے۔

پھر تاریخ کا یہ واقعہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے جب ہمشکلِ نبی ایک مرتبہ میدان سے واپس آئے اور عرض کی۔ بابا جان کاش ایک قطرہ آب میسر آجاتا۔ آپ نے قریب بُلایا اور فرمایا بیٹے اپنی زبان میرے منہ میں رکھو جب شہزادہ نے اپنے مظلوم باپ کے منہ میں اپنی زبان رکھی تو فوراً پیچھے ہٹے اور عرض کی۔

یا ابتاہ انت اشد عطشانا۔ بابا جان۔ آپ مجھ سے بھی زیادہ پیاسے ہیں۔

ذاتِ احدیت نے اسی ایک جملہ میں غالباً شہادت ماہ الم ربابؑ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جب امام مظلوم نے اپنے اس کمسن کے لئے

پانی مانگا اور جواب میں سہ شعبہ تیرِ جفا سے سیراب کیا گیا۔

مسلمانو! یومِ عاشور ہی وہ دن ہے جس میں جب امام مظلوم آخری الوداع کر چکے عقب سے ایک انتہائی کمزور آواز سنی۔ پلٹ کے دیکھا تو کمسن سکینہ عرض کرتی ہوئی آ رہی تھی۔ بابا جان ایک لمحہ کے لئے رُک گئے۔

بابا جان ذرا سا آہستہ چلئے میں شدتِ پیاس سے چل نہیں سکتی۔ بابا جان اس آخری الوداع کے بعد میری ایک خواہش پوری کرتے جائیے۔ آپ رُکے، بی بی قریب آئی، رکاب میں قدم کا بوسہ لیا اور عرض کی۔

بابا جان ایک مرتبہ ذوالجناح سے نیچے تشریف لائیے۔

آپ گھوڑے سے اُترے۔ بی بی نے عرض کیا۔

اسی خاکِ کربلا پر تشریف رکھیئے۔ اور آخری مرتبہ میرے سر پر ہاتھ پھیر لیجئے جس طرح چچا مسلم کی یتیم بچیوں کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

سکینہ تجھے یہ خواہش کیوں ہے؟

بابا جان آپ کو معلوم ہے آپ کے بعد مجھے یتیم سمجھ کے میرے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہ ہوگا۔ بھائی سجاد بیمار ہے، پھوپھیاں مصروف ہو جائیں گی۔ ماؤں کے ہاتھ پس گردن بندھ جائیں گے۔ خدا معلوم یہ دشمنانِ دین و خدا ہمیں کہاں لے جائیں گے۔ میں ہاتھ کا وہ لمس محسوس کرنا چاہتی ہوں جو یتیموں کے سروں پر پھیرا جاتا ہے۔

تیسری مجلس

- اسلام اور حضرت عبدالمطلب کی پانچ سنتیں۔
- شب عاشور کی مانند آپ کے اہلِ حرم کی شب بیداری
- والدہ جناب عبداللہ اور جناب ام لیلی کا الوداع
- قرعہ بنام جناب عبداللہ اور ماں کا اضطراب
- جناب عبداللہ کی والدہ اور جناب زینب کی کوشش
- جناب عبداللہ اور شبیہہ پیمبر کی وصیت

اسلام اور حضرت عبدالمطلب کی پانچ سُنّتیں

علمائے امامیہ کا چودہ صدیوں سے اس بات پر اجماع ہے کہ۔ نبی اکرم اور آئمہ اہلبیت کے تمام آباء و اجداد تا حضرت آدم مسلمان تھے۔ بلکہ تمام انبیاء اور ان کے منصوص من اللہ اوصیاء کے آباء و اجداد میں کوئی بھی کافر اور مشرک نہیں رہا۔

آذر ابراہیم کا باپ نہیں بلکہ چچا تھا۔ آپ کے والد کا اسم گرامی تارخ تھا۔ چونکہ آپ کی کفالت آذر نے کی تھی اس لئے قرآن میں کفالت کی نسبت سے آذر کو باپ کہا گیا ہے (تفصیل کے لئے اہلسنت فاضل معاصر صائم چشتی کی۔ ایمان ابو طالب۔ ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہے۔ مترجم)

جناب عبدالمطلب سے حضرت اسماعیل تک تمام آبائے نبی اکرم حضرت ابراہیم کے اوصیاء تھے۔ اور جناب عبدالمطلب کے بعد جناب ابو طالب ہی حضرت ابراہیم کے وصی تھے۔ تمام وہ تبرکات انبیاء جو وصی ہونے کی حیثیت سے جناب عبدالمطلب کے پاس تھے۔ جناب عبدالمطلب نے دمِ آخر جناب ابو طالب کو نبی کونین کی وصیت فرمائی تو تمام تبرکاتِ انبیاء جناب ابو طالب کے حوالہ کئے اور جناب ابو طالب نے بعثت کے بعد آنحضور کے سپرد کر دیئے۔

جناب ابو طالب اور دیگر آبائے نبی کریم کے اسلام کا عقیدہ مذہب شیعہ کے ضروریات سے ہے۔

پانچ سُنّتیں

جناب عبدالمطلب نے قبل از بعثت پانچ ایسے احکام نافذ

کئے جو بعد از اسلام بھی بحکمِ خداوندی احکامِ اسلام بن گئے۔

۱۔ جناب عبدالمطلب نے باپ کی منکوحہ کو بیٹے کے لئے حرام قرار دیا۔ ذاتِ احدیت نے جناب عبدالمطلب کے اس حکم کی تائید لا تنکحوا ما نکح آباءکم سے کر دی۔

۲۔ جناب عبدالمطلب کو ایک خزانہ ملا۔ آپ نے اس کا ۱/۵ راہِ خدا میں تقسیم کر دیا۔ خلاق عالم نے۔ واعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ سے اس حکم کو باقی رکھا۔

۳۔ جناب عبدالمطلب نے چاہِ زمزم کو کھود کر حجاج بیت اللہ کو پانی پلایا۔ اللہ نے اسے سنتِ جاریہ کے بطور باقی رکھا۔

۴۔ جناب عبدالمطلب نے مقتول کا خون بہا سو اونٹ مقرر کیا جسے اللہ نے اسلام میں ویسے ہی برقرار رکھا۔

۵۔ قریش میں رواج کے مطابق طواف کی کوئی حد نہیں تھی۔ جناب عبدالمطلب نے طواف کے لئے بیت اللہ کے سات چکر مقرر فرمائے ذاتِ احدیت نے انہی سات چکروں کو اسلام کا حکم قرار دے دیا۔

جناب عبدالمطلب کی منت

نبی کریم فرمایا کرتے تھے۔ انا ابن الذبیحین میں راہِ خدا میں قربانی پانیوالوں کا بیٹا ہوں ان میں سے ایک جناب اسماعیل ہیں۔ اور دوسرے جناب عبداللہ ہیں۔

جناب اسماعیل کی قربانی کا واقعہ تو انتہائی معروف ہے۔ مناسب ہو گا اگر جناب عبداللہ کی قربانی کا مختصر سا واقعہ عرض کر دیا جائے۔

جناب عبدالمطلب نے ایک مرتبہ بیت اللہ میں منت مانی کہ اگر ذاتِ احدیت مجھے دس لڑکوں سے نواز دے تو میں ان میں سے ایک کو راہِ خدا میں قربان کروں گا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ بیٹے کی قربانی جناب اسماعیل کی قربانی کے بعد ملتِ ابراہیم میں جائز ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بالخصوص جناب عبدالمطلب کے لئے بذریعہ الہام جائز ہو۔ ذاتِ احدیت نے آپ کو دس فرزند عطا کئے۔ ایک رات آپ نے تمام بیٹوں کو کھانے پر فرمایا۔

میرے عزیز بیٹو! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ بیٹا باپ کا نورِ چشم ہوتا ہے۔ کسی ایک بیٹے کے میں چبھنے والا کانٹا باپ کے دل میں محسوس ہوتا ہے۔ میرے لئے تم سب برابر ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے ایک منت مان رکھی ہے جس کا تعلق تم میں سے کسی ایک کے ساتھ ہے۔ مجھ پر جس طرح تمہارے حقوق ہیں اسی طرح میرے خالق اللہ کے بھی حقوق ہیں۔ یہ حقیقت تم بھی جانتے ہو کہ تمہارے حقوقِ خدا کی اہمیت ہے۔ حقِ خدا یہ ہے کہ تم میں سے کسی ایک کو راہِ خدا میں قربان کروں۔

تمام بیٹے خاموش ہو گئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

جناب عبدالمطلب کے تمام فرزندوں میں سے جناب عبداللہ کمسن تھے۔ آپ کا سن شریف پندرہ برس سے زائد تھا۔ آپ نے

عرض کیا۔

بابا جان! آپ جس طرح ہمارے محروم والد ہیں اسی طرح ہمارے حکمران بھی ہیں۔ ہم آپ کے بیٹے بھی ہیں اور آپ کے محکوم بھی ہیں۔ آپ جو حکم بھی فرمائیں گے ہمیں مطیع پائیں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہماری نسبت حقِ خدا زیادہ اہم ہے۔ ہم حکمِ خدا اور آپ کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ ہم حکمِ خدا اور آپ کے حکم کی مخالفت سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

جناب عبداللہ کی کمسن زبان سے اطاعت کا یہ اقرار سن کر آپ بیساختہ رو دیئے۔ پھر آپ نے دوسرے بیٹوں سے پوچھا آپ بڑے ہیں آپ بھی تو کچھ کہیں۔

تمام نے عرض کیا۔ ہم آپ کے ہر حکم کو حکمِ خدا سمجھتے ہیں۔ خواہ آپ ایک کو قربان کریں یا تمام کو ہمارے سر آپ کے قدموں میں ہیں۔

آپ فرطِ مسرت سے جھوم کر اُٹھے۔ ایک ایک بیٹے کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا مجھے تم سے یہی توقع تھی۔ اب جاؤ اپنی اپنی والدہ کے پاس انہیں تمام باہمی گفتگو سے مطلع کرو۔ انہیں کہو کہ تمہیں قربانی کے لئے تیار کریں۔ تمہارے بالوں میں اپنے ہاتھوں سے کنگھی کریں۔ تمہاری آنکھوں میں سرمہ لگائیں۔ پہننے کو تمہیں فاخرہ لباس دیں۔ اور تم اپنی اپنی ماں سے اس طرح وداع کر کے آؤ کہ تمہیں واپس نہیں جانا۔

جب تمام بیٹے اپنی اپنی ماں کے پاس گئے اور حقیقتِ حال

سے مطلع کیا۔ وقت رات کا تھا۔ ہر ماں اپنے بیٹے کو اپنے سامنے بٹھا
کر رونے لگی۔ جناب عبدالمطلب کے گھر میں اس وقت وہی منظر تھا جو
کم و بیش ایک صدی بعد صحرائے کربلا میں شب عاشور تھا۔ بس اتنا
فرق تھا کہ

آج کی شب بیداری نبی اکرم کے دادا کے گھر تھی۔
اور صحرائے کربلا میں شب بیداری رسول کریم کے پوتے کے
خیمہ میں تھی۔

جناب عبدالمطلب کی اولاد اپنے گھر مکہ میں تھی۔
جناب حسین کی اولاد وطن سے بہت دور صحرائے کربلا میں تھی۔
عبدالمطلب کے تمام بیٹے سیر شکم اور سیراب تھے۔
جناب حسین کی اولاد تین دن سے بھوکی اور پیاسی تھی۔
جناب عبدالمطلب اپنے ہاتھ سے قربانی پیش کرنے والے تھے۔
جناب حسین کی اولاد کے لئے یزیدی فوج تیروں، تلواروں اور
نیزوں کی دھاریں تیز کر رہی تھی۔
جناب عبدالمطلب کے کسی بیٹے کو اپنے بعد اپنی مستورات
کے لئے کوئی فکر نہیں تھی۔
جناب حسین کو اپنی بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں کی چادریں لٹ
جانے کی فکر بھی تھی۔
جناب ام لیلیٰ علی اکبر سے وداع کر رہی تھیں۔
جناب ام فروہ شہزادہ کو گلے لگا لگا کر شہزادہ کے پیاسے

لب چوم رہی تھیں۔
جناب عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں سے صرف ایک کی قربانی
اور باقیوں کے بچ جانے کا یقین تھا۔
جناب حسین کے ہر بیٹے کو یقین تھا کہ میری قربانی ہوگی۔ اور ہر
ماں کو علم تھا کہ کل میری گود اُجڑ جائے گی۔
یوں تو میدان کربلا کا ہر حسینی جاگتا رہا۔ لیکن سینہ تاریخ میں چار
ہستیوں کے شب عاشور جاگ کر گزارنے کا ذکر کچھ عجیب سے انداز
سے کیا ہے۔

○ جناب سید الشہداء عبادت سے فارغ ہو کر اپنی کمسن سکینہ کو بازو
پر اُٹھائے ایک ایک خیمہ میں تشریف لے جا کر ایک ایک مستور کو
بالعموم اور دختر زہرا کو بالخصوص الوداع کر کے اپنی سکینہ کے خیال
رکھنے کی وصیت کرتے رہے۔

○ جناب عباس نے تمام رات خیام کے گرد پہرہ دیتے ہوئے
اور پیاسے بچوں کو اطمینان سے سونے کی تلقین کرتے رہے۔

○ بنت زہرا جو کبھی بیمار کے سرہانے تشریف لاتیں کبھی پیاسے
بچوں کو تسلی دیتیں اور کبھی بھائی کے گلوئے نازنین کے بوسے لیتیں۔

○ بیمار کربلا جن کے بخار کو پیاس کی شدت نے دوچند کر دیا تھا۔
تمام رات بستر بیماری پر دائیں بائیں کروٹیں بدلتے گزار دی۔

جب صبح ہو گئی۔ جناب عبدالمطلب نے تبرکات انبیاء اٹھائے۔
حضرت آدم کی عبا دوش مبارک پر رکھی۔ حضرت شیث کی نعلین زیب پا

کیں۔ حضرت نوح کی انگشتر سے ہاتھ کو آراستہ کیا۔

خنجر براں ہاتھ میں لیا۔ ہر بیٹے کو اپنی ماں کے پاس سے بلایا۔ ہر بیٹا لباسِ فاخرہ میں ملبوس خوشبو میں بسا ہوا سامنے آیا۔ مگر جناب عبداللہ باہر نہ آئے۔ آپ جب جناب عبداللہ اور جناب ابو طالب کی والدہ کے حجرہ میں داخل ہوئے تو دیکھا۔ ماں نے جناب عبداللہ کو قربانی کے لئے تیار تو کر دیا ہے۔ لیکن اپنے پارہ جگر کو گلے لگا کر بار بار چوم رہی ہیں اور فرما رہی ہیں۔

بیٹے تیری جبینِ مبین کا نور۔ تیری فطرت۔ تیری طبیعت۔ اور تیری وضع قطع سے مجھے معلوم ایسے ہوتا ہے کہ جب قرعہ اندازی کی جائے گی تو ذاتِ احدیت کی نظرِ انتخاب تجھ پر ہی پڑے گی۔ مجھے ایسے معلوم ہو رہا ہے کہ پھر تجھے دیکھ نہ پاؤں گی۔ میرے دل کی دھڑکنیں تجھے الوداع کہتے ہوئے تیز سے تیز تر ہو جاتی ہیں۔

جناب عبدالمطلب یہ منظر زیادہ دیر تک نہ دیکھ سکے۔ آگے بڑھے۔ جناب فاطمہ کی جناب عبداللہ کے گلے میں حمائل باہوں کو علیحدہ کیا۔ جناب عبداللہ کے ہاتھ کو ہاتھ میں لیا۔ باہر تشریف لائے۔ جناب فاطمہ نے جناب عبدالمطلب کے قدموں پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا۔ بس یہیں باہر ہی ایک مرتبہ الوداع کہہ لینے دیجئے۔ ممکن ہے پھر میرا چاند ہمیشہ کے لئے غروب کر جائے۔

جناب عبدالمطلب نے اجازت دے دی۔ جناب فاطمہ نے اپنے بیٹے کو کھینچا۔ سینہ سے لگایا۔ اور فرمایا۔

میرے چاند۔ میرے لال۔ تیری پیشانی میں چمکنے والے نور کی کرن صرف مجھے ہی نہیں ہر ماں کو تیری طرف کھینچ رہی ہے۔ تو تمام بھائیوں سے کمسن ہے۔ کاش آج تیری قربانی کا یہ منظر دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہتی۔

جناب عبدالمطلب جناب فاطمہ کی یہ باتیں سُن کر اپنے پر قابو نہ رکھ سکے اور بیساختہ رونے لگے۔ ماں کے اس الوداع کو دیکھنے لگے جو وہ اپنے فرزند سے کر رہی تھی۔

لیکن عزادارو! ایک نگاہ سے اس الوداع کا موازنہ کربلا میں ایک اور الوداع سے بھی کر لیجئے۔

جناب عبداللہ حضرت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔
شہزادہ علی اکبر جناب عبدالمطلب کے پوتے کے پوتے ہیں۔
اگرچہ قربانی میں جناب عبداللہ اور شہزادہ علی اکبر برابر ہیں۔ لیکن فرق بہت بڑا ہے۔

جناب عبداللہ کی قربانی پیش کرنے والا ان کا اپنا باپ ہے۔
شہزادہ علی اکبر کو قربان گاہ پر چڑھانے والا انسان ابن انس ہے۔
جناب عبداللہ پیاسے نہیں ہیں۔
شہزادہ علی اکبر تین دن سے پیاسا ہے۔
جناب عبداللہ اپنے گھر میں ہیں۔
شہزادہ علی اکبر وطن سے بہت دُور تپتے ہوئے صحرائے کربلا میں ہے۔

جناب عبداللہ کو بھی اپنی ماں سے الوداع کہنے کی اجازت ملی تھی،
شہزادہ علی اکبر کو بھی اپنی ماں سے الوداع کرنے کی اجازت
ملی تھی۔

جناب عبداللہ بھی سیراب۔ جناب عبداللہ کی ماں جناب فاطمہ
بھی سیراب۔

شہزادہ علی اکبر بھی تشنہ لب اور شہزادے کی والدہ جناب
ام لیلی ابھی تشنہ لب۔

جناب عبداللہ نے جب ماں کو الوداعی سلام کیا تو ہر ماں نے
اپنا کلیجہ تھام لیا۔

جب شہزادہ علی اکبر نے خیام کے دروازہ پر کھڑے ہو کر کہا۔

السلام علیک یا اخاہ۔ وعلیکن
یا اھل بیتاہ۔ ھذا اخر السلام
و آخر الکلام سد اللقاء فی الجنۃ

سجاد بھیا! بیمار بھائی جان پیاسے اکبر کا سلام
قبول۔ اے اہلبیت عصمت و طہارت کی پلی بیبیو!
پیاسے ہمشکل نبی کا سلام میرا یہی آخری سلام۔
اور یہی آخری گفتگو بس یاد رکھنا اب جنت میں
ملاقات ہوگی۔

جناب عبداللہ کی ماں جناب فاطمہ کو قطعاً یہ یقین نہ تھا کہ قرعہ
میرے ہی بچہ کے نام آئے گا لیکن جناب ام لیلی کو ہر ماں کی طرح یقین
تھا کہ جانیوالا پلٹ کے نہ آئے گا۔ شہزادہ کا یہ سلام و کلام سن کر
نہ تو کوئی ماں اپنے بیٹے کو قابو میں رکھ سکی اور نہ ہی کوئی بہن سنبھل
سکی۔

جب شبیہہ رسول کی صدائے الوداع خیام کے اندر پہنچی۔ ہر بی بی
بیساختہ کھڑی ہو گئی۔ در خیمہ پر آئیں دیکھا تو ہمشکل نبی پیشانی پر ہاتھ
رکھے سلام کر رہا ہے۔

کسی خیمہ سے جناب سجاد عصا کا سہارا لئے باہر آئے۔

کسی خیمہ سے دختر زہرا باہر آئیں۔

ایک خیمہ سے مادر قاسم جناب فردہ نکلیں۔

ایک خیمہ سے جناب ام رباب اپنے ششماہا لال کو سینہ سے
لگائے باہر آئیں۔

تمام بیبیاں خاک بسر غش کرتی گئیں۔

مظلوم کربلا خیام کے عقب میں الوداعِ علی اکبر کا یہ منظر دیکھ کر
کھڑے نہ رہ سکے خاکِ کربلا پر بیٹھ گئے۔ تمام پیاسے بچے خیام سے
نکل نکل کر ہمشکل نبی کے قدموں سے لپٹ گئے اور عرض کرنے لگے۔
آپ نہ جائیں آپ کی جگہ ہم چلے جائیں گے۔ آپ ہمارے آقا سے
اجازت لے کے دیدیں۔ ہر ماں اپنے اپنے بچہ کے ہاتھ سے پکڑ پکڑ کر
جناب ام لیلی کے قدموں میں ڈال عرض کرنے لگی۔

بی بی اگر مولا قبول کر لیں تو ہمشکل نبی کو بچا لیجئے میرا بچہ
قربان کر دیجئے۔

جناب عبدالمطلب تمام بیٹوں کے ہمراہ بیت اللہ کی جانب
روانہ ہوئے۔ مکہ کے تمام زن و مرد چشم گریاں آپ کے گرد تھے۔
لیکن عزادارو! کربلا میں تو کوئی نہیں تھا تو ام لیلی کے لال

کے ساتھ کعبۂ کربلا میں آنا۔ تمام کاہن اور یہودی فرطِ مسرت سے
تالیاں بجا رہے تھے۔ اور دل میں دعائیں کر رہے تھے کہ قرعہ
جنابِ عبداللہ کے نام نکلے۔ تاکہ اس کی جبین مبین میں چمکنے والا
آخری نورِ رسالت خاموش ہو جائے۔

عزادارو! اندازہ کر لو۔ جنابِ عبداللہ کی قربانی پر خوش ہونے والے
جنابِ عبدالمطلب کے عقیدت مند نہیں ہیں۔ بلکہ کاہن اور یہودی ہیں
جبکہ ہمشکل نبی کے سینہ بے کینہ پر برچھی کا وار کرنے والے
یہودی نہیں ہیں، بلکہ کلمہ اسلام پڑھنے والے اور اپنے کو مسلمان کہلانے
والے ہیں۔

جنابِ عبدالمطلب نے خنجر کو بے نیام کیا۔ اور قرعہ ڈال کر
عرض کیا۔

اے ربِ کعبہ و حرم! اے مالک حطیم و زمزم! اے ربِ ملائکہ!
اے خالقِ کائنات! تو جانتا ہے جو منت میں نے مانی ہے۔ اپنے
نوشتۂ تقدیر سے ہمیں مطلع فرما اور ہمارے سامنے لاعلمی کے حائل
پردۂ ظلمت کو دور فرما۔ میں اپنا عہد پورا کرنے کی خاطر اپنے تمام
بیٹوں کو لے کے تیرے حضور حاضر ہوں۔ میرے اللہ جسے چاہے منتخب
کر لے۔ میری نسبت تو زیادہ بہتر جانتا ہے کہ۔ بڑی عمر کے مصائب
برداشت کرنے کی استعداد زیادہ رکھتے ہیں جبکہ کمسن رحم و ترس کے
زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔

عزادارو! اسی جگہ ذرا ایک نظر سے میدانِ کربلا میں اسی عبدالمطلب

کے ایک فرزند کا وہ وقت ملاحظہ کر لو۔

جب آپ نے اپنے نومولود عبداللہ کو ہاتھوں پہ اٹھایا ہوا تھا
اور عرض کر رہے تھے۔ بار الہا! میرے پاس جو کچھ بھی ہے تیری راہ
میں قربان کر دیا ہے۔ بس اب میرے پاس یہی ایک مولود ہے جسے
بعد از ولادت پانی کا ایک قطرہ تک اس کی ماں نہیں دے سکی۔
ابھی آپ کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ایک ظالم کے تیر سے نومولود
اچھل کر باپ کے سینہ سے جا لگا۔

قرعہ اندازی

جنابِ عبدالمطلب نے دس تیر لئے ایک ایک پر اپنے ایک
بیٹے کا نام لکھا اور تمام تیر کعبہ کے اندر رکھ دیئے۔ ہر ماں نے
غلاف کعبہ ہاتھ میں لیا اور ذاتِ احدیت سے اپنے فرزند کے بچ جانے
کی دعا کرنے لگی۔

تمام فرزندانِ جنابِ عبدالمطلب کعبہ کے اندر تھے جنابِ عبدالمطلب
دست بدعا تھے۔ بارِ الہا اپنے انتخاب سے جلد مطلع فرما۔ قرعہ نکالنے
والا باہر آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں قرعہ کا تیر اور دوسرے ہاتھ
میں جنابِ عبداللہ کا ہاتھ تھا۔ دونوں جنابِ عبدالمطلب کے سامنے
پیش کئے اور کہا قرعہ اس کمسن بچے کے نام آیا ہے۔ چاہے قربان
کریں اور چاہے معاف کر دیں۔ جنابِ عبدالمطلب کی نگاہ جب
عبداب عبداللہ پر پڑی۔ دل قابو میں نہ رہا۔ غش کر گئے۔ تمام مرد و زن

ہائے عبداللہ کہہ کے رونے لگے، تمام عورتوں نے سر میں خاک ڈالی، جناب ابوطالب نے بڑھ کر جناب عبداللہ کو گلے لگایا۔ نورِ جبیں کا بوسہ لیا۔ اور فرمایا۔ عبداللہ کاش۔ ابا جان! میری درخواست قبول فرمالیں، تیری جگہ مجھے بارگاہِ خالق میں قربان کردیں۔

جناب عبدالمطلب کو غش سے افاقہ ہوا۔ اٹھے۔ جناب عبداللہ کا ہاتھ پکڑا۔ اپنے قریب کیا، سینہ سے لگایا۔ پیشانی کا بوسہ لیا۔ خنجر کو اٹھایا۔ اور جناب عبداللہ کو کعبہ کے سایہ میں سونے کا حکم دیا، جناب عبداللہ اللہ کا نام لے کر سو گئے۔ جناب عبدالمطلب نے قبولیت قربانی کی دعا مانگی اور خنجر بدست جناب عبداللہ کے پاس بیٹھ گئے۔

تمام اکابرِ قریش نے بیساختہ اپنے جگر پر ہاتھ رکھا، ہر ماں کی چیخ نکلی، قریشی آگے بڑھے۔ جناب عبدالمطلب کو ربِ کعبہ کا واسطہ دیا۔ ذرا انتظار کرنے کو کہا۔ جناب عبدالمطلب رُکے۔ قریشیوں نے کہا۔ آپ ایک مرتبہ پھر قرعہ اندازی کرلیں۔ دوسری مرتبہ قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلا۔ تیسری مرتبہ درخواست کی گئی۔ تیسری مرتبہ بھی قرعہ جناب عبداللہ ہی کے نام نکلا۔ اب تو تمام اکابرِ قریش دم بخود رہ گئے۔ جناب عبدالمطلب کے پاس کوئی چارہ نہ رہا۔ بیٹے کو لٹایا۔ خنجر گلے پہ رکھا۔ آسمان کانپ گئے۔ عرشِ الٰہی لرزہ براندام ہوا۔ ملائکہ سے تسبیح چھوٹی۔ حوریں جنت میں رونے لگیں۔

جناب ابوطالب آگے بڑھے باپ کے قدموں سے لپٹ گئے۔ ربِ کعبہ کا واسطہ دیا۔ جناب ابوطالب نے آپ کو ربِ کعبہ کا واسطہ

آپ جناب عبداللہ کی جگہ مجھے قربان کردیں۔

جناب عبدالمطلب۔ یہ کیسے ممکن ہے قرعہ جس کے نام آیا ہے وہی قربان ہوگا۔

جناب عبداللہ کی والدہ گرامی جناب فاطمہ نے جب جناب عبدالمطلب کا عزم دیکھا، اپنے بھائیوں کے پاؤں پکڑے۔ خدا کے لئے میرے لال کو بچالو۔

بھائیوں سے بہن کی تڑپ نہ دیکھی جاسکی۔ دوڑے۔ کوئی جناب عبدالمطلب کے پاؤں پر گرا، کسی نے خنجر پر ہاتھ رکھا، کسی نے جناب عبداللہ کے گلے پر اپنا ہاتھ ڈھال بنایا۔

عزادارو! آئیے عرض کریں اے رسولِ کونین کے والدِ گرامی آپ کتنے خوش قسمت تھے۔ آپ کی والدہ بھی موجود تھی اور ماموں بھی موجود تھے۔ آپ پیاسے بھی نہ تھے۔ زخمی بھی نہ تھے۔ ماں کا اضطراب بھائیوں سے دیکھا نہ گیا لیکن آقا! کاش آپ میدانِ کربلا میں ہوتے اور اپنی پوتی دخترِ زہرا کا وہ اضطراب دیکھتے جب آپ کا مظلوم پوتا، بے یار و مددگار پوتا۔ زخمی و مجروح پوتا۔ زینِ ذوالجناح سے خاکِ کربلا پر آیا، پیاس کی شدت اور زخموں کی کثرت سے نہ اُٹھ سکتا تھا اور نہ چل سکتا تھا۔ کئی مرتبہ اٹھے اور کئی مرتبہ بیٹھے۔ شمرِ شقی نے فوج سے مخاطب ہوکے کہا، دیکھتے کیا ہو۔ دیر ہو رہی ہے۔ اب تو ایک ضرب بھی نہ سہہ سکے گا۔ جاؤ سر کاٹ لاؤ۔ بس اس آواز کے بلند ہوتے ہی تمام لشکر ٹوٹ پڑا۔ کسی طرف سے تلوار پڑی۔ کسی نے نیزہ لگایا کسی نے پتھر مارا۔

حد ہو گئی مظلومیت کی جس کے پاس کچھ نہ تھا اس نے خاکِ کربلا اٹھا اٹھا کے مجروح جسم کے زخموں پر پھینکنا شروع کی۔ ایک دوسرے سے کہتے پھرتے تھے دیکھ میری گواہی دینا میں نے اتنی تلواریں لگائی ہیں۔ دوسرا کہتا تھا دیکھ لے میرے نیزے کے وار بھول نہ جانا۔ تیسرا کہتا تھا میرے پتھر گن کر نوٹ کر لو۔ چوتھا کہتا تھا میری خاک کی مٹھیوں کو بھی گننا اور دخترِ زہرا کبھی دائیں دیکھتی کبھی بائیں۔ نہ بھائی رہے جن کے قدموں میں گرے نہ ماموں ہیں جن سے سفارش کرے۔ بے چینی میں کبھی ادھر آتی ہیں کبھی ادھر جاتی ہیں۔ مدینہ کی طرف منہ کر کے کہتی ہیں ماں زینب کتنی مجبور ہے۔ میرا بھائی ذبح کیا جا رہا ہے میں کس سے فریاد کروں، کس کو کہوں۔

ظالمو! میرا مجروح بھائی اب کب بچے گا جسم کا وہ کونسا حصہ ہے جو زخمی نہ ہو۔ اب تو پیچھے ہٹ جاؤ۔ یہی زخم ہی کافی ہوں گے۔ اے بابا علی! اے غریبوں کے مددگار۔ آئیے میرے بھائی کو بچائیے۔ وامصیبتاہ۔ واعلیاہ۔ واجعفراہ۔ واحمزتاہ۔ وابنیاہ واحسیناہ واعباساہ دیکھا سامنے عمر سعد کھڑا تھا۔ بیساختہ پکارا۔

یابن سعد أیقتل ابو عبداللہ وانت تنظر۔ اے سعد زادے کیا تیرے دیکھتے فرزندِ رسول ذبح ہو گا۔ پھر سوئے نجف رُخ کیا اور کہا۔ بابا جان! آپ کی بے سہارا بیٹی!۔ آپ کی پیاسی بیٹی، آپکی سوگوار بیٹی آپ کو آپ کے نورِ چشم کی شہادت دیتی ہے۔

ان ہی بزرگانِ قریش میں سے عکرمہ ابن عامر نے جب ایک طرف

جناب عبداللہ کی والدہ جناب فاطمہ اور اس کے بھائیوں کا اضطراب اور دوسری طرف جناب عبدالمطلب کی بے چینی دیکھی تو دونوں ہاتھ اٹھا کے بآوازِ بلند پکار کے کہا۔

میرے سردار عبدالمطلب! میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔ اگر آپ قبول فرمالیں تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی منت بھی پوری ہو جائیگی اور کمسن عبداللہ بھی بچ جائے گا۔

جناب عبدالمطلب۔ بتاؤ میں بھی تو سنوں۔

عکرمہ ابن عامر۔ آپ ایسا کریں ایک طرف جناب عبداللہ کو رکھیں دوسری طرف اونٹوں کو رکھیں قرعہ اندازی کریں۔

تمام اکابرِ قریش نے اس تجویز کو سراہا۔

جناب عبدالمطلب واپس ہوئے۔ دوسرے دن دس اونٹوں کے اور جناب عبداللہ پر قرعہ اندازی کی گئی۔ قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلا۔ دس کا اضافہ کیا گیا قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلا۔ دس دس کے اضافے سے جب نوے اونٹوں پر قرعہ اندازی کی گئی تو بھی قرعہ جناب عبداللہ ہی کے نام نکلا۔ جب نو مرتبہ مسلسل قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلا تو جناب عبدالمطلب نے مزید قرعہ اندازی موقوف کی اور بیٹے سے فرمایا۔

جناب عبدالمطلب، بیٹے تم دیکھ چکے ہو۔ بھائیوں کے مقابلہ میں تین مرتبہ قرعہ تیرے نام نکلا ہے۔ اب اونٹوں کے مقابلہ میں نو مرتبہ قرعہ تیرے نام نکلا ہے اب بتا تیرا کیا خیال ہے۔

جناب عبداللہ! بابا جان! میں دیکھ چکا ہوں۔ ذاتِ احدیت نے آپ کی قربانی کے لئے مجھے چن لیا ہے۔ میری چند وصیتیں سن لیں اور بلا تاخیر مجھے قربان کردیں میں اللہ کے ہر حکم اور آپ کے ہر امر کا تابع فرمان ہوں۔

(ا) آپ میرے ہاتھ پاؤں مضبوط باندھ دیں۔ (ب) میرے چہرے کو کپڑا ڈال کر چھپا دیں۔ (ج) اپنے لباس کو میرے خون سے بچائیں (د) میری ماں میرے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکے گی اس کا خیال رکھیں۔

عزادارو! صرف آخری وصیت پر غور کرلو۔ آقائے فاضل بسطامی نے امواج البکاء میں ایک روایت نقل کی ہے ملاحظہ فرمائیے۔

بنتِ علی جناب زینب سے مروی ہے کہ۔ میں نے اپنے بھائی حسین کو نانا پر روتے بھی دیکھا ہے۔ ماں کے جنازہ پر روتے بھی دیکھا ہے۔ اور بھائی پر روتے بھی دیکھا ہے لیکن کسی مقام پر میں نے بھائی حسین کو روتے روتے غش کرتے نہیں دیکھا لیکن جب ہمشکلِ نبی نے صرف الوداع کی۔ اور اپنے بابا سے علیحدگی میں ایک بات کی میں چند قدم دور سے باپ اور بیٹے کا الوداع دیکھ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ہمشکلِ نبی کی بات سُن کر میرے مظلوم بھائی کے قدم لرزے اور سنبھل نہ سکا۔ زمین پر بیٹھا اور غش کر گیا۔ میں جلدی سے آئی بھائی کا سر اپنی جھولی میں رکھا۔ جب افاقہ ہوا تو میں نے پوچھا۔ بھیا اس وقت کیا ایسی بات

ہوئی تھی؟ آپ نے فرمایا۔ بہن۔ نہ پوچھ میرے ہمشکل رسول بیٹے نے جاتے جاتے ایک ایسا جملہ کہا جس نے میرا یہ حال کردیا جو تو نے دیکھا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کونسا جملہ تھا؟ آپ نے فرمایا۔ میرے بیٹے نے مجھے کہا ہے۔ بابا جان! میری ماں اہلبیت سے نہیں ہے۔ میرے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکے گی اپنی زندگی تک آپ میری ماں کا خیال رکھیں۔

جناب عبدالمطلب نے بیٹے کی وصیت کے مطابق جناب عبداللہ کے ہاتھ پاؤں باندھے چہرے پر کپڑا ڈالا۔ اپنے کپڑوں کو سمیٹ۔ اور خنجر لے کے بیٹھے۔ خنجر گلے پہ رکھا۔ حرکت دینا ہی چاہتے تھے کہ تمام اکابرِ قریش دوڑے جناب عبدالمطلب کے قدموں سے لپٹ گئے اور عرض کیا۔

آپ ایک مرتبہ دس اونٹوں کا اضافہ کرکے قرعہ اندازی کریں اگر دسویں مرتبہ بھی قرعہ جناب عبداللہ ہی کے نام نکلا تو پھر ہم آپ کے رب کعبہ کو گواہ کرکے کہتے ہیں ہم کچھ بھی نہ کہیں گے۔ جناب عبدالمطلب نے یہ درخواست قبول کرلی۔ لیکن شرط یہ رکھی کہ قرعہ میرے قریب ہی نکالا جائے۔ میں نہ خود یہاں سے ہلوں گا اور نہ ہی اپنے بیٹے کو اٹھاؤں گا۔ اگر اب کی بار بھی قرعہ جناب عبداللہ ہی کے نام نکلا تو میں تم لوگوں کو سفارش کرنے کا موقعہ ہی نہ دوں گا۔ تمام نے اس شرط کو قبول کرلیا۔

جناب عبدالمطلب نے اسی حالت میں قرعہ اندازی کرائی، نتیجہ

دیکھا گیا تو قرعہ سو اونٹ کے نام نکلا۔ اب تو تمام قریشی دوڑے۔ جناب عبدالمطلب کے ہاتھ سے خنجر لیا۔ جناب عبداللہ کو خنجر کے نیچے سے اٹھایا۔ خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف تالیاں بجنے لگیں۔ جناب عبداللہ کی والدہ کو مبارکبادیاں ملنے لگیں۔

بی بی اپنے بیٹے کو گلے لگا لگا کر اور چوم چوم کر تھک نہیں رہی تھی۔

عزادارو! کاش ام لیلیٰ کا فرزند بچ جاتا اور کوئی آکے بی بی کو بھی بتا دیتا۔ ام لیلیٰ مبارک ہو تیرا اکبر بچ گیا ہے۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی برعکس تھا۔ اکبر کی ماں تو قاتل کی خوشی دیکھنے کے لئے زندہ رہ گئی تھی۔

چوتھی مجلس

مدینہ میں پانچ مرتبہ ماتم

اور

کربلا میں پانچ مرتبہ ماتم

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں پانچ ایسے وقت آئے ہیں جن میں ہونے والے گریہ و ماتم کی مثال آج تک نہیں ملتی۔ ہر ماتم و گریہ کے وقت ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے قیامت آگئی ہو۔

مدینہ میں پہلا ماتم

جنگ اُحد میں آتے ہوئے مغیرہ ابن عاص (یہ عمرو ابن عاص کا بھائی۔ اور معاویہ کی طرف سے کوفہ میں گورنر ولید کا باپ ہے) تین پتھر اٹھا کے لایا تھا اور کہتا تھا کہ آنحضور کے لئے یہی تین پتھر ہی کافی ہوں گے۔ یہ خبیث بائیں ہاتھ سے مارتا تھا اور اس کا نشانہ خطا نہیں ہوتا تھا۔ جب مسلمانوں کے ایک گروہ نے جسے کوہِ احد کے درہ پر تعینات کیا گیا تھا نے شکستِ کفار کے وقت درہ کو خالی چھوڑ دیا۔ نبی کریم کے حکم کو پسِ پشت ڈال دیا۔ کفار نے مسلمانوں کو لوٹ میں مصروف دیکھا۔ اور درہ کو خالی، واپس پلٹ کر درہ پر قبضہ کر کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملہ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، مسلمان بھاگنے لگے۔ حضرت علی کفار سے لڑنے لگے۔ سرورِ انبیاء کو تنہا دیکھ کر مغیرہ کو موقعہ ملا۔ اس ظالم نے تینوں پتھر آپ پر پھینک مارے۔

پہلے پتھر سے آپ کی جبینِ مبین زخمی ہوئی۔ آپ پیشانی سے بہنے والے خون کو اپنے دامنِ عبا میں جذب فرمانے لگے۔ کسی نے

عرض کیا آپ خون کو زمین پر گرنے دیں۔ آپ نے فرمایا۔ تمہیں کیا معلوم کہ یہ کس کا خون ہے۔ میں جانتا ہوں اگر ایک قطرہ بھی زمین پر گر گیا۔ زمین میں زلزلے شروع ہو جائیں گے۔ تمام اہلِ عرض عذابِ الٰہی میں معذب ہو جائیں گے۔ آپ خون بھی صاف کر تے جا رہے تھے اور دعا مانگتے جا رہے تھے۔ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہ مجھے پہچانتے نہیں ہیں۔ ابھی تک آپ پیشانی کا خون صاف نہ کر پائے تھے کہ اس ظالم نے دوسرا پتھر مارا۔ یہ پتھر آپ کے دائیں ہاتھ پر لگا۔ آپ کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر زمین پر گری۔ آپ تلوار اٹھانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ اس ظالم نے تیسرے پتھر سے نشانہ لیا۔ یہ پتھر آپ کے تلاوت قرآن کرنے والے لبوں پر آیا۔ پھر دندان مبارک پر پڑا جس سے دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ آپ نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ قریب ہی ایک گڑھا تھا۔ یہ ظالم ... برہنہ لے کر آگے بڑھا اور تلوار کا وار کرنا چاہا۔ آپ نے تلوار سے بچنے کی خاطر جھکائی دی اور گڑھے میں آ رہے جب اُس نے آپ کو گڑھے میں دیکھا تو یہ سمجھا کہ آپ شہید ہو چکے ہیں۔ یہ ظالم بآواز بلند پکارا۔

اے مکہ والو۔ اے قریشیو!

لو مبارک ہو۔ میں نے نبی اکرم کا کام تمام کر دیا ہے۔

ابلیس نے اس کی آواز کو خوب اچھالا۔ اور پھر خود بآواز بلند پکارا۔

اَلا ان محمداً قد قتل۔ مسلمانو! اب کاہے کو لڑو گے۔ محمد تو قتل ہو گئے۔

صدائے شیطان پوری فضا میں گونجی۔ جب اہلِ مدینہ نے یہ آواز سنی۔ بس پھر کیا تھا۔ پورا مدینہ ماتم کدہ بن گیا۔ ہر طرف سے صدائے ۔ وا محمداہ بلند ہوئی۔ بنی ہاشم کی تمام مستورات نے ماتم کرنا شروع کر دیا۔ جناب زہرا چادر میں ملبوس بے تابانہ گھر سے باہر آئیں۔ ہائے بابا ہائے بابا کرتے ہوئے میدانِ احد میں آئیں۔

مدینہ میں دوسرا ماتم

یہ سنہ ۱۱ھ ۲۸ صفر کا دن تھا۔ سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی نے روئے ارض کو چھوڑ دیا تھا۔ اربابِ سقیفہ کو چھوڑ کر مدینہ کا کوئی باسی ایسا نہ تھا جو شدتِ گریہ سے سنبھل سکا ہو۔ تمام زن و مرد مصروفِ گریہ و ماتم تھا۔ بنتِ رسول تو اپنے بابا کے سرہانے بیٹھی یہی پوچھ رہی ہو گی ۔ بابا۔ جب آپ چلے گئے تو اب میں کہاں جاؤں گی؟ مجھ سے کیا سلوک ہو گا؟

مدینہ میں تیسرا ماتم

یہ ۲۱ ماہِ رمضان سنہ ۴۰ھ کا دن تھا۔ جب مدینہ میں اطلاع ملی کہ امیر المومنین علی ابن ابیطالب ضربِ ابن ملجم سے جانبر نہیں ہو سکے اور اکیس ماہِ رمضان کی صبح کو دارِ فانی چھوڑ چکے ہیں۔ اس

اطلاع سے پورے مدینہ میں ایک ایسا عظیم کہرام بپا ہوا کہ قیامت کا گمان ہوتا تھا۔ (لیکن دوسری طرف جب شام میں معاویہ کو اطلاع ملی تو اس نے اس دن کو عید کے طور پر منانے کی خاطر ۲۷ ماہ رمضان کی شب کو شبِ قدر ہونے کا اعلان کرا دیا مسجد اموی میں چراغاں کیا گیا۔ اور یوں آج تک ۲۷ ماہ رمضان کی شب بڑے اہتمام سے منائی جاتی ہے۔ ورنہ سنتِ رسول میں کہیں بھی ۲۷ ماہ رمضان کی شب کو خصوصیت کے ساتھ شبِ قدر نہ تو بتایا گیا ہے اور نہ ہی اسلامی تاریخ میں اس کا وجود ملتا ہے۔ نبی اکرم کا تئیس سالہ دورِ نبوت ہو یا حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کا زمانہ ہو کسی بھی تاریخ میں نہ تو ستائیس ماہِ رمضان کو بطور شبِ قدر منانے کا ذکر ملتا ہے اور نہ ہی اس اہتمام سے کبھی اسے منایا گیا ہے۔ ناشر)

مدینہ میں چوتھا ماتم

یہ ۲۸ رجب سنہ ۶۰ھ کا دن تھا جب اربابِ تطہیر میں سے پانچویں اور آخری رکن نے اہلِ مدینہ کو آخری سلام کیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ سرکاری افراد کے علاوہ اہلِ مدینہ میں سے کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں نواسۂ رسول کے مدینہ چھوڑنے مخدراتِ عصمت کو ساتھ لیجانے پر آنکھیں اشکبار نہ ہوئی ہوں۔

مدینہ میں پانچواں ماتم

یہ ۸ ربیع الاول سنہ ۶۲ھ کا دن تھا جب اسیرہ شام تین اونٹوں

پر سوار آلِ محمد کی بچ جانے والی مستورات کو واپس لے کر وارد مدینہ ہوا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جب گئے تھے تو تریں محمل تھے جب آئے ہیں تو تین۔ بہن بھائی کے بغیر۔ اور بیٹی باپ کے سوا آئی ہیں۔ کچھ مائیں تو ایسی بھی تھیں جو نہ بیٹوں کے پاس کربلا میں رہ سکیں اور نہ واپس مدینہ آسکیں۔ اسی طرح کچھ بیٹیاں ایسی تھیں جنہیں کربلا میں رہنے کسی نے نہ دیا اور وطن واپس آنا انہوں نے گوارا نہ کیا۔ جناب ام لیلیٰ نے حلب میں قبر بنوالی اور جناب سکینہ نے شام میں مزار بنوالیا۔

عزادارو! یہ تو مدینہ میں پانچ ماتم تھے اگرچہ اپنے مقام پر یہ ماتم بھی کم نہیں ہیں لیکن ان کے مقابلہ میں اگر آپ کربلا میں بپا ہونے والے پانچ ماتموں کو دیکھیں تو مدینہ کے یہ ماتم تو کیا تاریخ عالم کا ہر ماتم آپ کو بھول جائے گا۔

کیونکہ جنگ احد میں دخترِ نبی نے نبی اکرم کا صرف بازو۔ پیشانی اور لب و دندان مبارک پر پتھروں کے زخم دیکھے تھے جبکہ میدانِ کربلا میں دخترِ زہرا نے بھائی کے پاؤں سے سر تک چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ زخم دیکھے۔ (بقولے ایک ہزار نو صد پچاس زخم) شہادتِ نبی اکرم کے موقعہ پر اہلِ مدینہ نے نبی اکرم کا جنازہ دیکھا ضرور لیکن انہیں معلوم تھا کہ آنحضور دمِ آخر نہ تو زخموں سے چور تھے، نہ بھوکے تھے اور نہ پیاسے۔ جبکہ میدانِ کربلا میں بنتِ علی نے بھائی کو تین دن کا بھوکا اور پیاسا زیرِ خنجر دیکھا۔

مدینہ میں مدینہ والوں نے وصی رسول کی صرف خبر شہادت ہی سنی تھی دیکھا کچھ نہ تھا لیکن کربلا میں رسول کی نواسی نے ستر قدم کے فاصلہ سے تل زینبیہ پر کھڑے ہو کر کند خنجر کی تیرہ ضربوں سے پیاسے بھائی کا سر کٹتا دیکھا۔

اہلِ مدینہ نے مدینہ سے نواسۂ رسول کی صرف روانگی کا وہ منظر دیکھا جب آپ مع اہل و عیال اور اصحاب و اقربا صحیح و سالم روانہ ہوئے تبی زادیوں نے مولا حسین کی خیام سے وہ روانگی دیکھی جب آپ سر سے پاؤں تک زخموں سے چور اور پیاسے ہو کر فرما رہے تھے یا زینب ویا ام کلثوم ویا سکینة ویا ام رباب۔ علیکن منی السلام۔

اہلِ مدینہ نے تو حضرت سجاد کی بحالتِ آزادی صرف تین محملوں کے ساتھ واپسی دیکھی جبکہ بنتِ علی نے کربلا سے کوفہ کو چلتے ہوئے جناب سجاد کو دست بستہ اور پر بیٹھا دیکھا۔ آئیے ذرا کربلا کے پانچ ماتم ملاحظہ فرمائیے۔

○ میدانِ کربلا میں پہلا ماتم اس وقت بپا ہوا جب ہمشکلِ نبی نے درِ خیمہ پر کھڑے ہو کر اپنے پیاسے لبوں سے کہا۔ یا اماہ۔ ویا عمتاہ علیکن منی السلام۔ ماں اکبر کا آخری سلام۔ پھوپھی اکبر کا آخری سلام

سلام کی آواز سے تمام خیام تھرا اُٹھے۔ ماتم کا کہرام بپا ہوا۔ تمام بی بیوں نے گرد حلقہ باندھا کسی نے دامن عبا۔ کسی نے رکاب۔

کسی نے پاؤں کا بوسہ لے کے پوچھا۔ آپ تو جارہے ہیں ہمیں کس کا سہارا ہوگا۔ جب آپ الوداع کرکے مڑے تو پیچھے سے جناب فضہ نے آواز دی۔ مڑکے دیکھا پھوپھی کے ہاتھ میں پتھر تھا اور زخمی پیشانی پر ماتم کررہی تھیں۔

○ دوسرا وہ وقت قیامت کا تھا جب ضعیف باپ جوان بیٹے کا لاشہ اٹھاکے لایا۔ یہ ایسا وقت تھا جسے دیکھ کر قاتل بھی برداشت نہ کرسکے۔ حمید ابن مسلم کی روایت ہے کہ جب مظلوم باپ جوان بیٹے کا لاشہ اٹھائے درخیمہ پر پہنچا تو میں نے دیکھا چھوٹے چھوٹے پیاسے بچے اور بچیاں خشک جام ہاتھوں میں لئے واکبراہ واعلیاہ کے نوحے کرتے ہوئے درخیمہ پر آئے۔ شہزادہ کے لاشہ سے لپٹ گئے۔ کوئی بچہ پاؤں کا بوسہ لیتا تھا۔ کوئی بازو چومتا تھا۔ حمید کہتا ہے انہی بچوں میں ایک کمسن بچی تھی جس کے ہاتھ خالی تھے۔ نواسۂ رسول کے قریب آئی۔ رو کے پاؤں سے لپٹی۔ اور پوچھا۔ بابا۔ کیا میرا بھائی اب مجھ سے بات نہیں کرے گا۔

جناب فضہ فرماتی ہیں کہ جب بی بیوں کو معلوم ہوا کہ لاشۂ اکبر خیام میں آگیا ہے تو تمام بی بیاں لاش کی طرف آئیں۔ میں نے سُنا تو جناب ام لیلیٰ اِدھر اُدھر پھر پھر کر پوچھ رہی تھیں بی بیو خدا کے لیے مجھے بھی بتاؤ کہاں جارہی ہو۔ مجھے کچھ نظر نہیں آرہا مجھے بھی تو اپنے ساتھ لے جاؤ۔

○ تیسرا وہ وقت تھا جب نواسۂ رسول کے سوا کوئی نہ رہا۔

آپ یکہ و تنہا رہ گئے۔ اور آخری الوداع کے لئے خیام میں تشریف لائے مخدراتِ عصمت میں سے ایک ایک کا نام لے کر پکارا اور سلام کیا۔ تمام بی بیاں جمع ہوگئیں۔ آپ نے ایک ایک مخدرہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ہر بی بی کو اس کے مقتول بیٹے کی تعزیت کی اور فرمایا۔

دیکھو اپنے بعد میں تمہیں رونے سے منع نہیں کرتا۔ ہر انسان کو قدرت وقتِ مصیبت رونے کا حق دیا ہے اور روئے ارض پر تم سے زیادہ مصیبت زدہ کوئی نہیں ہے۔ [illegible] رونے دے تو بیشک رونا لیکن گریبان چاک نہ کرنا۔ اور بال نہ نوچنا۔

آپ نے کمسن سکینہ کو بلایا۔ گود میں بٹھایا۔ سر پہ ہاتھ پھیرا اور فرمایا سکینہ آج کے بعد سجاد بھائی کا سہارا لینا۔ میری بچی تیرا بھائی بیمار ہے اس کا خیال رکھنا۔ کمسن بچی نے مجروح باپ کی رنگین ریش کا بوسہ لیا۔ اور عرض کیا۔ بابا جان! کیا آج کے بعد میں یتیم ہوجاؤں گی۔؟ کمسن اور پیاسی زبان سے یہ جملہ سُن کر خیام میں نوحہ و شیون کا شور بلند ہوا۔ مظلوم باپ نے اپنی بچیں بچی کو گود سے اُٹھایا۔ اٹھے اور ذوالجناح کے قریب آئے چاہا کہ سوار ہوں۔

فنظر یمناً و شمالاً۔ آپ نے دائیں بائیں دیکھا جب کوئی نظر نہ آیا تو فرمایا۔

این این یا اخی العباس۔ عباس بھائی کہاں ہو۔
این این یا بنی الاکبر۔ اکبر بیٹے تم کہاں ہو۔
این این یا حبیب ابن مظاہر۔ حبیب تم کہاں ہو۔

جب آپ نے ایک ایک جانثار کا نام لے کر پکارا تو خیامِ
اہلبیت میں گریہ وزاری کا ایسا شور و غل بلند ہوا کہ ظالموں تک کی آنکھوں
سے بیساختہ آنسو بہنے لگے اور وہ دھاڑیں مار کر رونے لگے۔

چوتھا وہ وقت تھا جب جبریل نے آسمان و زمین کے مابین
مرثیہ پڑھا۔ الا قد قتل الحسین بکربلا۔ الا قد ذبح الحسین بکربلا
اور اسلامی فوج نے خیامِ آلِ رسول کا رُخ کیا۔ فوج میں فتح کے شادیانے
بج رہے تھے۔ خوشی کے نعرے لگاتے، تالیاں بجاتے ان تشنہ
مخدراتِ عصمت کے خیام کی طرف بڑھے جن کے بیٹے، بھائی اور
سہاگ خاک و خون میں غلطاں میدان میں پڑے تھے۔

فوج یزید گھوڑوں پر سوار خیام میں آئی۔ دیکھیے تاریخ اور
پڑھیے جناب فاطمہ کبریٰ کی یہ روایت کہ۔ میں درِ خیمہ پر کھڑی اس
فوج کو آتا دیکھ رہی تھی۔ جب یہ ظالم آئے نیزوں سے چادریں اتارنے
لگے۔ ہر بی بی کا چادر اُتر جانے کے بعد سر بھی زخمی ہو رہا تھا۔
ان ظالموں نے کسی بی بی سے یہ نہیں کہا کہ گوشوارے اتار دو لیکن
جب بی بیوں نے دیکھا کہ کمسن بچیوں کے کانوں سے گوشوارے
اس طرح نکال رہے ہیں کہ ہر بچی کے کان سے خون کی دھاریں بہہ
رہی تھیں۔ ہر بی بی ایک خیمہ سے دوسرے خیمہ میں جا رہی تھی اور
اپنے زیور اُتار کے پھینک رہی تھی۔ اچانک ایک ظالم نے عقب
سے میرے کندھے پر نیزہ مارا۔ میں واامّاہ کہہ کر گر پڑی اور غش کر گئی۔
جب غش سے افاقہ ہوا تو میں نے دیکھا میری پھوپھی زینب میرے

قریب بیٹھی ہیں۔ روتے فرما رہی ہیں۔ اٹھو میری بچی۔ خیمہ میں آگ لگی
ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا پھوپھی میرے تو سر پر چادر نہیں ہے۔
اگر کوئی کپڑا ہو تو میں اپنا پردہ بنالوں۔ میری پھوپھی نے مجھے گلے لگایا
اور فرمایا۔

بُنَیَّ عمتك مثلك ۔ ذرا سر اُٹھا کے دیکھ تیری پھوپھی
بھی تیری طرح ہے۔

پانچواں وہ ماتم ہے جو سرزمینِ کربلا پر مخدراتِ طہارت کا آخری
وقت تھا۔ جب رسن بستہ بے پالان کے اونٹوں پر بٹھا کے برادر کشتہ
اور پسر مردہ بی بیوں کو کوفے لے جاتے ہوئے مقتل سے گزارا گیا اور
امِ فروہ نے لاشہ قاسم کے بکھرے ہوئے ٹکڑے دیکھے۔ امِ لیلیٰ
نے سینۂ اکبر پر برچھی دیکھی۔ دخترِ علی نے اپنے بھائی کا لاشہ دیکھا
جب لاشوں سے آخری الوداع کی اجازت ملی تو مخدراتِ عصمت کی
تمام بی بیوں نے اونٹوں کے بیٹھنے کا انتظار نہیں کیا۔ ابھی تک
اونٹ بیٹھ رہے تھے کہ بیبیاں اونٹوں سے اُترنے لگیں کسی کی
پیشانی زخمی ہوئی۔ اور کسی کے بازو زخمی ہوئے۔

ماؤں نے دیکھا ایک طرف بیٹوں کے سر نیزوں پر سوار ہیں
اور دوسری طرف ان کے بے کفن لاشے میدان میں ٹکڑے ٹکڑے
پڑے ہیں۔ جب دخترِ علی اپنے بھائی کے لاشہ پر آئیں تو پتھروں،
ٹوٹے نیزوں۔ اور تلواروں کے ڈھیر میں بھائی کی تقسیم شدہ لاش
کو دیکھا تو بیساختہ مدینہ کی طرف منہ کر کے کہا۔

یاجداہ۔ صلت علیک ملیک السماء وھذا حسینک مرمّل
بدماء ۔ نانا۔ آپ پر تو ملائکہ نے جنازہ پڑھا تھا۔ ذرا
آ کے میدان کربلا میں اپنے بیٹے کا لاشہ بھی دیکھ لیجئے۔ جو بے گور و کفن
خاک و خون میں غلطاں بکھرا پڑا ہے۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

پانچویں مجلس

تاریخ میں بکثرت گریہ کنندگان پانچ

- حضرت آدم
- حضرت یعقوب
- حضرت یوسف
- حضرت زہرا بنتِ رسول
- حضرت سجاد ابن سید الشہداء
- جنابِ فضہ کی روایت کے مطابق بنتِ رسول کے گریہ سے اہل مدینہ کی پریشانی
- جناب سجاد کا ایک غلام سے بات کرنا۔
- زاہد کی دعا
- ہاتف غیبی کی آواز
- مکہ کے راستہ پر ایک بزرگ سے ملاقات
- جناب سجاد کا دربارِ شام میں داخلہ

ابن بابویہ نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ تاریخ عالم میں اگر رونے والوں کا تجزیہ کیا جائے تو ان میں پانچ ایسے گریہ کنندگان ملتے ہیں جن کے مقابلہ میں کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ رونے والے

حضرت آدم

حضرت یعقوب

حضرت یوسف

دخترِ رسول اور

رسن بستہ ماؤں بہنوں اور پھوپھیوں کا قافلہ سالار جناب سجادؑ ہیں

حضرت آدم فراقِ جنت میں اتنا روئے تھے کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو مسلسل نہر کی مانند بہنے لگے تھے۔ رخسار زخمی ہو گئے تھے۔ پرندے آپ کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو سے سیراب ہوتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کسی دریا یا سمندر کا پانی اتنا خوشگوار اور شیریں نہیں ہے جتنا حضرت آدم کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو ہیں۔ حضرت آدم نے بارگاہِ خالق میں عرض کیا۔ بارِ الٰہا تیرے نبی کا اب تو پرندے بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ ذاتِ احدیت نے فرمایا۔

آدم ایسی بات نہیں ہے پرندے مذاق نہیں اڑاتے۔ جو کچھ بھی کہتے ہیں سچ کہتے ہیں۔ میں نے جو نفاست اپنے نیاز مندوں کے آنسوؤں میں رکھی ہے وہ دنیا کے کسی پانی میں نہیں رکھی۔

حضرت یعقوب۔ فراقِ یوسف میں جس قدر روئے اس کے متعلق قرآن میں ذاتِ احدیت نے بھی اعتراف کیا ہے۔

ابیضت عیناہ وھو کظیم اگرچہ یعقوب بہت بڑا ماہر تھا پھر بھی روتے روتے اس کی بینائی ختم ہو گئی تھی۔

حضرت یوسف۔ جناب یعقوب کے فراق میں اتنا روتے تھے کہ زندانِ مصر میں رہنے والا ہر قیدی تڑپ اٹھتا تھا۔ اور چوبیس گھنٹے میں ایک لمحہ کے لئے بھی آپ خاموش نہیں رہتے تھے۔ آخر کار تمام قیدیوں نے مل کر جناب یوسف کو اپیل کی کہ آپ تو فراق زدہ ہیں ہم تو اتنے فراق زدہ نہیں ہیں۔ جب سے آپ زندان میں آئے ہیں نہ آپ خود سوتے ہیں نہ ہمیں سونے دیتے ہیں۔ آپ دن اور رات میں سے ایک وقت چن لیں۔ تاکہ ہم کسی وقت تو آرام سے سو لیں۔

دخترِ رسول مسلمانو! رونے کو حضرت آدم بہت روئے ہیں۔ پرندوں نے آپ کے آنسو کا پانی بھی پیا ہے۔ حضرت یعقوب بھی بہت روئے حتیٰ کہ بینائی جاتی رہی۔ جناب یوسف اتنا روئے کہ اہلِ زندان تنگ آ گئے۔ لیکن اندازہ یہ کیجئے کہ ان کے رونے کی مدت کتنی تھی۔ چار سو برس حضرت آدم روئے باختلاف بعض بیس بیس برس حضرت یعقوب و یوسف روئے اور تاریخ نے انہیں یاد رکھا۔ لیکن ذرا تاریخ سے پوچھئے دخترِ رسول کتنا عرصہ روئی؟ تاریخ آپ کو بتائے گی صرف پچھتر دن۔

کیا یہ مقامِ حیرت و عبرت نہیں ہے کہ۔ چار سو برس رونے والے

اور بیس بیس برس رونے والے کا گریہ پچھتر دن رونے والے کے برابر ہو جائے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

تاریخ اسلام سے پوچھو۔ آپ کو وجہ بھی مل جائے گی۔ یہ وہ بیٹی ہے جس کے بابا کا کلمہ پڑھا جاتا ہے۔

جب بیٹی نے دیکھا کہ۔ میرے بابا کے کلمہ پڑھنے والوں میں سے کسی نے مجھے پُرسہ تک نہیں دیا۔ تین دن بابا کا جنازہ گھر میں رکھا رہا۔ اور کلمہ پڑھنے والے رسم دستار بندی کی فکر میں مصروف رہے۔ جب رسم دستار بندی ہو چکی تو چوتھے دن جب دخترِ رسول کے دروازہ پر آئے تو وہ پھر بھی پُرسہ دینے کی خاطر نہیں بلکہ آگ لگانے کی خاطر۔ کیا کوئی یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ کسی بیٹی کو باپ کا پرسہ دینے کی بجائے اس کے دروازہ کو آگ لگا کر گرا دیا جائے۔) آج سُنا جاتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ تاریخ غلط ہے لیکن کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ اگر تاریخ ہے تو پھر تاریخ اسلام کیسے درست ہو گی؟ اسی تاریخ نے ولادتِ نبی۔ وفاتِ نبی، صحابہ کے اسلام۔ جنگوں کے حالات بتاتے ہیں۔ خلافت کے واقعات دیتے ہیں۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مورخ جب تاریخ ولادت لکھتا ہے۔ وہ صحیح ہو۔ تاریخِ وفات بتاتا ہے وہ بھی صحیح ہو۔ جنگِ بدر و احد اور خیبر بتاتا ہے وہ بھی صحیح ہو۔ سقیفۂ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی داستان خلافت لکھتا ہے وہ بھی صحیح ہو۔ پھر وہی مورخ دخترِ رسول کو آگ لگانا بتاتا ہے، وہ غلط ہو جن مورخین

نے اسلام کی دوسری تاریخ بتائی ہے۔ انہی مورخین نے درِ بنتِ نبی کی آگ بھی بتائی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ۔ ان مورخین کی دیگر تمام باتوں کو صحیح مان لیا جائے اور بنتِ رسول سے کئے جانے والے سلوک کو غلط مان لیا جائے۔ مجھے یہاں ایک رسالہ میں ایک عورت کا یہ جملہ فٹ نظر آتا ہے کہ۔

اگر عورت پر اعتماد نہ کیا جائے تو مرد کو اپنا باپ بھی نہ ملے، یہ ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے انکار ناممکن ہے۔ عورت پر اعتماد ہی سے تو باپ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر تاریخ پر اعتماد نہ کیا جائے تو امتِ مسلمہ جس اسلام اور خلافت کو بچانے کی خاطر تاریخ سے انکار کرتی ہے وہ اسلام اور خلافت ہی نہ ملیں۔ ناشر)

دخترِ رسول وفاتِ نبی پر کتنا روئیں اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اہلِ مدینہ نے تنگ آ کے درخواست کی کہ آپ دن میں روئیں یا رات میں تاکہ ہم کسی وقت آرام بھی کر لیں۔

دیکھیں تاریخ جناب فضہ سے مروی ہے کہ جس دن نبی کونین کی وفات ہوئی اس دن مدینہ میں کوئی فرد ایسا نہ تھا جو دھاڑیں مار کر نہ رویا ہو۔ دخترِ رسول وفاتِ رسول کے بعد تین دن کو جنازہ پر بیٹھ کر روتی رہیں۔ اور بعد میں چار دن خالی گھر میں بیٹھ کر روتی رہیں۔ بھلا اس سے زیادہ غضب بھی ہوتا ہے کہ۔

سلطانِ انبیاء کی بیٹی کو سات دن تک مدینہ کی کسی مستور

نے بھی آکر پرسہ نہیں دیا۔ آٹھویں دن مستورات مدینہ کو شاید پرسہ دینے کی اجازت ملی جب یہ مستورات بی بی کے گھر آئیں تو دیکھا کہ،

دخترِ نبی نے اپنے دونوں بیٹوں کو دائیں بائیں اپنے سامنے اور کمسن زینب کو اپنی گود میں بٹھایا ہوا ہے۔ بیٹی کا سر حسن کا منہ اور حسین کے گلے کا بوسہ لیتی ہیں۔ اور وا ابتاہ۔ وا محمداہ۔ وا ابا القاسماہ کے بین کر کے رو رہی ہیں۔ جب بی بی نے مستوراتِ مدینہ کو دیکھا تو صدائے گریہ بلند ہوئی۔ تمام مستورات نے باآوازِ بلند رونا شروع کیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ پورا مدینہ ہل رہا ہے۔ بازار بند ہو گئے۔ کاروبار معطل ہو گیا۔

سورج غروب ہو گیا۔ بی بی اُٹھیں۔ اپنے بچوں کو ساتھ لیا قبرِ نبی کا رُخ کیا۔ تمام مستوراتِ مدینہ ساتھ تھیں۔ قبرِ نبی پر پہنچتے پہنچتے راستہ میں کئی مرتبہ غش کھا کے گریں۔ جب قبرِ نبی پر پہنچیں دونوں بازو کھول کے قبر کو گلے لگا کے عرض کیا۔

بابا جان! آپ کی بیٹی تنہا رہ گئی ہے۔
بابا جان! میرے بیٹے آپ کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔
بابا جان! میرا دروازہ جلا دیا گیا ہے۔
بابا جان! میرا محسن شہید کر دیا گیا ہے۔
بابا جان! میرا پہلو شکستہ ہو چکا ہے۔
بابا جان! تیری بیٹی مظلومہ ہو چکی ہے۔
بابا جان! تیری امت کی آنکھیں کھل گئیں ہیں۔

بابا جان! میرا دایاں ہاتھ تسبیح خدا کرنے سے محروم کر دیا گیا ہے۔

عزادارو! آیئے مِل کے عرض کریں۔ بی بی آپ بہت بڑی مظلومہ ہیں۔ آپ بہت بڑی ستم رسیدہ ہیں۔ لیکن ذرا میدانِ کربلا میں اپنی بیٹی کو بھی دیکھئے۔ آپ کا دروازہ جلا۔ آپ کی بیٹی کے تمام خیمے جل گئے۔ آپ کے سر سے چادر تو کسی نے اُتاری۔ آپ کی بیٹی کو تو بے ردا کر دیا گیا۔ آپ نے بابا کے زخموں سے چور لاشہ تو نہیں دیکھا۔ آپ کی بیٹی کو بھائی کی لاش بھی تو جگہ جگہ پر تقسیم شدہ ملی۔ آپ کو اپنے بابا کی قبر تو مل گئی لیکن سکینہ کو تو بابا کی قبر بھی نہ مل سکی۔

حضرت سجاد۔ پینتیس برس تک اپنے بابا کی تین روزہ بھوک اور پیاس پر مسلسل روتے رہے ہیں۔ ۶۱ھ کے بعد حضرت سجاد نے ۹۶ھ تک عیدین کے سوا ہر دن روزہ سے گزارا۔ اور ہر رات عبادت الٰہیہ میں جاگ کر گزاری۔ جب بھی غلام افطار کے لئے پانی اور کھانا پیش کرتا۔ اور آپ کی نگاہ پانی اور روٹی پر پڑتی بیساختہ کربلا کی طرف منہ پھر جاتا روتے روتے غش کر جاتے جب غش سے افاقہ ہوتا تو فرماتے

قتل ابن رسول اللہ جائعاً فرزندِ رسول تین دن کا بھوکا شہید کیا گیا ہے۔

قتل ابن رسول اللہ عطشاناً فرزندِ رسول تین دن کا پیاسا شہید کیا گیا ہے۔

ایک مسافر نمازی کا بیان ہے کہ میں مدینہ میں نبی اکرم کی زیارت کو آیا۔ زیارت کر کے واپس جا رہا تھا۔ ایک گلی سے گزرا پرنالہ سے خون نما پانی کے چند قطرات گرے اور میرے کپڑوں پر آ ٹپکے میں

میں بآوازِ بلند پوچھا: اے پانی گرانے والے مجھے تو نماز پڑھنا تھی یہ پانی پاک ہے یا نہیں؟ ہاتفِ غیبی نے آواز دی بندہ خدا تجھے جواب نہیں ملے گا۔ قریب ہی مکان کی چھت پر جانے کے لئے زینہ ہے اوپر چڑھ کے دیکھ لے۔

جب میں اوپر چڑھا تو دیکھا اسیرِ شام گریباں چاک خاک بسر پریشاں حال آنکھیں بند کئے رو رو کر بلا کہہ رہا ہے۔

اے تشنہ فرزندِ رسول! میں آپ کو کیا سناؤں جو آپ کے بعد مجھ پر بیتی؟

اے جانِ برادر علی اکبر میں کیسے بتاؤں کہ حلب میں میں نے آپ کی والدہ کو کیسے سپردِ خاک کیا؟

اے چچا عباس! میں کیا بتاؤں کہ آپ کے بعد میں نے کوفہ و شام کے سفر کیسے کئے؟

میں نے دیکھا آنکھوں سے آنسو ندی کی مانند بہہ بہہ کر پرنالہ کے ذریعہ زمین پر ٹپک رہے ہیں۔ میں جلدی جلدی نیچے آیا۔ سر سے عمامہ اُتارا اور پرنالہ کے نیچے کھڑے ہو کر ٹپکنے والے پانی کو سر پہ لینے لگا۔ ساتھ ہی دستِ دعا بلند کر کے عرض کیا۔ بارِ الٰہا! اس معصوم مظلوم کے ٹپکتے آنسوؤں کا صدقہ میرے گناہ معاف فرما۔ میں نے ایک ہاتفِ غیبی کی آواز سنی۔ جس نے مجھے مخاطب ہو کر کہا۔

اے بخیل اگر آج روئے ارض کے گناہگاروں کے لئے بھی مغفرت کرتا تو ذاتِ احدیت انہیں معاف فرما دیتی۔

ایک اور شخص کا بیان ہے کہ ایک سال میں حج بیت اللہ کو جا رہا تھا، اتفاقاً قافلہ سے بچھڑ گیا۔ تنہا آ رہا تھا کہ اس ہولناک صحرا میں آٹھ نو برس کے کمسن بچہ کو دیکھا جس نے پاؤں میں پُرانے جوتے اور جسم پر پُرانا لباس پہنا ہوا ہے نہ سواری نہ سامانِ سفر خالی ہاتھ مکہ کا رُخ کئے چلا جا رہا ہے۔ میں نے دل میں کہا۔

یا اللہ! اتنا بڑا ہیبت ناک صحرا اور اتنا کمسن بچہ کہیں والدین سے بچھڑ تو نہیں گیا۔ پھر میں نے خود ہی سوچا۔ والدین سے بچھڑا ہوا نہیں لگتا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو پریشان ہوتا۔ روتا لیکن یہ تو انتہائی مطمئن اور باوقار عازمِ سفر ہے۔

میں تیز قدموں سے چل کر اس کے قریب گیا اور پوچھا۔

اے بچے کہاں سے آ رہے ہو۔؟

بچے نے جواب دیا۔ اللہ کی طرف سے آ رہا ہوں۔

میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟

بچے نے کہا اللہ کی طرف جا رہا ہوں۔

میں نے پوچھا اللہ کے پاس جا کر کیا کرو گے؟

بچے نے کہا۔ اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل کروں گا۔

میں نے کہا۔ بھلا اتنا طویل سفر زاد و راحلہ کے بغیر کیسے کرے گا؟

بچے نے کہا۔ میرا زادِ راہ اللہ کا تقویٰ۔ میری سواری میرے پاؤں ہیں۔ اور میرا مقصود میرا مولا ہے۔

میں نے کہا۔ بھلا یہ صحرا خونخوار ہے اور تو کمسن ہے۔

بچے نے کہا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک دوست اپنے دوست کی زیارت کا قاصد ہو اور وہ دوست اپنے دوست کو اپنی نوازشات سے محروم کردے۔

میں نے اس کمسنی سے اتنی بزرگانہ گفتگو سے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔ آپ کون ہیں؟

بچے نے کہا۔ میں حالات کا ستم رسیدہ اور مظلوم روزگار ہوں۔

میں نے مزید تفصیل کی درخواست کی۔

بچے نے کہا۔ میں ایک مظلوم قوم کا فرد ہوں۔ میں وطن بدر کردہ قبیلہ کا ایک فرد ہوں۔

گویا یہ بچہ اس وقت سے چودہ پندرہ برس بعد میں پیش آنیوالے واقعات کی طرف اشارہ کر کے بتا رہا تھا کہ۔

میں وہ مظلوم ہوں جس کی آنکھوں کے سامنے سترہ جوانان بارہ کو بھوکا اور پیاسا ذبح کر دیا جائے گا۔

میں وہ غریب ہوں جسے ماؤں بہنوں، پھوپھیوں اور خالاؤں کے ساتھ رسن بستہ کر کے شہر بشہر اور کو بکو تشہیر کیا جائے گا۔

واقعاتِ اسیری بتلاتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔ جب ہمیں دربارِ یزید میں پیش کیا گیا تو اس وقت ہماری یہ حالت تھی کہ ایک رسی کے ساتھ خورد و کلاں سترہ مستوراتِ بنی ہاشم قید تھیں۔ آگے آگے میں تھا۔ میرے گلے میں رسی تھی۔ وہی رسی جناب فضہ کے گلے میں، وہی رسی بنتِ زہرا کے گلے میں تھی۔ میرے کندھے پر فضہ کی پیشانی

تھی۔ جناب فضہ کے کندھے پر جناب زہرا کی پیشانی تھی۔ اسی طرح آخر تک ہر بی بی کا سر دوسری بی بی کے کندھے پر تھا۔ جب کبھی رش کی وجہ سے ایک رکتا تو ہمیں پیش کرنے والے رسی کے سرا کو ذرا سی جنبش دیتے جس سے میں اور میرے عقب میں بصورت قطار سترہ رسن بستہ تمام مستورات کو بیک وقت جنبش ہوتی تھی اس حال میں ہمیں جب یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ تاش کھیلنے اور مے خواری میں مصروف تھا کئی گھنٹے گزر گئے نہ اسے فرصت ملی اور نہ اس نے ہماری طرف توجہ دی۔

چھٹی مجلس

پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزیں غنیمت ہیں

○ بڑھاپے سے پہلے جوانی
○ بیماری سے پہلے تندرستی
○ غربت سے پہلے تونگری
○ مصروف ہونے سے پہلے فرصت
○ موت سے پہلے زندگی

○ روح جسم سے کیسے جدا ہوتی ہے۔
○ مرنے والے کی اپنے اقرباء سے گفتگو۔
○ نبی کونین اور آئمہ کرام کا دمِ مرگ تشریف لانا۔
○ ملک الموت کو ترس کرنے کی ہدایت۔
○ مسمع کو امام صادق کا آگاہ کرنا۔
○ ہمشکلِ نبی کا سوئے میدان جانا۔

نبی اکرم نے ایک دن جناب ابوذر سے فرمایا۔ اے ابوذر اللہ کی طرف سے ہر انسان کو پانچ نعمات عطا کی جاتی ہیں اور پھر ان کے مقابلہ میں پانچ تکالیف میں مبتلا کیا جاتا ہے خوش نصیب ہے وہ شخص جو پانچ تکالیف کے آنے سے قبل ان پانچ نعمات کی قدر کرے۔

○ اللہ نے جوانی اور بڑھاپا دیئے ہیں۔ جوانی پہلے ہوتی ہے بڑھاپا بعد میں۔ بڑھاپے سے قبل جوانی کی قدر کرنے والا انسان خوش نصیب ہوتا ہے۔

○ اللہ نے تندرستی اور بیماری دونوں انسان کے لئے لازم کی ہیں۔ وہ انسان خوش قسمت ہوتا ہے جو بیماری سے قبل تندرستی کو غنیمت سمجھے۔

○ غربت اور دولت ہر دو اللہ کی طرف سے ملتی ہیں۔ بعض اوقات خوشحالی پہلے اور تنگدستی بعد میں۔ اور بعض اوقات تنگدستی پہلے اور خوشحالی بعد میں ہوتی ہے۔ جسے خوشحالی پہلے ملے اور اس کی قدر کرلے وہ انسان خوش بخت ہے۔

○ اللہ نے انسان کو فرصت بھی دی ہے اور مصروفیت بھی۔ فرصت کے لمحات پہلے ہوتے ہیں اور مصروفیت کا دَور بعد میں خوش نصیب ہے وہ انسان جو اوقاتِ فرصت کو غنیمت سمجھے۔

○ ذاتِ احدیت نے انسان کو زندگی بھی دی ہے اور موت بھی۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو موت سے پہلے زندگی کی قدر کرلے۔

کیفیتِ موت

عزیز من! ہم موت سے غافل ہیں۔ جبکہ ہمیں یقین ہے کہ موت اچانک نازل ہوتی ہے۔ ہنستے۔ کھیلتے۔ کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے ہم موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ موت کا نہ کوئی موسم ہے نہ وقت۔ نہ کوئی پیغام ہے نہ قاصد۔ نہ کوئی مخصوص جگہ ہے اور نہ ہی زمانہ۔ جب چاہے۔ جیسے چاہے اور جہاں چاہے آجائے ہم بے بس ہیں۔ موت نہ پوچھ کر آتی ہے اور نہ آنے سے پہلے بتاتی ہیں۔

وہ کیسا وقت ہوتا ہے جب

○ کان ہوتے ہیں لیکن سننے سے انکار کر دیتے ہیں۔
○ آنکھیں ہوتی ہیں لیکن دیکھنے سے انکار کر دیتی ہیں۔
○ زبان ہوتی ہے لیکن بولنے سے انکار کر دیتی ہے۔
○ ہاتھ ہوتے ہیں لیکن ہلنے سے انکار کر دیتے ہیں۔
○ پاؤں ہوتے ہیں مگر چلنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

حد ہے دل ہوتے ہوئے دھڑکتا نہیں اور دماغ ہوتے ہوئے سوچتا نہیں۔

وہ کتنا مقامِ عبرت ہوتا ہے جب

○ جب حاذق طبیب اور ماہر ڈاکٹر علاج سے جواب دیدیتے ہیں۔
○ چراغِ سحری کی طرح آنکھوں کی بینائی لرزنے لگتی ہے۔
○ گلِ خزاں رسیدہ کی طرح چہرے کی رونق پژمردہ ہوجاتی ہے۔

○ جوہرِ زبان پر خاموشی کے تالے پڑ جاتے ہیں
○ دماغ تمام امیدوں کو فکر بدر کر دیتا ہے۔

اور ہاتفِ غیبی۔ کل نفس ذائقۃ الموت کی بار بار تلاوت کر کے تازیانۂ عبرت لگاتا ہے۔ کائناتِ جسم کے واحد حکمران کو

اذجاء اجلهم لایستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون جب دم مرگ آجاتا ہے تو نہ ایک لمحہ پہلے موت آتی ہے اور نہ ہی ایک لمحہ کی مہلت ملتی ہے حکم سنا دیا جاتا ہے۔ روح حکم الٰہی سن کر اپنی مملکت کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت میں مرنے والے کے سامنے اس کی دولت اور اولاد کی مثالی شکلیں پیش کی جاتی ہیں۔ مرنے والے کو اجازت دی جاتی ہے کہ ان سے جو چاہے بات کر لے تجھے ہر بات کا جواب دیں گے۔

مرنے والے سب سے پہلے دولت کی طرف دیکھتا ہے اور دولت کو مخاطب کر کے پوچھتا ہے، تجھے معلوم ہے میں تجھے جمع کرنے میں کتنا حریص اور تجھے خرچ کرنے میں کتنا بخیل تھا۔ اب بتا تو میری کیا امداد کر سکتا ہے؟

دولت اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے جواب دیتی ہے، کاش تجھے معلوم ہوتا کہ میں کتنی بے وفا ہوں۔ کاش تو دوسروں سے میرا سلوک دیکھ کر عبرت حاصل کرتا۔ میں نے نہ تو پہلے کبھی تجھ سے کوئی وعدہ کیا تھا۔ اور نہ اب کوئی وعدہ کرتی ہوں، میری طرف سے تجھے کفن کے چند ٹکڑے مل سکتے ہیں اور بس۔

دولت سے مایوس ہوکر مرنے والا اولاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور پوچھتا ہے تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ اب بتاؤ میری کیا امداد کر سکتے ہو۔

اولاد کی طرف سے صرف ایک جواب ملے گا ہم آپ کو نہلائیں گے آپ کے لئے قیمتی کفن خریدیں گے۔ چارپائی پر سلائیں گے۔ اپنے کندھو پر اٹھائیں گے۔ اپنے گھر سے بہت دُور باہر قبرستان میں لے جائیں گے زمین میں گڑھا کھودیں گے۔ آپ کو بآرام گڑھے میں سُلاکر اوپر مٹی ڈال دیں گے تاکہ آپ کے جسم سے اُٹھنے والی بدبو سے ہم زندوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

عزیز من! مرنے والے پر اس کی اولاد، بیوی بچے اور والدین اگر روتے ہیں تو وہ اپنے دکھوں پر روتے ہیں مرنے والے کے غم کو کوئی بھی نہیں روتا۔ اگر یقین نہ آئے تو مرنے والوں پر رونے والوں سے خود بھی پوچھ لیں۔ اور اگر یقین آجائے تو ذیل میں ایک عارف باللہ کا واقعہ ملاحظہ فرمالیں۔

دمِ مرگ ایک عارف کی گفتگو

منقول ہے کہ ایک عارف باللہ متقی جب اس دنیا سے وفات پانے لگا تو دمِ مرگ ملائکہ نے بحکم ذاتِ احدیت اسے جنت میں اپنا مکان دکھایا۔ کافی دیر تک وہ آنکھیں بند کئے مصروف رہا۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس نے دیکھا کہ اس کے والدین اولاد

اور بیوی تمام رو رہے ہیں۔

اس متقی نے اپنے والدین سے مخاطب ہوکر پوچھا۔ آپ کیوں رو رہے ہیں؟

والدین نے جواب دیا۔ بھلا والدین سے بھی کوئی پوچھنے والی بات ہوتی ہے کہ تم اپنے جوانمرگ بیٹے کی موت پر کیوں روتے ہو۔ پھر تجھ سے لائق بیٹا جو بڑھاپے کا سہارا تھا۔ تیری موت پر ہم کیسے نہ روئیں جبکہ ہمیں علم ہے کہ تیرے بعد ہمارا پرسان حال تک کوئی نہ ہوگا۔

پھر اس نے بیوی سے پوچھا کہ تو کیوں روتی ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ تو بھی جوان تھا اور میں بھی بوڑھی نہیں ہوں۔ اپنی قسمت اور مقدر کو رو رہی ہوں کہ خالق جوانی میں بیوگی دے رہا ہے۔

پھر اس نے اپنی اولاد سے پوچھا کہ تم کیوں روتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ بابا جان، ہم اپنی یتیمی کو رو رہے ہیں۔ ہمیں وہ وقت رلا رہا ہے جب ہمیں یتیم سمجھ کر درخور اعتناء نہ سمجھا جائے گا۔ اور ہم یتیمی کی گود میں دب کر رہ جائیں گے۔

اس عارف متقی نے ایک دلدوز آہ کھینچی، اُٹھ بیٹھا اور رونے لگا۔ سب نے مل کر پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟

اس نے جواب دیا میں اپنی بدنصیبی پر روتا ہوں۔ اور تمہاری بے وفائی مجھے رُلا رہی ہے۔ میں نے تمام زندگی تمہارے دکھوں کو اپنے غم سمجھا لیکن آج جبکہ مجھے آپ لوگوں کی ضرورت تھی

آپ نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اور جن کی خاطر میں نے اپنی عزیز
زندگی داؤ پر لگائے رکھی اور آج اس حالت کو پہنچا ہوں وہ سب
کے سب آج بھی میرے غمگسار نہیں بن رہے بلکہ اپنے غموں پر آنسو
بہا رہے ہیں۔

والدین اپنے بے سہارا ہونے کو روتے ہیں۔
بیوی اپنی بیوگی پر روتی ہے۔ اور
اولاد اپنی یتیمی پر رو رہی ہے

مجھے تو کوئی بھی رونے والا نہیں ہے۔ میری فکر تو کسی کو
بھی نہیں ہے۔ کسی نے یہ تو نہیں کہا کہ ہمیں آپ کا طویل سفر اور
دیارِ غربت میں آپ کی تنہائی رلا رہی ہے۔ کسی نے یہ تو نہیں کہا
کہ آپ سکرات موت کے مراحل سے کیسے گزریں گے؟ نکیرین کے
سوالات کے جواب کیسے دیں گے؟ یومِ حشر نامۂ اعمال کا جواب
کیا دیں گے؟ اور پل صراط کیسے عبور کریں گے۔

اے عزیز من! ایسے حالات میں جبکہ اپنے عزیز ترین رشتے
بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ مایوس نہ ہوں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جن
کے احکام کی آپ پرواہ نہیں کرتے اور زندگی کے قدم قدم پر ان
کی فرامین کو پس پشت ڈالتے ہیں۔ وہ آپ کو تنہا نہیں چھوڑتے۔
اگر آپ محب اہل بیت سے ہیں۔ اور اگر آپ عزادار ہیں تو دم مرگ
نبی اکرم اور آئمہ اہلبیت آپ کے سرہانے تشریف لائیں گے۔
ملک الموت کو وصیت فرمائیں گے۔ کہ اس سے نرمی برتنا۔ یہ ہمارا

عزادار اور محب تھا۔

مسمع سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں امام صادق کی خدمت
میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا۔ مسمع!

تو اہل عراق سے ہے اور ہمارے مظلوم جدِ امجد کا مزار تیرے
قریب ہے کیا کربلا میں زیارت کو آتا ہے؟

میں نے عرض کیا۔ سرکار! میں بصرہ میں بہت معروف ہوں
اور آپ کو معلوم ہے کہ حکومتِ وقت آپ کے محبوں کو برداشت
نہیں کرتی۔ اگرچہ دل تو چاہتا ہے لیکن مجبور ہوں جا نہیں سکتا
آپ کے آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا۔ تو سچ کہتا ہے۔

اچھا یہ بتا کیا واقعات کربلا یاد کر کے کبھی رویا بھی ہے؟

میں نے عرض کیا۔ سرکار! رونے کا نہ پوچھیئے اکثر اوقات
میرے اہل وعیال بھی میرے رونے سے تنگ آجاتے ہیں۔ جونہی
میرے سامنے کھانا آتا ہے یا پانی دیکھتا ہوں۔ بے اختیار میری
آنکھیں بہنے لگتی ہیں اور میں یہی سوچ سوچ کر روتا ہوں اور رو رو
کر سوچتا ہوں کہ اے میرے مظلوم آقا! وہ کیسا وقت ہو گا جب
آپ نے اپنے جواں سال بیٹے کو تین دن کا بھوکا اور پیاسا
سوئے میدان روانہ کیا ہو گا۔ میں اس قدر روتا ہوں کہ پانی کے
جام میں میرے آنسو مل جاتے ہیں، کھانا تر ہو جاتا ہے۔ میرے
اہل وعیال کھانا اٹھا لیتے ہیں اور میں بغیر کچھ کھائے پیئے سو
جاتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ اللہ تیرے آنسوؤں پر رحم فرمائے۔ یوم حشر تو ان افراد کی جماعت میں مشہور ہوگا جو ہماری مصیبت میں غمزدہ اور ہماری خوشی میں مسرور ہوتے ہیں۔

مسمع زندگی کے آخری لمحات ہیں جب ہر طرف سے امیدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ والدین اولاد اور بھائی تک انسان کو تنہا چھوڑ دیتے ہیں، اس وقت ہمارے ابائے کرام مرنے والے عزادار مومن کے پاس آتے ہیں، ملک الموت سے فرماتے ہیں اس مومن کا خیال کرنا یہ ہمارا محب بھی ہے اور عزادار بھی ہے۔

یقین کیجئے مومنین! یوں تو ہر معصوم مظلوم ہوتا ہے لیکن مصائب کے جو پہاڑ فرزندِ زہرا پر ٹوٹے ہیں ان جیسے مصائب کسی بھی امام اہلبیت پر نہیں آئے۔ کوئی امام ایسا نہیں ہے جس نے علی اکبر جیسے ہمشکل نبی اٹھارہ سالہ جوان بیٹے کو تین دن کا بھوکا اور پیاسا سوئے میدان بھیجا ہو۔

عزادارو! کاش آپ مولائے مظلوم کا وہ وقت دیکھتے جب آپ نے دم آخر شبیہہ پیمبر کے پیاسے لبوں کو بوسہ دیا۔ اور سوئے آسمان رُخ کرکے فرمایا۔

میرے اللہ! گواہ رہنا اب ان کے مقابلہ میرا وہ بیٹا جا رہا ہے جو سیرت اور صورت میں تیرے محبوب نبی کی شبیہہ ہے، اہل مدینہ بلکہ ہر مسلمان جب تیرے نبی کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا میرے اس پیاسے بیٹے کی زیارت کر لیا کرتا تھا۔

میرے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں از خود نہیں آیا۔ ان لوگوں نے مجھے بلایا ہے اور تیری ذات کے واسطے دیئے ہیں تو میں آیا ہوں جب میں ان کے پاس آگیا تو انہوں نے مجھ سے بیوفائی کی، مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ اور تیرے دین کے دشمن کی فوج میں جا شامل ہوئے ہیں میرے اللہ! تو ہی نے اپنے قرآن میں فرمایا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوحًا وَّاٰلَ إِبْرَاهِيمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

ساتویں مجلس

قبر میں پانچ سوال

- زمانہ کی نبی کونین سے بیوفائی
- میت کا تاریکی قبر میں اپنے اعزا کو پکارنا
- نجبائے خمسہ کا قبر میں میت کو تسلی دینا
- اسیران آلِ محمدؐ کا کوفہ میں ورود
- دختر زہرا کا اہل کوفہ پر نفرین کرنا

ارشادِ رب العزت ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔

تجھ سے قبل بھی ہم نے کسی کو ہمیشہ زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دی۔ اگر تو انتقال کر گیا تو کیا یہ ہمیشہ زندہ رہ جائیں گے؟ ہر نفس موت چکھے گا۔

(رفع اشتباہ از ناشر۔ مذکورہ آیت اور اس جیسی دیگر آیات کو بنیاد بنا کر بعض لوگ منطقی اصطلات کو گھسیٹنے کی کوشش کرتے ہیں اور وحدتِ نوع کا مسئلہ لا کھڑا کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے پاس موجود منطق کے بانی حضرات اکثر غیر محسوس و مشاہد ان مسلمات کے سرے سے قائل ہی نہیں ہیں جنہیں اسلام نے حقیقت واقعیہ کے بطور پیش کیا ہے اور جن کے انکار کو اسلام نے کفر قرار دیا ہے۔ مثلاً جن اور ملک۔ منطق میں ان کے لئے کوئی نام نہیں ہے۔ منطق کے پہلے بانی ارسطو نے جو کلیاتِ خمس مقرر کی ہیں۔ ان کے مطابق نوع، جنس، فصل، خاصہ اور عرضِ عام میں سے جن و ملک ان پانچ کلیات میں سے کسی بھی کلّی کے ذیل نہیں آتے۔ اسی طرح بعض ایسے مسلمات ہیں جنہیں بانیانِ منطق مانتے تو ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ ان کا تعلق کلیاتِ خمس میں سے کس کلی سے ہے مثلاً نفس، روح اور عقل وغیرہ۔ آج تک علماء نے منطق سے یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ یہ نوع ہیں یا جنس۔ جو انہیں نوع کہتے ہیں انہیں ان کی جنس نہیں ملتی اس لئے نوع مفرد سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جو انہیں جنس کہتے

ہیں انہیں ان کی نوع نہیں ملتی اس لئے انہیں جنسِ مفرد کہتے ہیں۔

ہمارے مسلمات کے مطابق ——— معصوم صلبِ پدر سے بطنِ مادر میں منتقل ہونے سے زندگی کے آخری لمحہ تک چونکہ ہر قدم پر مختلف ہوتا ہے اس لئے — اولاً تو اسے اس منطق کے پیمانے سے ناپا ہی نہ جائے تو زیادہ بہتر ہوگا — اگر منطق ہی فٹ کیا جائے تو معصوم کی نوع کو علیحدہ ماننا ہوگا۔ کیونکہ

○ جس طرح ہمارا نطق تکوینی ہوتا ہے۔ اسی طرح معصوم کی عصمت تکوینی ہوتی ہے۔

○ ہماری غذا شکمِ مادر میں خون ہوتی ہے۔ معصوم کی غذا خون نہیں ہوتی۔

○ ہم ناف بریدہ نہیں ہوتے معصوم ناف بریدہ پیدا ہوتا ہے۔

○ ہماری والدہ نفاس سے دوچار ہوتی ہے۔ والدہ معصوم اس عارضہ سے مبرّا ہوتی ہے۔

○ ہم بعد از ولادت بولتے نہیں۔ معصوم بعد از ولادت کلماتِ شہادت کی تلاوت کرتے ہیں۔

○ ہم ذہناً ناپختہ ہوتے ہیں۔ معصوم ذہناً پختہ ہوتے ہیں۔

○ ہم پندرہ برس تک پہنچنے سے قبل مکلف نہیں ہوتے لیکن معصوم پانچ برس کی عمر میں بھی عہدہ امامت کا انچارج ہوجاتا ہے۔ جس طرح حضرت حجت ہوئے ہیں۔

ہمارے بعض مبتدی طالبعلم قسم کے بڑے بڑے علماء فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام امور معصومین کا خاصہ ہیں۔ لیکن وہ اس طرف توجہ

نہیں فرماتے کہ۔ خاصہ بھی نوع ہی کا ہوتا ہے۔ کیونکہ نوع سے نیچے صنف ہوتی ہے۔ یعنی ایک نوع میں کئی اصناف ہوتی ہیں۔ مؤنث۔ مذکر۔ عالم۔ جاہل۔ سخی۔ بخیل۔ بہادر۔ بزدل۔ خوبصورت۔ بدصورت اور کالے۔ گورے وغیرہ۔ یہ تمام اصناف ہیں جو ایک نوع سے متعلق ہیں ایک صنف دوسری صنف سے صفت کے ذریعہ ممتاز ہوتی ہے۔ یہ صفات بعض وہبی ہوتی ہیں اور بعض کسبی۔ جبکہ خاصہ کبھی کسبی نہیں ہوتا۔ ہمیشہ وہبی ہوتا ہے۔

بعض علماء معصومین کے توالد وتناکح اور خورد و نوش کو وحدتِ نوع کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ محترم حضرات اگر ذرا سی توجہ فرمائیں تو انہیں معلوم ہوجائے تو الدوتناکح اور خورد و نوش کسی بھی اعتبار سے وحدتِ نوع کی دلیل نہیں ہیں کیونکہ اگر ہم توالد وتناکح اور خورد و نوش کی بناء پر بیل بکری وغیرہ کی نوع سے نہیں ہوجاتے اور اس اشتراک کے باوجود ان کی نوع ہم سے علیحدہ رہتی ہے تو پھر اس اشتراک کی بنیاد پر ہم معصوم کو کیسے اپنی نوع میں شامل کرسکتے ہیں۔

بہرصورت ان گذارشات کا مقصد صرف یہ ہے کہ علم منطق جو اپنے نقطہ آغاز ہی سے اسلامی مسلمات کا کفیل نہیں ہوسکتا اور نہ ہوا ہے اس علم کو بنیاد بنا کر باہمی سرپھٹول نہ کی جائے تو اچھا رہے گا۔ ناشر)

آیت کا شانِ نزول یوں بیان کیا گیا ہے کہ — کفار نے

جب اسلام کی روز افزوں ترقی دیکھی تو کہنے لگے کہ ــ ابھی کیا جلدی ہے، چند ہی دن ہیں۔ انتظار کر لو۔ جب رسول اکرم اس دنیا سے چلا جائیگا تو ہم پھر ان سے نمٹ لیں گے۔ ذاتِ احدیت نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا ہے ــ یہ مت سوچو کہ اگر میرا نبی دنیا سے چلا گیا تو ہم ہمیشہ رہ جائیں گے۔ با الفاظِ دیگر ذاتِ احدیت نے یوں فرمایا ہے۔

اے لوگو! میرے لئے میرے محبوب سے زیادہ نہ کوئی محترم ہے اور نہ ہی مکرم۔ یہ میرا حبیب بھی ہے، نبی بھی ہے ہے۔ میرا مجتبیٰ اور مصطفیٰ بھی ہے۔ اگر میں نے اسے وقت پورا ہونے پر مہلت نہ دی تو پھر تمہیں کب مہلت ملے گی۔

حالانکہ یوم حشر سب سے پہلے محشور ہونے والا میرا یہی محبوب ہوگا۔ پھر تم لوگ جنہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ کب مروگے اور کہاں مروگے، کب رحلتِ محمد کا انتظار کر سکتے ہو۔

اے اسیرانِ محبتِ دنیا۔ اے نشانہ ہائے موت وفنا تم جو اللہ العالمین کی رحلت کے انتظار میں کمزور ہوتے چلے جا رہے ہو کب ہمیشہ زندہ رہو گے۔

یا کیا تم یہ سمجھتے ہو تم دنیا میں محفوظ رہ جاؤ گے حالانکہ تمہارے یہ خیالات غلط ہیں۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ ذرا اپنے سے پہلے افراد کو دیکھو۔

تم سے پہلے والے لوگ کہاں گئے؟ وہ کہاں گئے؟

جو محفوظ ترین قلعوں میں رہتے تھے؟ جو لوگ صدیوں زندہ رہے وہ کہاں ہیں؟ جو لوگ قوت و طاقت میں تم سے زیادہ تھے وہ کہاں گئے؟ ذرا آنکھیں کھول کے دیکھو موت نے ان کے گھروں تک کو آثار قدیمہ بنا دیا ہے۔ آج ان کا نام تک والا کوئی نہیں رہا۔ ان کی تمام شوکت و حشمت مٹی میں مل گئی ہے۔

بہر حال خویش گریہ کن ابدیدہ زار زار	اے آنکھ اپنے حال زار پر بے تحاشا آنسو بہا لے
افعاں زخانہ ای کہ بسی تیرہ است و تار	اس گھر پر روے جو تیرہ و تاریک ہوگا۔
بر قبر گریہ کن کہ ہر از عقرب است و مار	اس قبر پر روئے جو بچھوؤں اور سانپوں سے پر ہوگی۔
آہ از دمے کہ جرم تو ارند بیشمار	ان بیشمار کیڑوں پر رو جو تیری قبر میں آجائیں گے
ای از وطن عزیز تو ہم چوں عزیز مصر	اے وہ شخص جو عزیز مصر کی طرح اپنے ملک کا حکمران ہے۔
در منزل روی کہ در او شد عزیز خار	تجھے ایسے گھر جانا ہوگا جہاں کانٹے ہی کانٹے ہونگے۔

امام صادق سے مروی ہے کہ قبر میں انسان سے پانچ چیزوں نماز، روزہ، حج، زکواۃ اور ولایت آلِ محمد کے متعلق سوال کیا جائیگا یہ تمام چیزیں مجسم ہوں گی۔ ولایتِ اہلبیت، نماز، روزہ، حج، اور زکواۃ سے مخاطب ہو کر کہے گی کہ تم اپنی ناتوانی کی فکر نہ کرو۔ تمہاری ہر کمزوری کو میں پوری کر دوں گی۔

شہید ثالث نے مجالس المومنین میں روایت کی ہے کہ جب میت کو قبر میں اُتار کر دفن کے تمام مراحل مکمل کر لئے جائیں گے۔ مٹی ڈال دی جائے گی اور دفن کرنے والے واپس لوٹیں گے تو

امر و نہی سے قبر میں سے باہر دیکھنے کی راہیں کھل جائیں گی۔ دفن ہونے والا اپنے تمام احباب و اقارب کو واپس جاتے ہوئے دیکھے گا۔

ایک ایک دوست اور رشتہ دار کا نام لے کر پکارے گا اور انہی اپنی دوستی اور محبت کا واسطہ دے گا کہ مجھے تنہائیوں چھوڑ کے جا رہے ہو۔؟ لیکن اسے کوئی بھی جواب نہ دے گا۔ مایوس ہو کر سر مٹی پر رکھ لے گا۔ اپنے تمام اہل و عیال سے دل برداشتہ ہو جائیگا۔ اس وقت ولایت ایک گوشۂ قبر سے طلوع کرے گا۔ میت کے سرہانے آئے گا۔ اور میت کو ہر قسم کی تسلی دے گا اور یوں مخاطب ہو گا۔

اے شیعہ آل محمد! تو عزادار تھا۔ حسین مظلوم پر ماتم کرتا تھا۔ وقت اور دولت خرچ کرتا تھا۔ جن کے لئے تو نے کمایا ہے وہ تجھے چھوڑ کے چلے گئے ہیں۔ لیکن اب میں تجھے اس قبر میں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ میں تیری قبر میں تیرا مونس و غمگسار رہوں گا۔ دنیا میں تو نے ہمارا ذکر کر کے احسان کیا ہے۔ اب ہم تجھے اس احسان کا بدلہ دیں گے۔

عزادارو! دل چاہتا ہے کہ یہاں عرض کر دوں۔ کہ اے قبر مومن میں آنے والا نورِ ولایت اور تنہائی میت میں مونس بننے والے نور ولایت۔ آج اس مومن کی قبر میں تو آپ غمگسار بن کے آ گئے ہیں۔ لیکن کاش! آپ اس وقت بھی ہوتے جب نبی زادیاں کربلا کی لٹی ہوئی پیاسی شہزادیاں ایک رسی میں رسن بستہ بازارِ کوفہ میں آئیں۔ جن کے آگے آگے نیزوں پر سر تھے۔

اما مهن رأسُ زهرتی قمری — ان سب کے آگے ایک چاند سا چمکتا اور درخشاں
اشبه الخلق برسول الله و — سر تھا۔ جو تمام لوگوں کی نسبت زیادہ شبیہ رسول تھا
وجهه کالبدر الطالع — جس کا چہرہ چڑھتے چاند کی مانند جگمگا رہا تھا۔

جب اہل کوفہ نے آلِ محمد کی یہ مظلومی دیکھی تو زار و قطار رونے لگے۔ ہائے رسول۔ ہائے علی اور ہائے حسین کی فریادیں کرنے لگے۔ بنتِ علی اہلِ کوفہ کے اس گریہ کو برداشت نہ کر سکیں۔ بے مقنع سر کو بلند کیا۔ اور فرمایا۔

او کوفیو! خاموش ہو جاؤ۔ اب آنسو بہاتے ہو۔ اب روتے ہو۔ ابھی تک تو تمہارے مظالم کے زخم مندمل نہیں ہوئے۔ ابھی تک تو تمہارے نیزوں کے لگائے گئے زخموں کا خون خشک نہیں ہوا۔ ابھی تک تو تمہاری تلواروں سے بہایا ہوا خون بہہ رہا ہے۔ کیا روتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔ ہماری مظلومی پر رو رہے ہو۔ ہمیں بتاؤ تو سہی کہ ہمیں مظلوم کیا کس نے ہے؟ ہمارا پانی کس نے بند کیا۔ ہمارے پیاسے کمسن بچوں کو کس نے شہید کیا ہے۔ ہمشکل نبی کے سینہ میں برچھی کس نے ماری ہے۔ بوسہ نبوی کے پیاسے گلوئے نازنین کو کس نے کاٹا ہے۔ کیا جانتے ہو یہ کون تھے جو تمہاری ظالم تلواروں اور بید و نیزوں کا نشانہ بنے۔ یہ اسی نبی کے بیٹے تھے جس کی رسالت کا تم کلمہ پڑھتے ہو۔ ہمارے سروں سے چادریں کس نے چھینی ہیں۔ ہمیں بے مقنع رِدا کس نے کیا ہے۔ ہمیں رونے سے منع کس نے کیا ہے۔ ہمیں پابندِ رسن کس نے کیا ہے۔

کل جب یومِ محشر میرا نبی نانا تم سے سوال کرے گا کہ میری آل
کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے تو کیا جواب دو گے؟ جب میرا رسول
نانا تم سے پوچھے گا کہ میرا اجر رسالت کس طرح ادا کیا تھا تو کیا
جواب دو گے؟

آٹھویں مجلس

ترکۂ میت کے پانچ حصے

حصولِ دولت میں اندھے افراد ہوں یا اللہ کی عنایت پر قناعت کرنے والے نادار مرنے والا کسی ملک کا صدر ہو یا چپڑاسی اور دفن ہونے والا روئے ارض کا امیر ترین فرد ہو یا نانِ جویں کا محتاج در در بھیک مانگنے والا بھکاری۔ جو بھی اس دنیا کو الوداع کہتا ہے اگر امت خاتم الانبیاء سے ہے تو اسے اس کی کمائی ہوئی تمام تر دولت اور جائیداد سے جو کچھ ملتا ہے وہ صرف کفن کے تین ٹکڑے ہوتے ہیں۔

مرنے والے سے صرف اتنی رعایت برتی جاتی ہے کہ اس کے قرضہ جات اور وصیتوں وغیرہ جیسے تمام مالی ضروریات پر کفن کو اولیّت دی جاتی ہے۔

اپنی میراث اور جائیداد چھوڑنے والے کو اپنے جمع کردہ ترکہ سے دوسری جو چیز ملتی ہے وہ مرنے والے کے وہ قرضہ جات ہوتے ہیں جو میّت اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ البتہ قرضہ جات کی ادائیگی میں یہ اختیار وارثوں کو ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو نقدی میں

ادائیگی کریں اور اگر چاہیں تو ترکہ ہی قرض خواہوں کو دیدیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ میت کے متروکہ میں میت کے شرعی واجبات مثلاً زکواۃ۔ خمس اور اجرت حج وغیرہ بھی قرضہ جات سے شمار ہوتے ہیں۔ جو تقسیم جائیداد سے قبل ادا کئے جاتے ہیں واجب ہیں۔

مرنے والے کے ترکہ کی تیسری قسم میت کی وہ وصیتیں ہیں جو مرنے والا کر جائے البتہ نفاذ وصیت کی شرط یہ ہے وصیت کل ترکہ کے $\frac{1}{3}$ سے کم یا برابر ہو۔ اگر $\frac{1}{3}$ سے زائد ہو تو اس کا نفاذ وارثوں کی اجازت پر موقوف ہوگا لیکن وہ بھی اگر وارث میت کی زندگی میں نفاذ وصیت کی اجازت دے دیں۔

ترکۂ میت کی چوتھی قسم حُبوہ ہے۔ حُبوہ مرنے والے کے بڑے بیٹے کو بالخصوص دیا جاتا ہے۔ چونکہ میت کے واجبات از قسم نماز وغیرہ میت کے بڑے بیٹے پر واجب ہوتے ہیں۔ اس میں میت کی دوسری اولاد اس وجوب میں شامل نہیں ہوتی۔ اس لئے قدرت کی طرف سے بڑے بیٹے کو دیگر وارثوں کو چھوڑ کر نوازا کیا ہے۔ حُبوہ میں میت کی انگوٹھی۔ دستار۔ اور تلوار وغیرہ جیسی چیزیں ہوتی ہیں۔

ترکۂ میت کی پانچویں قسم وہ ہے جو مذکورہ بالا چار امور سے بچ جائے وہ وارثوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

مقصد گذارش یہ ہے کہ میت کو اپنے ترکہ سے صرف اور صرف کفن کے تین ٹکڑے ملتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

ذرا اندازہ کیجئے یہ وہ مالک ہے جو حصول مال کی خاطر اپنا

خون پسینہ ایک کر دیتا ہے۔ رات دیکھتا ہے نہ دن۔ ایک ایک کوڑی پر جان دیتا پھرتا ہے۔ بھائیوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ والدین کا گستاخ بن جاتا ہے۔ احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیتا ہے جگہ جگہ کہتا پھرتا ہے۔ میں نے یہ جمع کر لیا ہے۔ وہ جمع کر لیا ہے۔ اب یہ حاصل کروں گا اور وہ حاصل کروں گا۔ یہی شخص جب اس دنیا سے جاتا ہے تو اسے صرف کفن کے تین ٹکڑوں میں زیرِ زمین دفن کر دیا جاتا ہے۔

وہ انسان جو اپنی قوت کے بل پر ہر کمزور کو روندتا پھرتا ہے۔ اپنی دولت کا مظاہرہ یوں کرتا ہے کہ۔ اپنے کپڑوں پر سلوٹ تک برداشت نہیں کرتا۔ گرد و غبار سے بھاگتا ہے۔ دن میں کئی کئی مرتبہ لباس تبدیل کرتا ہے۔ اپنے کو حسین سے حسین بنانے کی خاطر نئے فیشن کرتا ہے۔ آنکھوں میں سرمہ۔ دانتوں پر ٹوتھ پیسٹ۔ ہونٹوں پر سُرخی۔ چہرے پر کریم۔ رخساروں پر تیل۔ اور بالوں کے عجیب و غریب سٹائل بناتا ہے۔ آیئے ذرا دیکھیں کہ اس کا آغاز کیسے ہوا ہے۔

آغازِ انسان کی ابتداء ہم کسی حدیث یا اپنے مشاہدہ سے نہیں بلکہ خالقِ انسان کے ارشادِ گرامی سے کرتے ہیں۔

قتل الانسان ما اکفرہ انسان مر جائے۔ (بد عائیہ فقرہ ہے جو بطور محاورہ بولا
من ای شیئٍ خلقہ من نطفۃ جاتا ہے) کتنا بڑا کفرانِ نعمت کرتا ہے کیا اسے معلوم
خلقہ فقدرہ ثم السبیل نہیں کہ اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اللہ نے اسے
یسرہ فاماتہ فاقبرہ۔ نطفہ سے پیدا کیا ہے پھر اس کی راہیں آسان کر دی ہیں۔

پھر اسے موت سے دوچار کر کے قبر میں ڈال دیا ہے۔

بڑی صاف آیت ہے، کوئی ایسی بات نہیں ہے جو معمولی سی سمجھ بوجھ رکھنے والے کے ذہن سے بھی بالا ہو۔ ذاتِ احدیت نے انسان کو یاد دلایا ہے کہ

ایک وقت تھا جب تو نہ تھا۔ میں نے تجھے غلیظ ترین اور نجس ترین نطفہ سے پیدا کیا۔ تجھے غلیظ ترین غذا خون بذریعہ ناف پہنچائی پھر میں نے شکمِ مادر سے باہر آنے کو آسان بنایا۔ پھر تجھے موت دے کر مٹی کے گڑھے میں ڈلوا دیا۔

خالقِ علام کی طرف سے انسان کو درسِ عبرت ہے کہ اگر سرکشی کرتا ہے۔ اگر اکڑفوں دکھاتا ہے۔ اگر کبر و نخوت کا مظاہرہ کرتا ہے تو ذرا اپنے آغاز کو دیکھ لے تو کیا تھا۔ اپنے مادہ تخلیق کو دیکھ کتنا گندہ ہے۔ بھلا تجھ جیسے کو بھی میرے سامنے اکڑنے کا کوئی حق ہے۔

اگر تجھے اپنا آغاز معلوم نہیں، تجھے اس وقت شعور نہ تھا۔ اگر تجھے اپنے مادہ کی گندگی کا احساس نہیں تو پھر اپنا انجام دیکھ لے۔ کتنا بھیانک انجام ہے تیرا۔ جب تو مر جاتا ہے تو تجھے معلوم ہے کہ کیا ہوتا ہے۔ تیرے چاہنے والے والدین تجھے زیادہ دیر کے لئے اپنے گھر برداشت نہیں کرتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ تیرے جسم میں تعفن ہو جائیگا اور گھر کے افراد کو تکلیف ہوگی۔ تیرے چاہنے والے تجھے گوارا نہیں کرتے کیوں؟ اس لئے کہ تیری لاش سڑ جائے گی اور تیرا جسم بدبودار ہو جائے گا۔ تیرے چاہنے والے بستی یا محلہ کے لوگ تجھے اپنی

بستی یا محلہ میں نہیں دیکھ سکتے کیوں؟ اس لئے کہ تیرے جسم سے اُٹھنے والی بدبو پوری بستی میں پھیل جائے گی۔

ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ جتنا جلد ہو سکے تجھے مٹی کے گڑھے میں چھپا دیا جائے۔ اس وقت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ تیرے مردہ جسم سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ پھر بھی تو اکڑتا ہے۔ کیا تجھ میں عقل کا فقدان ہے؟

ذرا اپنی زندگی کے ایام بھی دیکھ لے۔ میں نے تجھے چار متضاد عناصر کا مرکب بنایا ہے۔ بھلا کیا تجھے معلوم ہے کہ اس ترکیب کا نتیجہ کیا ہے۔ تو سمجھتا ہے کہ میں مختارِ کل ہوں جو چاہوں کروں اور جیسے چاہوں کروں۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔

متضاد عناصر کی باہمی ترکیب کا نتیجہ یہ ہے کہ تیرا جسم ہر وقت حادثات کی زد میں رہتا ہے۔ کسی وقت پیٹ میں درد، کبھی سر میں درد۔ کبھی آنکھ بیمار، کبھی کان خراب۔ کبھی دل کا دورہ، کبھی خون میں حدت۔ ایک درد کا علاج کرتا ہے چار پیدا ہو جاتے ہیں۔

نہ بھوک تیرے بس میں نہ پیاس تیرے اختیار میں۔ نہ حسن تیرے بس نہ بدصورتی پر تجھے اختیار۔ نہ صحت پر تجھے قدرت نہ مرض کو دفع کرنے پر قادر۔ نہ تو پیدا اپنی مرضی سے ہوتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے پیدا ہوتا ہے ــ کتنی چیزیں ہیں جنہیں تو یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے مگر بھول جاتی ہیں۔ اور کتنی چیزیں ہیں جنہیں تو بھلانے کی کوشش کرتا ہے لیکن تیرے دماغ سے چمٹ جاتی ہیں اور

بھولتی نہیں۔

اگر سوئی کی نوک تیری آنکھ پر رکھ دی جائے تو اندھا ہو جاتا ہے۔ اگر ایک چیونٹی تیرے کان میں گھس جائے تو بہرہ ہو جاتا ہے۔ اگر ایک مچھر تیری ناک میں چلا جائے تو تڑپ اُٹھتا ہے اور اگر تیری زبان پر چھالا پڑ جائے تو گونگا ہو جاتا ہے۔

اپنا ترکہ۔ اپنے ہتھیار۔ اپنے آلات اور اپنی قدرت بھی دیکھ پھر اپنا غرور۔ اپنا تکبر اور اپنی سرکشی بھی دیکھ۔

تیرا یہی جسم جسے بنائے رکھنے کی خاطر تو رنگا رنگ میک اپ کرتا ہے۔ جسے حسین بنانے کی خاطر خوش رنگ کپڑے پہنتا ہے۔ جسے بارعب بنانے کی خاطر کئی ترکیبیں کرتا ہے۔ اور جسے توانا رکھنے کی خاطر گوشت اور انواع و اقسام کے میوہ جات کھاتا ہے مرنے کے بعد کیا ہو گا۔

تیری سرمگیں آنکھوں کا پانی بہہ جائے گا اور تیرے چہرے پر آنکھوں کی جگہ دو بدنما گڑھے پڑ جائیں گے۔ خوشبو میں بسی رہنے والی تیری ناک ٹیڑھی ہو جائے گی۔ سُرخی والے ہونٹوں پر سفید سفید کیڑے چڑھ بیٹھیں گے۔ اکڑی ہوئی گردن کا منکا ڈھل جائے گا۔ تیرے اس نازک بدن کے ایک ایک مسام سے کئی کئی کیڑے نکلیں گے۔ جو تیرے جسم کی بوٹی بوٹی کر لیں گے۔

اکڑ مگر اپنا آغاز و انجام دیکھ کر۔ تو مسلمان ہے۔ نبوت خاتم الانبیاءً کا قائل ہے۔ حشر و نشر کا عقیدتمند ہے۔ جزا و سزا پر ایمان رکھتا

ہے۔ اپنی دنیا بھی بیشک سنوار لیکن آخرت کو فراموش نہ کر۔ قیامت ایک اٹل حقیقت اور ایک لاکھ چوبیس ہزار معصوم نبی کا مقصدِ تبلیغ ہے آپ کے پاس آخرت کے لئے کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نماز روزہ حج وغیرہ احکام خدا ہیں۔ ان کے دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہری پہلو ہے اور دوسرا باطنی پہلو ہے۔ ظاہری اعتبار سے انہیں بجالانے ہیں ارشادِ الٰہی کی تعمیل ہے۔ اور باطنی پہلو کے لحاظ سے ان احکام کا مقصد تزکیۂ نفس اور تعمیرِ معاشرہ ہے۔ معاشرہ کی تعمیر ہی مقصودِ خالق رہی ہے۔ معاشرتی تعمیر کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ۔ نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ کسی کا ظلم برداشت کرو۔ ہر مظلوم اور ستم رسیدہ کی امداد کرو۔ اگر جان قربان کرنا پڑے تو۔ مال کی قربانی دینا پڑے تو اور وقار کا ایثار کرنا پڑے تو۔ اگر اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم کسی ظالم کی امداد نہ کرو۔ ظالم کی امداد نہ کرنا بھی مظلوم کی داد رسی ہے۔ مظلوم کی اگر اور کوئی مدد نہیں کر سکتے تو اس کی مظلومیت پر تسلی دینے کی خاطر دو آنسو ہی بہا لو۔ مظلوم راضی ہو جائے گا۔

جب کسی مظلوم کی آہ نکلتی ہے تو عرشِ الٰہی لرز جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب مظلوم زہرا نے میدانِ کربلا میں ھل من ناصر ینصرنا کی صدا دی۔ قاتلوں سے پوچھیئے بتاتے ہیں کہ جونہی یہ پیاسی آواز صحرائے کربلا کی آگ برسائی فضا میں گونجی۔ قیامت کا منظر سامنے آگیا۔ زمین کربلا کانپنے لگی۔ سورج گہنا گیا۔ اور جب سفاک اور سنگدل ظالم نے سر مظلوم کو نوکِ نیزہ پر بلند کر کے اپنی فتح کا نعرہ لگایا۔

دنیا تاریک ہوگئی۔ آسمان سے خون کی بارش ہونے لگی۔ سیاہ اور سرخ آندھیاں چلنے لگیں۔ آسمان و زمین کے مابین نوحہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔

خیام میں نبی زادیاں تڑپ کر در خیمہ پر آئیں۔ دختر زہرا جلدی سے بستر بیمار پر عالم غش میں سوئے ہوئے جناب سجاد کے پاس آئیں سر کو گود میں رکھا اور فرمایا۔ سجاد بیٹے اُٹھ پہلے یتیمی کی دستار سر پر رکھ پھر مسند امامت سنبھال۔ اٹھے جناب سجاد۔ دیکھا نبی زادیاں عالم پریشانی میں خوف و ہراس کے مارے کبھی کسی خیمہ میں جاتی ہیں اور کبھی کسی خیمہ میں۔ تڑپ گئے۔ اور پوچھا۔ پھوپھی جان! کیا ہوا۔ آپ کیوں پریشان ہیں۔ کیا فرزند رسول میدان میں چلے گئے ہیں۔ بی بی اپنے بیمار بھتیجے کے اس سوال پر اور پریشان ہوگئیں۔ گلے لگایا۔ شدت بخار۔ اور بے پناہ پیاس سے تپتی ہوئی گرم پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا۔ بیٹے! تیری پھوپھی لٹ گئی۔ اور تو یتیم ہو گیا۔ خالی زین کے ساتھ گھوڑا در خیمہ پر کھڑا آنسو بہا رہا ہے۔ اور جبریل تیرے مظلوم اور پیاسے بابا کی خبر شہادت دے رہا ہے۔ جناب سجاد یہ خبر سنتے ہی غش کر گئے۔

اب دوسری مرتبہ جو غش سے افاقہ ہوا۔ آنکھیں تو دیکھا پھوپھی سرہانے بیٹھی واجباباہ۔ واجباباہ پکار رہی ہے۔

جناب سجاد نے پوچھا پھوپھی جان! اب کیا ہوا؟ فرمایا بیٹے نہ پوچھ کیا ہوا۔ مجھے مسئلہ بتا۔ تیرے دور امامت کا پہلا مسئلہ ہے جو

تجھ سے پوچھنے آئی ہوں۔ کانپ گئے اور پوچھا پھوپھی جان! آپ کو معلوم ہے کل سے مجھے کتنا شدید بخار ہے۔ آپ وضاحت فرمائیں۔ بی بی نے فرمایا۔ بیٹے اس وقت خیام میں کمسن سکینہ تک ہر بی بی کے سر سے چادر اتار لی گئی ہے۔ ہم تمام بے ردا ہو چکی ہیں۔ ہر طرف سے خیام کو آگ لگا دی گئی ہے کیا ہم جل کر مر جائیں؟

بیمار سجاد شدت بخار اور انتہائے غم و پیاس کی بدولت منہ سے کچھ نہ بول سکے۔ اپنے لرزتے ہاتھ اٹھائے۔ پھوپھی کے بالوں پر رکھے۔ بالوں کو پریشان کر کے پھوپھی کے منہ پر ڈالے اور ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ باہر نکل جاؤ۔ بی بی نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کے پھر پوچھا۔ بیٹے کیا بالوں کا پردہ واجب نہیں ہے؟ روتے روتے جناب سجاد کی ہچکی بندھ گئی۔ دونوں ہاتھوں سے خاک کربلا اٹھائی اور پھوپھی کے سر پر ڈال دی اور فرمایا۔ پھوپھی منہ کا پردہ بالوں سے اور بالوں کا پردہ خاک کربلا سے بنا لو۔ اب تیرے بیمار بھتیجے کے پاس اور کیا رکھا ہے۔

عزادارو! یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنت زہرا جو عالمہ غیر معلمہ تھیں کیا یہ مسئلہ نہیں جانتی تھیں۔ خدا جانتا ہے بی بی جانتی تھی۔ پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اگر اجازت مل جائے تو بے ردا باہر آنے کی بجائے جل کر مر جاؤں تو بہتر ہے۔

لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

نویں مجلس

اہلبیت کا آنحضور سے پانچ چیزوں میں اشتراک

صواعق محرقہ میں ابن حجر نے فخر الدین رازی سے روایت نقل کی ہے کہ پانچ خصوصیات ایسی ہیں جن میں اہلبیت نبی رسولِ اکرم کے مساوی اور برابر ہیں۔

۱۔ جس طرح ذاتِ احدیت نے نبی اکرم پر سلام کیا ہے اسی طرح آلِ محمد پر بھی سلام علی آل یاسین فرما کر سلام کیا ہے۔

۲۔ جس طرح نماز میں شہادتِ رسالت فرضِ عین ہے اسی طرح آلِ محمد پر بھی صلوات واجب اور فرض ہے۔

۳۔ جس طرح اللہ نے نبی اکرم کو طٰہٰ فرما کر آپ کی عصمت و طہارت کا اعلان فرمایا ہے اسی طرح آیت تطہیر میں آلِ محمد کی عصمت و طہارت بتائی ہے۔

۴۔ جس طرح نبی پر صدقہ حرام ہے اسی طرح آلِ محمد پر بھی صدقہ حرام ہے۔

۵۔ جس طرح سرور انبیاء کے لئے "فاتبعونی یحببکم اللہ" فرمایا ہے اسی طرح آلِ محمد کی محبت کو اجرِ رسالت قرار دیا ہے۔

مودتِ اہلبیت فرضِ عین کرنے کے بعد ذاتِ احدیت نے مودتِ اہلبیت کو حسنہ سے بھی تعبیر فرمایا ہے۔ من یقترف حسنۃً نزد لہ فیہا حسنا۔

جو بھی مودت اہلبیت کی نیکی کا حامل ہوگا ہم اس کی نیکی میں اضافہ کریں گے۔

فرمانِ معصوم ہے۔

ان فوق کل عبادةٍ عبادةً وحبنا اھل بیت افضل العبادة

یقیناً ہر عبادت سے بالاتر عبادت موجود ہے لیکن ہم اہلبیت سے محبت ہر عبادت سے افضل تر عبادت ہے۔

امام صادق نے اپنے آبائے کرام کے ذریعہ رسول عالمین سے روایت کی ہے کہ میری اور میرے اہلبیت کی محبت سات وحشتناک مقامات پر معاون ثابت ہو گی۔

۱۔ قبر میں
۲۔ وقت حشر
۳۔ نامہ اعمال کے وقت
۴۔ وقت حساب
۵۔ میزان اعمال کے وقت
۶۔ پل صراط سے گزرتے ہوئے۔
۷۔ مرتے وقت

حارث ہمدانی سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ مولا امیر کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھ سے پوچھا حارث کیوں آیا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ آپ کی زیارت کرنے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے دیکھنے کیوں آیا ہے؟ میں نے عرض کیا آپ کی محبت کھینچ لائی ہے۔ فرمایا۔ حارث کیا تو مجھ سے محبت رکھتا ہے؟ میں نے عرض کیا میرے آقا بخدا مجھے آپ سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تیرا دعویٰ درست ہے تو پھر تو مجھے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں دیکھے گا

اور تو خوش ہو جائے گا۔ پھر مجھے اس وقت دیکھے گا جب دشمنانِ خدا حوضِ کوثر پر آنے کی کوشش کریں گے اور میں انھیں دور بھگاؤں گا۔ پھر اس وقت دیکھے گا جب میرے ہاتھ میں لواءالحمد ہو گا اور نبی کونین کی پیش قدمی کرتے ہوئے پل صراط سے گزر رہا ہوں گا۔

ایک اور موقعہ پر آپ نے اسی حارث ہمدانی سے فرمایا۔

یاحارث همدان من یمت یرنی مومناً کان اوکافرا۔

اے حارث ہمدانی مرنے والا مومن ہو یا کافر مجھے دم مرگ ضرور دیکھے گا۔ (بعض ایسے افراد جنہوں نے فضائل آلِ محمد سے انکار پر قسم کھا رکھی ہے اس قسم کے ارشاداتِ معصومین کی بڑی بے تکی اور سطحی قسم کی تاویلیں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جسمِ واحد کے لئے آن واحد میں متعدد مقامات پر حضور ناممکن ہے۔ لہٰذا ارشاد معصوم میں رؤیت سے مراد یہ ہے کہ۔ حضرت علی کسی ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور مرنے والوں کے سامنے سے دم مرگ حجابات اٹھا لئے جاتے ہیں جو اپنی جگہ پر بڑے بڑے حضرت علی کو دیکھ لیتے ہیں۔ بیچارے سادہ لوح عوام یہ بات سُن کر ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں کیونکہ یہ لوگ مذکورہ فلسفیانہ دلیل کے ساتھ جب سادہ لوح عوام کو یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ۔ اگر حضرت علی کا ہر مومن و کافر کے دم مرگ حضور مان لیا جائے تو از روئے فلسفہ محال ہونے کے علاوہ حضرت علی کا ہر جگہ حاضر ہونا لازم آئے گا۔ جبکہ ہر جگہ حاضر ہونا اللہ

کی صفت ہے۔ اور ہمارے اس عقیدہ کے مطابق حضرت علی اللہ کی اس صفت میں شریک ہو جائے گا اور ہم مشرک بن جائیں گے۔ بیچارے سادہ لوح عوام کان پکڑتے ہیں کہ۔ ناں بھائی۔ ہم بھلا کیوں حضرت علی کو اللہ کا شریک مان لیں۔

اگر تو ایسے لوگ صرف فضائل آلِ محمد سے انکار کی خاطر ایسی بے بنیاد باتیں کرتے ہیں تو اگرچہ قابلِ افسوس ہے لیکن قابلِ حیرت نہیں کیونکہ ایک زمانہ اسی دلدل میں غرق رہا ہے اور آج بھی ہے اور اگر یہ لوگ واقعاً اپنی دانش و فکر کے بل پر بھی کچھ سمجھتے ہیں تو پھر نہ صرف یہ نظریہ باعثِ تعجب ہے بلکہ انتہائی افسوس ناک اور مقامِ عبرت ہے۔ کیونکہ

لوگوں میں ان کے علم کے بڑے چرچے ہیں۔ ان پڑھ عوام ان کا علمی لوہا مانتے ہیں۔ کثرتِ علم کی علامت کے بطور یہ لوگ عباو قبا سے کبھی جدا نہیں ہوتے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عباو قبا اُتار دی تو علم بھی ساتھ ہی چلا جائے گا۔

اگر ہم اس نظریہ کو فلسفہ کی نگاہ سے بھی دیکھیں تو بھی فلسفہ کی نظر سے یہ عقیدہ غلط نہیں ہے کیونکہ فلسفہ ہی نے محال یا ناممکن کی دو اقسام بتائی ہیں۔ عقلی محال اور عادی محال۔ عقلی محال مثلاً دو اور دو کو تین یا چار بنا یا جائے۔ یا کل کو جز سے چھوٹا کہا جائے۔ یہ عقلاً محال ہے۔ دو اور دو چار ہی ہونگے۔ اور کل جُز سے بڑا ہی ہو گا۔ عادی محال وہ ہوتا ہے جو عقلاً محال نہ ہو بلکہ عادۃً ناممکن ہو۔

مثلاً پانچسو میل کا سفر ایک گھنٹے میں طے کرنا عقلاً محال نہیں ہے۔ عادتاً محال ہے۔ اگر وسائل ہوں اور ایف ۱۶ مل جائے تو پانچسو میل کا سفر آدھے گھنٹے سے بھی کم میں طے کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جسمِ واحد کا آنِ واحد میں متعدد مقامات پر حضور عقلاً محال نہیں ہے بلکہ عادۃً محال ہے۔ اور حضرت آدم سے لے کر امام عسکری تک جتنے نمائندگانِ الٰہی خواہ نبی تھے یا امام کے تمام معجزات کا تعلق عادی محالات سے رہا ہے عقلی ناممکنات سے نہیں۔ کسی نبی نے دو اور دو کو تین یا پانچ نہیں کیا۔

عادتاً بچے کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ناممکن ہے۔

عادتاً مادر زاد نابینا کا بینا ہونا محال ہے۔

عادتاً عصا کا اژدھا کا روپ دھار لینا ممکن نہیں ہے۔

عادتاً ہاتھ سے روشنی کا پھوٹنا مشکل ہے۔

عادتاً چاند کا دو ٹکروں میں بٹ کر زمین پر آنا ناممکن ہے۔

عادتاً ستارے کا زمین پر آنا محال ہے۔ اور

عادتاً سورج کا غروب کے بعد پلٹنا ناممکن ہے۔

اسی طرح عادتاً جسمِ واحد کا آنِ واحد میں متعدد مقامات پر حضور محال ہے۔ اور اعجاز کہتے ہی اسے ہیں جو عادت کے خلاف ہو۔ اسی لئے معجزہ کو خرقِ عادت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر حضرت علی بذریعہ اعجاز ہر مرنے والے کے لئے حاضر ہوں تو اس میں فلسفہ کا یا کسی کا کیا نقصان ہے۔ فلسفہ کا تو نہ کوئی نقصان ہوتا ہے

اور نہ ہی فلسفہ کا کوئی ستون گرتا ہے۔

اب لیجئے دوسرا پتہ جو بطور مغالطہ پھینکا جاتا ہے وہ ہے اللہ کا شریک ہونا۔ تو ان اَن پڑھ علماء کو کون سمجھائے کہ بھلے لوگ پہلے آپ شرک کا معنیٰ تو سمجھیں۔۔ توحید کا جتنا بڑا مدرس اور مبلغ قرآن ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی بھی نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن بلاواسطہ کلام اللہ العالمین ہے۔ آپ الحمد سے شروع کر کے والناس تک پورا قرآن پڑھ جائیے آپ کو کسی جگہ ایک آیت بھی ایسی نہ ملے گی جس میں ذات احدیت نے اپنے معبود ہونے کے علاوہ کسی اور صفت کی بھی کسی سے نفی کی ہو۔

اللہ نے اپنی ذات کی وحدت جہاں بھی بیان فرمائی ہے۔۔ صرف۔ لا اِلٰہ اِلا اللہ فرمایا ہے۔ یعنی میرے سوا معبود کوئی نہیں ہے۔

کہیں اللہ نے لا رازق الا اللہ۔ لا خالق الا اللہ۔ لا محی الا اللہ اور لا ممیت الا اللہ وغیرہ جیسا کوئی کلمہ نہیں فرمایا بلکہ اس کے برعکس اللہ نے اپنے کو احسن الخالقین اور خیر الرازقین فرمایا ہے۔ یعنی خالق تو اور بھی ہیں مگر ان میں سے احسن الخالقین اللہ ہی ہے۔ رازق تو اور بھی ہیں لیکن خیر الرازقین اللہ ہے۔ بلکہ اللہ نے اس سے ایک قدم اور آگے بڑھا کر غیر اللہ کو اپنی طرف سے خالق اور محی فرمایا ہے۔ اور یہ ہیں حضرت عیسیٰ۔ ذاتِ احدیت نے حضرت عیسیٰ کے الفاظ کو نقل کیا ہے۔

انی اخلق لکم من الطین میں پرندے کی شکل تمہارے لئے خلق کروں گا۔

کھیئۃ الطیر احی الموتیٰ۔ میں مردوں کو زندہ کروں گا۔ یعنی میں محی ہوں۔ آیات میں لفظ باذن اللہ ہے۔ میں یہاں زیادہ وقت لینا نہیں چاہتا۔ فعل اور اذن میں امتیاز پر میں نے کشف اسرار کے ترجمہ عقائد الابرار میں تفصیل سے عرض کر دیا ہے۔ شائقین ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔۔ ویسے بھی جن لوگوں نے علم اصول کی ابجد بھی پڑھی ہے وہ فعل اور اذن کے باہمی فرق سے بخوبی واقف ہیں ہماری بدقسمتی تو یہ ہے کہ آج ہمیں ایسے مجتہدین سے واسطہ پڑا ہے جنہوں نے علمِ اصول چکھا تک نہیں، یا کبھی چکھا تھا تو کثرتِ مشاغل کی بدولت بھول چکے ہیں۔ یہاں تو میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خود اللہ نے غیر اللہ کو خالق اور محی کہا ہے۔ اگر غیر اللہ کو خالق یا محی کہنے سے شرک ہوتا تو پھر حضرت عیسیٰ مشرک ہوں گے اور اللہ اس شرک کا مبلغ ہو گا۔ کیونکہ اللہ نے نہ صرف حضرت عیسیٰ کو شرک کرنے پر تنبیہ نہیں کی بلکہ اس شرک کو اپنے مقدس کلام میں حضرت عیسیٰ کے لئے بطور فخر نقل فرما دیا ہے۔

جب غیر اللہ کو خالق اور محی کہا جا سکتا ہے۔ اور مانا جا سکتا ہے۔ تو پھر کسی غیر اللہ کو رازق۔ عالم۔ اور حاضر کیوں نہیں کہا جا سکتا۔ ایک واضح سا فرق ہے اور وہ یہ کہ۔ اللہ بالذات خالق ہے۔ غیر اللہ بعنایۃ اللہ خالق ہے۔

اللہ بالذات رازق ہے۔ غیر اللہ بکرامۃ اللہ رازق ہے۔

اللہ بالذات حاضر ہے۔ اور غیر اللہ بالھیئۃ اللہ حاضر ہوتا ہے۔

اللہ بالذات عالم ہے۔ نبی و امام بالهبتہ عالم ہوتے ہیں۔ اور غیر معصوم بالکسب عالم ہوتے ہیں۔

خلاصۂ گذارش یہ ہے کہ — نبی کریم اور آئمہ اہلبیت کو اگر حاضر مان لیا جائے تو نہ فلسفہ کی دیواریں گرتی ہیں۔ اور نہ ہی اللہ کی توحید کو شرک کا دیمک چاٹتا ہے۔ ناشر)

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب انسان زندگی کے آخری لمحات پر پہنچتا ہے۔ موت کے ہولناک منظر سے شدید ترین پیاس کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت میں ابلیس پانی سے لبریز جام لیکر مرنے والے کے قریب آتا ہے۔ اور اسے کہتا ہے کہ لے اس وقت تو سخت پیاسا ہے۔ تیرے لئے پانی لایا ہوں۔ تجھے پلاؤں گا لیکن ایک معمولی سی شرط ہے۔ اور وہ یہ کہ۔ بس اللہ کی توحید۔ اور انبیاؑ سے انکار کر دے۔ اگر مرنے والا یقین محکم کا حامل ہوتا ہے تو وہ ابلیس کی خواہش کو مسترد کر دیتا ہے اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ کے ابلیس کو بھگا دیتا ہے۔ ایسے وقت حضرت علی آبِ کوثر سے لبریز جام لے کے تشریف فرما ہوتے ہیں اور مرنے والے کو آبِ کوثر سے سیراب کرتے ہیں۔ اور اگر مرنے والا ضعیف الایمان ہوتا ہے تو شیطان کی خواہش پوری کر دیتا ہے۔ جونہی شیطان کی خواہش پوری ہوتی ہے وہ قہقہہ لگا کر مع پانی کے غائب ہو جاتا ہے یوں مرنے والا بے چارہ ایمان اور پانی دونوں سے محروم دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

مرنے والے کی جنازہ اٹھانیوالوں سے اپیل

آئمۂ اہلبیت سے مروی ہے کہ جب میت کو تابوت میں رکھ کر باہر جانے کی تیاری کی جاتی ہے تو میت اپنے اعزا و احباب سے کہتا ہے۔

ذرا سی دیر کے لئے ٹھہر جاؤ میں ایک نگاہ سے آخری مرتبہ اپنی بیوہ بیوی، یتیم اولاد اور جمع کردہ دولت کو دیکھ لوں پھر کہتا ہے دیکھو دوستو! آج سے میری بیوی بے سہارا ہو چکی ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔

میری اولاد یتیم ہو چکی ہے۔ ان پر ترس کھانا۔ آج کے بعد یہ مجھے کبھی نہ دیکھیں گے۔ جب جنازہ میت کندھوں پر رکھ لیا جاتا ہے۔ اس وقت ایک مرتبہ پھر درخواست کرتا ہے۔ ذرا سی دیر کے لئے رک جاؤ۔ میں اپنی یتیم اولاد کی آواز آخری مرتبہ سن لوں پھر یہ آواز سننے کو نہ ملے گی۔

جب جنازہ اٹھانے والے چند قدم چلتے ہیں تو میت پھر اپنی اولاد کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔ دیکھ لو۔ مجھے اچھی طرح دیکھ لو دنیا پر اعتماد نہ کرنا۔ یہ تمہارے ساتھ بھی اسی طرح بیوفائی کرے گی جس طرح میرے ساتھ کی ہے۔ اسے جمع میں نے کیا تھا اب کھاؤ گے تم — فائدہ تم اٹھاؤ گے گناہ میں لے کے جا رہا ہوں۔ حساب مجھے دینا ہوگا اور نفع تم حاصل کرو گے۔

سرورِ کونین سے مروی ہے کہ جب غسل دینے والا جسمِ میت سے کپڑے اُتارتا ہے تو میت غسل دینے والے سے کہتا ہے۔ برائے خدا ذرا آہستگی سے کپڑے اتارنا ابھی تک قبضِ روح کے درد سے میری ہڈیاں چٹخ رہی ہیں۔

جب غسال اپنا ہاتھ میت کے برہنہ جسم پر رکھتا ہے تو میت اسے مخاطب کر کے کہتا ہے۔ خدا کے لئے آہستہ ہاتھ لگانا میرے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔

جب غسال کفن لپیٹنے لگتا ہے تو میت غسال کو ایک مرتبہ پھر اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہے ابھی میرے چہرے کو کفن سے نہ چھپانا۔ مجھے آخری مرتبہ اپنے اہل و عیال اور احباب کو دیکھ لینے دے پھر خدا معلوم میری قبر پر آئیں یا نہ آئیں۔

جب جنازہ پڑھ لیا جاتا ہے اور میت کو اٹھا کر کنارِ قبر لایا جاتا ہے تو پھر میت اپنے تمام اقربار اور احباب کو کہتا ہے — دیکھو میں اگرچہ مردہ ہوں، لیکن تمہیں معلوم ہے کہ میں ایک طویل عرصہ تمہارے ساتھ رہا ہوں۔ مجھے دفن کرنے کے بعد تو مجھے بھول جاؤ گے۔ کچھ دیر اور مجھے قبر میں نہ اتارو یہیں بیٹھے رہو اور چھوڑ کر نہ جاؤ۔

عزیزانِ گرامی نبی اکرم اور آئمۂ اہلبیت کی زبانی آپ مرنے والے کے سکرات کے وقت سے کنارِ قبر تک کے حالات سُن چکے ہیں کہ انسان اس دنیا میں رہنے کے کتنے جتن کرتا ہے کبھی غور

کیا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ یہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے کئے کا علم ہوتا ہے۔ جس طرح ننھا بچہ کمرۂ امتحان میں جانے سے گھبراتا ہے اسے یقین ہوتا ہے کہ میرے پاس لکھنے کو کچھ نہیں اسی طرح انسان بھی قبر میں جانے سے گھبراتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ میرے پاس اپنے اعمال کا کوئی جواب نہیں۔ لیکن یقین کیجئے آپ کے پاس کچھ نہ ہونے کے باوجود بھی سب کچھ ہے۔ بشرطیکہ آپ نے فرزندِ زہرا کی پیاس کو یاد کیا ہو۔ یہ نہ سمجھیں کہ رسول زادے کی پیاس کو یاد کرنا کوئی معمولی عمل ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ جب آپ اس مظلوم کی پیاس کو یاد کرتے ہیں تو کون کون آپ سے راضی ہو جاتا ہے۔ سرورِ انبیاء، حضرت علی، جناب زہرا، امام حسن، حضرت سجاد، مسافرۂ شام اور ان سے بڑھ کر وہ کمسن سکینہ خوش ہوتی ہے جسے پیاسے اور جاں بلب مولا حسین نے زیرِ خنجر آپ کے نام وصیت کی تھی اور فرمایا تھا سکینہ میرے شیعوں کو میرا یہ پیغام دے دینا۔

شیعو! اللہ تمہیں ٹھنڈے اور میٹھے پانی نصیب کرے جب ٹھنڈا پانی پینا تو ایک مرتبہ میری پیاس کو بھی یاد کر لینا۔ میں دو دریاؤں کے درمیان نانا کی امت سے تین دن پانی مانگتا رہا لیکن مجھے کسی نے نہ دیا۔

شیعو! اللہ تمہیں غربت کی موت سے محفوظ رکھے جب کسی غریب مسافر کا جنازہ دیکھنا تو کربلا میں میری غریب اور بےکسی

کی بیگناہ شہادت پر آنسو بہا لینا۔ میں تمہارے نبی کا پیارا بیٹا تھا۔
مجھے بیدردی سے شہید کیا گیا ہے اور بعد از شہادت درندگی کی حد
پر کی جائے گی کہ میرے تن پاش پاش کو دفن کرنے کی بجائے پامالِ
سمِ اسپاں کیا جائے گا۔

شیعو! کاش تم یوم عاشور ہوتے اور میری اس وقت کی بیچارگی
اور بیکسی دیکھتے جب میں اپنے کمسن شششماہے علی اصغر کے لئے ایک
بوند پانی مانگ رہا تھا۔ اور مجھے بچے کے لئے پانی دینے کی بجائے
میرے نانا کی امت نے میرے کمسن لال کو سہ شعبہ تیرِ جفا کا نشانہ
بنایا۔ میرے دوسرے شہداء نیزہ و تلوار سے شہید ہوتے ہیں لیکن
میرا اصغر تیر سے ذبح کیا گیا ہے۔

ہاں تو ہماری گفتگو کا موضوع مودۃ فی القربیٰ تھی۔ امام صادق
فرماتے ہیں کہ ہماری محبت سے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح
خزاں رسیدہ پتے تیز آندھی سے جھڑتے ہیں۔ دیلمی نے اعلام الدین
میں امام صادق سے روایت کی ہے کہ کچھ لوگ حضرت حسین کے پاس
آئے اور عرض کی۔ آقا! ہمارے کچھ ساتھی تو شام میں امیر شام کے
پاس چلے گئے ہیں لیکن ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اللہ تمہیں جزائے خیر دے ہم تمہیں امیر شام
کی نسبت اچھا انعام دینگے۔ انہوں نے کہا حضور انہیں دنیا کی ضرورت تھی۔
اس لئے وہ اس طرف گئے ہیں۔ ہم تو آپ کی خدمت میں صرف دین
کے لئے آئے ہیں۔ آپ نے کافی دیر تک سر جھکائے رکھا اور زمین

پر لکیریں مارتے رہے پھر سر بلند کرکے فرمایا۔

جو شخص ہمیں ہمارے انعامات کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اور
صرف اللہ کے لئے اپنا محبوب سمجھے گا وہ روزِ قیامت اس طرح ہمارے
ساتھ ہوگا جس طرح دو انگلیاں ہاتھ میں ایک ساتھ ہوتی ہیں۔

نبی کونین سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ۔ قیامت کے
دن چار قسم کے افراد ایسے ہونگے کہ اگر ان کے سر پر تمام دنیا کے
برابر بھی گناہوں کا بوجھ ہوگا تو میں ضرور ان کی شفاعت کرونگا۔

میری عترت کی عزت کرنے والا۔
میری عترت کے ضروریات پوری کرنے والا۔
میری ذریت کی مجبوری کے وقت ان کے لئے کوشش کرنیوالا۔
میری ذریت سے زبان اور دل سے محبت کرنے والا۔

ایک روایت میں ہے کہ روز قیامت جب ہر شخص اپنے سینہ میں
ڈوب ڈوب کر ابھر رہا ہوگا اور ابھر ابھر کر ڈوب رہا ہوگا۔ الامان و
الحفیظ کا شور ہوگا ایسے وقت ایک نذر کرے گا۔ اے اہلِ محشر
خاموش ہو جاؤ۔ بابائے زہرا تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ میدانِ محشر
میں سناٹا چھا جائے گا۔ ہر شخص ہمہ تن گوش بر آواز ہوگا۔ نبی کونین
یوں مخاطب فرمائیں گے۔

اے اہلِ محشر! جس کسی کا مجھ پر کوئی احسان ہو۔ مجھے بتائے میں
آج اس کا بدلہ دوں گا۔ تمام لوگ بیک زبان عرض کریں گے ہمارے
آقا ہمارا آپ پر کیا احسان ہوگا۔ احسان تو ہمارے اوپر ذاتِ احدیت

اور آپ کی ذات کریم کے ہیں۔

آپ فرمائیں گے۔ نہیں تم سمجھتے نہیں تمہارے بھی مجھ پر احسان ہو سکتے ہیں۔

جس نے میری ذریت پر کوئی احسان کیا ہے۔

جس نے میری ذریت کے خوف زدہ افراد کو پناہ دی ہے۔

جس نے میری ذریت کے بھوکے افراد کو کھانا کھلایا ہے۔

جس نے میرے ذریت کے محتاجِ لباس افراد کو لباس دیا ہے

اُٹھے مجھے بتائے آج میں اسے جزا دوں گا۔

خلاقِ عالم کی طرف سے نبی کریم کو آواز آئے گی۔

میرے حبیب! جن افراد کا تو نے نام لیا ہے ایسے تمام افراد کی جزا میں نے تجھ پر چھوڑ دی ہے۔ تیری مرضی ہے جس جنت میں جہاں چاہے انہیں جگہ دے دے۔ ہر جنت کا ہر دروازہ ان کے لئے کھلا ہے۔

نبی اکرم ایسے افراد کو مقامِ وسیلہ میں جگہ دیں گے جہاں وہ ہمیشہ انبیائے کرام اور آئمۂ عظام کے پڑوس میں رہیں گے۔

اے امتِ مسلمہ! مقامِ تعجب ہے۔ مقامِ حیرت ہے۔ کیا اہلِ شام نے پہلی صدی میں یہ حدیثیں اور یہ فرامینِ رسالت نہیں سنے ہوں گے؟ یقیناً سنے ہوں گے لیکن شاید انہیں فرامینِ نبویہ پر یقین نہ تھا۔ آپ مردوں کو چھوڑیئے۔ کیا ششماہا اصغر پانی کا محتاج نہ تھا۔ کیا ام کلثوم زینب۔ فاطمہ کبریٰ اور کمسن سکینہ چادر کی محتاج نہ تھیں۔ کاش اپنی طرف

سے کچھ نہ دیتے۔ جو چادریں ان کے سروں پر تھیں وہی نہ اتارتے۔

نبی عالمین فرماتے جو میری ذریت کے خوف زدہ افراد کو پناہ دے میں اس کی شفاعت کروں گا۔ کاش اہلِ شام قرابتِ رسول ہی کا پاس کرتے ہوئے اسیرانِ آلِ محمد کو شام کے ویرانے زندان کی بجائے کوئی پرانا مکان ہی رہنے کو دیدیتے۔ لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ جس ذریت سے محبت کو سرتاجِ انبیاء نے اپنی رسالت کا اجر قرار دیا ہے اسی ذریت کے ساتھ شام میں کیا سلوک کیا گیا۔ پابندِ رسن کر کے بازاروں میں تشہیر کیا گیا۔ رسن بستہ دربار میں لایا گیا۔ کئی گھنٹے کھڑے رکھا گیا۔ پھر رہنے کو جو جگہ دی گئی ایک ایسا ویران زندان جس پر نہ چھت نہ فرش۔ نہ چراغ نہ کھانا اور نہ پانی۔

تاریخ دیکھئے ایک دن کمسن سکینہ نے عالمِ خواب میں اپنے مظلوم بابا کو دیکھا۔ یہی تین چار برس کا سن تھا۔ جونہی خواب میں بابا نظر آئے۔ دونوں ہاتھ دراز کر کے کہا۔ بابا تیری سکینہ خاک پہ سوتے سوتے تھک گئی ہے۔ مجھے ایک مرتبہ تو گود میں بٹھا لے۔ یہ کہتے ہوئے شہزادی خواب میں اٹھی۔ اٹھتے ہی نیند سے بیدار ہو گئی۔ دیکھا اوپر آسمان کے ستارے چمک رہے ہیں۔ ہر طرف رات کی خاموشی ہے۔ ایک چیخ ماری ہائے بابا کہہ کر اٹھ بیٹھی۔ تمام بی بیاں بیدار ہو گئیں۔ ایک ایک نے گود میں لیا۔ سر پر ہاتھ پھیرا۔ لیکن بچی نے ہر بی بی سے مطالبہ کیا۔

بی بی خدا کے لئے بتاؤ ابھی میرا بابا میرے پاس آیا

تھا کہاں چلا گیا ہے۔ میں نے بابا سے گود میں بٹھانے کو کہا۔ میرے بابا نے مجھے گود میں لینے کی خاطر ہاتھ بڑھائے جب میں آگے بڑھی تو آپ نظر نہیں آئے۔

تمام بی بیاں رونے لگیں۔ زندان شام رات کے پچھلے پہر ماتم کدہ بن گیا۔ یزید کو اطلاع کی گئی۔ یزید نے غلام کے ذریعہ جناب سجاد علیہ السلام سے اس وقت گریہ کی وجہ پوچھی۔ آپ نے سب کچھ بتا دیا — یزید نے پوچھا سجاد کیا کوئی ایسی صورت ہے جس سے بچی کو تسلی آجائے۔ آپ نے فرمایا عرصہ ہوا ہے بچی کو بابا سے بچھڑے ہوئے۔ اگر بچی کو بابا کا سر دیا جائے تو ممکن ہے کچھ تسلی ہو جائے۔ یزید نے کہا۔ تیری کمسن بہن کو بابا سے اس قدر محبت تھی؟ آپ نے فرمایا یہ تو میں نہیں بتا سکتا کہ محبت کی مقدار کتنی تھی البتہ میں نے گیارہ محرم کی شام غریباں سے پہلے کبھی سکینہ کو بستر پر سوتے نہیں دیکھا۔ نہ ہی کبھی بستر پر سکینہ کو نیند آئی ہے۔ جب بھی سوتی تھی بابا کے سینہ پر سر رکھ کے سوتی تھی۔

یزید نے پوچھا کیا تجھے یقین ہے کہ تیرا بابا شہید ہے۔
آپ نے فرمایا۔ میں تو کیا مملکتِ شام کے ہر باشندہ کو یقین ہے کہ نواسۂ رسول شہید ہوا ہے۔

یزید نے کہا۔ کیا شہید زندہ نہیں ہوتے؟
آپ نے فرمایا۔ ارشادِ قدرت یہی ہے کہ شہید زندہ ہوتے ہیں۔
یزید نے کہا۔ پھر ایسا کر کہ اپنی بہن سے جا کے کہہ کہ میں

سرِ حسین یہاں منبر پر رکھتا ہوں وہ زندان میں بیٹھ کے بلائے۔ اگر سرِ حسین سکینہ کے پاس چلا گیا تو جب تک وہ واپس نہ کرے گی میں نہیں لوں گا۔

جناب سجاد نے کمسن بچی کو بتایا تو شہزادی نے عرض کیا بھیا کیا یہ ممکن ہے کہ میں بلاؤں اور میرے بابا نہ آئیں۔ آپ تشریف لے جائیں یزید سے کہہ دیں وہ سر منبر پہ رکھے یا کسی تہہ خانے میں جب آپ مجھے اجازت دیں گے میں بلاؤں گی۔

جناب سجاد نے یزید کو بتایا۔ یزید نے سر منبر پر رکھا۔ آپ نے جناب سکینہ کو اجازت دی۔ بی بی نے بابا کو سلام کیا اور عرض کیا بابا میری محبت کا امتحان ہے میرے پاس آجائیں۔ سر نے ہوا میں پرواز کیا۔ زندان میں آیا۔ پہلے جناب سجاد کے سر کا بوسہ لیا۔ پھر کمسن بچی کے کھلے ہاتھوں پر آیا۔ شہزادی نے اپنے پیاسے ہونٹ بابا کے خشک لبوں پر رکھے۔ (اس جگہ یہ چند اشعار ہیں جو جناب سکینہ کے اسی وقت کی گفتگو کا فارسی میں ترجمہ ہیں۔

بابا در ایں خرابہ — سازم بہ بینوائی
بابا جان اس ویران زندان میں میں بے سہارا ہوں۔
چشم براہ ماندہ — شاید ز در در آئی
میں تمام رات انتظار میں رہتی ہوں کہ ممکن ہے درِ زندان سے آپ آجائیں۔
اے باب مہربانم — بر لب رسیدہ جانم
اے شفیق بابا۔ اب تو میں مرنے والی ہوں۔

من پسر ناجوانم - نزدم چرا نیائی

بابا میں چار سال کی ضعیفہ ہوں۔ میری خبر کیوں نہ لی۔

بازارِ شام دیدم - دشنام ہا شنیدم

بابا میں نے شام کے بازار بھی دیکھے ہیں اور گالیاں بھی سُنی ہیں

دشوار تر ندیدم - از این خرابہ جائے

بابا زندانِ شام سے زیادہ مشکل جگہ کوئی نہ ہوگی۔

روز اندر آفتابم - شب رو بخاک خوابم

بابا دن کو دھوپ کی شدت ہوتی ہے اور رات کو سونے کے لئے مٹی کا بستر

غم نان وگریہ آبم - نہ فرش و متکائی

بابا کھانے کو غم اور پینے کو آنسو ملتے ہیں، نہ بستر نہ تکیہ

این دختران شامی - ہمہ زیر سر گزانند

بابا شام کی کنیزیں بھی نرم تکیوں پر سر رکھتی ہیں۔

بالین من شدہ خشت - نزدم چرا نیائی

بابا میں اینٹ کا تکیہ بناتی ہوں آپ میرے پاس کیوں نہ آئے)

اور شہزادی کی وفات ہوگئی۔ جناب سجاد نے دفن کر دیا صلاح الدین ایوبی نے شام پر حکومت کے دوران نکاسی آب کا منصوبہ بنایا۔ نالہ کھودا جانے لگا۔ شام کے علماء میں سے ایک شرف الدین نامی سید عالم کا بیان ہے کہ ایک عالمِ خواب میں مجھے ایک مستور بچی نے کہا کہ میرے قریب سے نالہ گزر رہا ہے۔ مجھے کسی دوسری جگہ منتقل کر دے۔ میں نے خواب سمجھ کر پروا نہ کی۔ دوسری اور تیسری رات بھی خواب

میں یہی ہوا۔ تیسری رات میں اٹھا۔ شام کے بڑے بوڑھوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہمیں اپنے بزرگ بتایا کرتے تھے کہ جناب سجاد نے اپنی کمسن سکینہ کو اسی جگہ دفن کیا تھا۔ چنانچہ میں چند مستورات کو ساتھ لیا جب قبر کھودی گئی اور مستورات نے دیکھا تو کچھ مستورات تو دیکھتے ہی مر گئیں اور کچھ بیہوش ہوگئیں جب انہیں ہوش آیا اور ہم نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ تعجب ہے ابھی تک رخساروں پر طمانچوں کے گلے اور ہاتھوں پر رسیوں کے نشان بھی موجود ہیں۔ اور مظلوم سجاد کو کفن بھی نہیں ملا تھا کیونکہ بچی اپنے پُرانے اور میلے کرتہ میں دفن ہے)

دسویں مجلس

ملک الموت ہر گھر میں روزانہ پانچ مرتبہ آتا ہے

- نکیرین کا قبر میں آنا
- حضرت علی کی قبر میں تشریف آوری
- حضرت علی کا قبر میں میت سے تعاون
- ایک ۱۸ سالہ لڑکی کا قبر میں بھائی کو دیکھکر بوڑھا ہو جانا۔
- تنہائی امام حسین اور شمر کا فوج سے خطاب

ارشادِ قدرت ہے۔ اینما تکونو یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ
جہاں کہیں بھی جا چھپو خواہ مضبوط ترین محلات میں بھی جا بسو موت بہر طور تمہیں تلاش کر لے گی۔

بڑی واضح سی آیت ہے۔ ذاتِ احدیت نے ہر زور آور اور سرکش کو تنبیہ فرمائی ہے کہ۔ موت سے بھاگنے یا پوشیدہ ہونے کی بجائے اپنے کو موت کے لئے تیار کرو۔ موت سے بھاگنے میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر کوئی فائدہ ہوا ہوتا تو تم سے پہلے کسی کو یہ فائدہ پہنچا ہوتا۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ کشتی دین کے ان سواروں میں سے کوئی بھی موت کے سنار سے محفوظ نہیں ہے۔ حیاتِ مستعار کے اس لباس کے لئے مقروضِ فنا ہر وقت تیار رہتی ہے۔ بہت بڑے بڑے ناموروں کے معروف ناموں پر عنکبوتِ نسیاں جالا تان دیا ہے۔ یہ ایک مسلمہ ہے کہ جس طرح گذشتگان کے شہرِ وجود میں صدائے موت گونج چکی ہے اسی طرح باقی رہ جانے والوں کے لئے صدائے الرحیل مسلسل گوشِ ہوش سے ٹکراتی رہتی ہے۔

لیکن بایں ہمہ جب ہم زندہ افراد کے رہنے سہنے اور بود و باش کو دیکھتے ہیں تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو موت نہیں آئیگی یہی نہیں حالانکہ ان لوگوں کو یقین ہے کہ ان کی زندگی کا ماحصل موت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ جو بھی پیدا ہوتا ہے وہ پیدا ہی مرنے کے لئے ہوتا ہے۔ مگر کسی کو نہ موت یاد ہے اور نہ

آخرت۔ کاش یہ لوگ اتنا ہی اتنا ہی سوچ لیتے کہ

دنیا ایک زہر ہے جس پر شہدِ حسن چڑھا دیا گیا ہے۔

دنیا کی زندگی موت اور دولت ناداری ہے۔

دنیا کی خوشی غم اور تندرستی بیماری ہے۔

دنیا کی عزت ذلت اور حسن بدصورتی ہے۔

سیلابِ غفلت نے کج بینانِ دنیا کو تنکے کی مانند بہا رکھا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ انسان آخرت سے بالکل دست بردار ہو گیا۔ اور اپنے آپ کو ہر حیثیت سے دارِ فنا کے سپرد کر دیا ہے حالانکہ گوش و ہوش سے سنیں تو ہاتفِ غیبی کی ہر وقت آواز آ رہی ہے۔ لدوا للموت۔ وابنوا للخرب واجمعوا للفنا موت کے لئے تیار ہو جاؤ قبر کے لئے کچھ سامان کرو اور مقامِ فنا کے لئے آمادہ رہو۔

نبی اکرم سے مروی ہے کہ ملک الموت ہر گھر میں روزانہ پانچ مرتبہ آتا ہے۔ جب کسی گھر میں کسی فرد کی عمر ختم ہوتی ہے تو اس کی قبض کر لیتا ہے جب دیکھتا ہے اس کے اہل و عیال روتے ہیں، آنسو بہاتے ہیں۔ اور واویلا کرتے ہیں تو اس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

اس قدر کیوں رو رہے ہو؟

اتنے بے چین کیوں ہوتے ہو؟

میں نے نہ تو کسی کا رزق بند کیا ہے۔ اور

نہ ہی کسی کی موت کو اپنی طرف سے قریب کیا ہے۔

جب تک مجھے حکم نہیں ملا اس وقت تک روح کو قبض نہیں کیا

یہ نہ بھولو کہ میں اس گھر میں پھر آؤں گا بلکہ

اس وقت تک آتا رہوں گا جب تک اس گھر میں کوئی بھی موجود رہے گا۔

جس ذات کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس کی قسم اگر یہ لوگ ملک الموت کو دیکھ لیتے یا اس کی آواز سن لیتے تو انہیں مرنے والے کی موت بھول جاتی اور اپنے آپ پر رونا شروع کر دیتے۔

روایتِ صحیحہ میں ہے کہ روح انسان جسم کو چھوڑ دیتی ہے اور جسمِ انسان کو اٹھا کر قبرستان لے جایا جاتا ہے تو ذاتِ احدیت کی طرف سے اس کے سامنے سے حجابات اٹھا لئے جاتے ہیں۔ اگر مرنے والا اہلِ جہنم سے ہو تو رفعِ حجابات کے بعد جب اسے اپنی منزل نظر آتی ہے تو تابوت برداروں سے بصد انکساری کہتا ہے۔ ردونی۔ ردونی۔ خدا کے لئے مجھے وہاں نہ لے جاؤ۔ مجھے واپس پلٹا دو۔

اگر مرنے والا اہلِ جنت سے ہو تو رفعِ حجابات کے بعد جب اسے اپنی منزل نظر آتی ہے تو جنازہ اٹھانے والوں سے کہتا ہے۔ ذرا جلدی کرو۔

جب میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو دو انتہائی ہیبت ناک صورت کے فرشتے قبر میں آتے ہیں۔ میت کے دائیں جانب منکر اور بائیں جانب نکیر آ کھڑا ہوتا ہے۔

روحِ میت کو جسمِ میت میں داخل کیا جاتا ہے۔ انسان قبر میں بیٹھ جاتا ہے۔ حضرت علی بھی تشریف فرما ہوتے ہیں۔ سلسلہ سوالات شروع ہوتا ہے۔

آئیے ان سوالات کا چشم دید واقعہ سنیں۔

سید مرتضیٰ ایک سال سفرِ حج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے آپ کو اطلاع دی گئی کہ ہمارے قافلہ میں ایک ایسی نوجوان لڑکی شامل ہوئی ہے جس کے سر کے بال صد سالہ بوڑھوں کی طرح سفید ہیں۔

سید مرتضیٰ نے اس لڑکی کو بلوایا۔ اور تمام قافلہ کی موجودگی میں جوانی میں بڑھاپے کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے جو بیان کیا وہ یہ ہے۔

ہم دو بہن بھائی مسلکاً غیر شیعہ مسلمان تھے۔ مجھے اپنے بھائی سے انتہائی شدید محبت تھی۔ اتفاقاً میرا بھائی بیمار ہوا اور بیماری سے جانبر نہ ہو سکا۔ بالآخر اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ غسل وکفن کے بعد جب میرے بھائی کو قبرستان پہنچایا گیا تو میں گھر نہ بیٹھ سکی میں بھی ساتھ ہولی۔ جب میرے بھائی کو دفن کر دیا گیا اور لوگ واپس پلٹے تو میں قبرستان ہی میں رہ گئی۔ جب سب واپس چلے گئے تو میں نے اپنے بھائی کی قبر سے قریب ایک پرانی قبر کو کھودا اس میں بیٹھنے کی جگہ بنائی بھائی کو دیکھنے کی خاطر مٹی کی دیوار میں سوراخ کیا۔

میں نے دیکھا کہ انتہائی وحشتناک شکل کے دو ہیولے میرے

بھائی کی قبر میں آ گئے۔ ان کے بڑے لمبے لمبے نوکیلے دانت تھے آنکھوں سے سُرخ شعلے نکل رہے تھے۔ اور بجلی کی طرح کڑک دار آواز تھی۔ انہوں نے میرے بھائی کو اٹھا کے بٹھا دیا۔ میرا بھائی انہیں دیکھتے ہی خوف اور وحشت کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔

اسی اثنا میں میں نے دیکھا کہ میرے بھائی کے سرہانے ایک نورانی کرسی رکھی گئی اور ایک نورانی شخص آ کے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسے دیکھ کے وہ ہیبت ناک ہیولے تھوڑا سے پیچھے بھی ہٹے اور آواز میں نرمی بھی پیدا کی۔

انہوں نے سوال کیا۔ تیرا رب کون ہے؟

میرا بھائی تو ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ اس میں جواب دینے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ کرسی نشین نے میرے بھائی کی ڈھارس بندھائی اور توحید کی تلقین کی۔ میرے بھائی نے جواب دیا اللہ میرا رب ہے۔

انہوں نے نبی اکرم کا سوال کیا۔ میرے بھائی نے کرسی نشین کی طرف دیکھا اس نے آنحضور کا نام تلقین کیا۔ میرے بھائی نے جواب دیا۔ محمد ابن عبداللہ میرا رسول ہے۔

پھر انہوں نے امام کا سوال کیا۔ میرے بھائی نے کرسی نشین کی طرف دیکھا۔ کرسی نشین خاموش رہا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں جو گرز اٹھا رکھے تھے ایک نے گرز کو ذرا سی حرکت دی جس سے قبر آگ سے بھر گئی۔ میں تھر تھر کانپ رہی تھی قبر کو آگ سے پر دیکھ کر بیہوش ہو گئی۔ جب مجھے ہوش آیا تو قبر میں مجھے اپنے بھائی کی کوئلہ نما

لاش کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ پھر وہ دونوں ہیبت ناک ہیولے اور کرسی نشین آگئے۔

پہلے کی طرح پھر وہی سلسلۂ سوالات شروع ہوا۔ توحید ورسالت کے سوال کا جواب تو کرسی نشین نے میرے بھائی کو تلقین کیا لیکن جب امامت کا سوال ہوا تو کرسی نشین خاموش ہو گیا۔ پھر وہی آگ کا منظر سامنے آیا۔ میں پھر بیہوش ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو میرے بھائی کے لاشہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ پھر وہی دونوں کرسی نشین آگئے۔ انہوں نے پھر پہلے سوال دہرائے کرسی نشین نے میرے بھائی کو حوصلہ دیا۔ لیکن جب امامت کا سوال ہوا تو کرسی نشین پھر خاموش ہو گیا۔ اس وقت مجھ سے نہ رہا گیا۔

میں نے کرسی نشین کو ذاتِ احدیت کا واسطہ دیا کہ آپ کون ہیں اور اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ توحید و رسالت کا جواب تو میرے بھائی کو بتاتے ہیں لیکن جب امامت کا سوال ہوتا ہے تو آپ خاموش ہو جاتے ہیں۔

کرسی نشین نے فرمایا۔ میں علی ابن ابی طالب ہوں۔ تیرا بھائی توحید ورسالت کا تو قائل ہے لیکن میری امامت کا معتقد نہیں ہے۔ میں توحید و رسالت کے سوال پر تو اسے قائل کرتا ہوں لیکن جب امامت کا سوال ہوتا ہے تو چونکہ تیرا بھائی امامت کا معتقد نہیں اسلئے مجھے خاموش ہونا پڑتا ہے کہ امامت کا جواب یہ خود دے یا جنہیں امام مانتا تھا وہی آگے اسے بتائیں۔

ابھی تک اتنی سی بات ہوئی تھی کہ میرے دیگر اہل خانہ میری تلاش میں قبرستان آگئے جب انہوں نے میری حالت دیکھی تو مجھے بزور قبر سے باہر کھینچا۔ دہشت اور خوف کے مارے میرا بُرا حال تھا۔ مجھے اپنے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ مجھے صرف اتنا معلوم تھا کہ میں دو مرتبہ بیہوش ہوئی ہوں۔ میرے گھر والے مجھے دیکھ کے حیرت زدہ ہو گئے اور ایک دوسرے کو میرے سر کی طرف اشارہ کرنے لگے کسی نے مجھ سے پوچھا کہ تیرے بالوں کو کیا ہوا؟ یہ کیوں سفید ہو گئے ہیں؟ تیرے چہرے پر صد سالہ بوڑھوں کی طرح جھریاں کیوں پڑ گئی ہیں۔ یہ کیا ہوا ہے۔؟

میں نے تمام اہلِ خانہ کو وہ تمام واقعہ بتایا جو میں نے دیکھا تھا۔ اس کے بعد میں اور میرے تمام اہلِ خانہ علی ولی اللہ پڑھنے لگے۔

سرورِ انبیاءؐ نے حضرت علی سے فرمایا ہے۔ یا علی! انسان سے مرنے کے بعد قبر میں سب سے پہلے توحید خالق۔ میری رسالت اور تیری ولایت کا سوال کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ نے تجھے ولی اور میں نے تجھے اپنا وصی بنایا ہے۔ جو بھی توحیدِ خالق اور میری رسالت کے اقرار کے بعد تیری ولایت کا اقرار کرے گا وہ یقیناً جنۃ الخلد میں جائے گا۔

ایک اور مقام پر آپ نے فرمایا ہے۔

ان ولایۃ علی یتساءلون عنھا قبورھم فلا یبقی میت فی مشرق و
ہر ایک سے قبر میں ولایت علی کا سوال کیا جائیگا مشرق و مغرب اور خشکی و سمندر میں

لا عزب ولا بر ولا بحر الا منکر و نکیر یسئلانه عن ولایة امیر المومنین

کوئی ایسا میت نہیں ہو گا جس سے نکیرین ولایت علی کا سوال نہیں کریں گے۔

سید مرتضیٰ کی حکایت اور ان صحیح احادیثِ نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی ہر بے سہارا اور ہر بیکس کے فریاد رس ہیں۔ قبر میں جب نکیرین آتے ہیں اس وقت بھی حضرت علی بذاتِ خود تشریف لا کر توحید و رسالت تلقین کرتے ہیں۔

دل چاہتا ہے عرض کروں۔ میرے آقا جس طرح ہر مظلوم کی داد رسی کرتے ہیں کاش آپ اپنے مظلوم حسین کی داد رسی بھی فرماتے جب یکہ و تنہا رہ گئے تھے اور زخموں سے چور صدائے ھل من ناصر بلند کر رہے تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ علی اکبر اپنے سینہ پر زخم کھا کے اور میرے سینہ میں زخم چھوڑ کے۔ اور عباس وفادار کمر توڑ کے سب چلے گئے ہیں۔ اب کوئی نہیں رہا جو جنگ کرے گا۔ بنفسِ نفیس مصروفِ پیکار ہوئے۔ زخم اس حد تک بکثرت تھے کہ ہر طرف سے خون بجھ بجھ جاتا تھا۔ مارنے والے اس بے شرمی سے وار کر رہے تھے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ اب تیر و سناں اور نیزہ و تلوار کی جگہ تن مظلوم پر نہیں رہی زخموں میں زخم۔ تیروں میں تیر۔ نیزوں میں نیزے اور تلواروں میں تلواریں لگانے لگے۔

آپ کے زخموں کی حالت دیکھ کر ملائکہ نے نوحہ کرنا شروع کیا۔ ذاتِ احدیت سے اجازت مدد مانگی۔ خلاق عالم نے فرمایا۔ جاؤ اگر حسینؑ تمہاری مدد قبول کر لے تو اس کی مدد کرو ملائکہ فوج

در فوج زمینِ کربلا پر آنے لگے۔ اور عرض کیا۔

اے فرزندِ رسول!۔ اے دلِ زہرا! ہمیں آپ کا وہ وقت بھی یاد ہے جب آپ کبھی نانا کی آغوش میں اور کبھی ماں کی گود میں آرام فرمایا کرتے تھے۔ جبریل آپ کو لوری سناتا تھا۔ آپ کا یہ وقت ہم سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ آپ ان سے مدد طلب کر رہے ہیں جو آپ کو ایک قطرۂ آب تک نہیں دیتے آپ ہمیں اجازت دیں ہم آپ کی مدد کریں۔

آپ نے فرمایا۔ یہ امت میرے نانا کی ہے۔ اگر اللہ نے چاہا تو وہ مدد کرے گا اگر اللہ میرے عشق، میری محبت اور میری توحید کا امتحان لینا چاہتا ہے تو پھر مجھے امتحان دینے دو۔

ملائکہ مایوس ہو کر زار و قطار روتے ہوئے واپس پلٹے۔ آپ زخموں کی کثرت اور پیاس کی شدت سے گھوڑے پر سنبھل نہ سکے۔ پہلے تو گھوڑے کی گردن میں اپنے بازو حمائل کئے پھر جب بازو جواب دے گئیں تو زمین پر آئے۔ کئی مرتبہ اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن نہ اٹھ سکے۔

جب شمر شقی نے دیکھا تو اپنی نیزے لہراتی۔ تیر برساتی اور تلواریں چمکاتی فوج سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ زخموں کی کثرت نے دلِ زہرا کو ہلنے کے قابل تک نہیں چھوڑا۔ کیا اب بھی تمہیں فرزندِ فاطمہ کے اٹھ کر لڑنے کی توقع ہے۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ اس کے جسم پر ایک انگلی رکھنے

کی جگہ بھی نہیں ہے۔

آگے بڑھو اور جسم کے ٹکڑے میدان میں بکھیر دو۔ ہر طرف سے نیزے اور تلواریں لے کر یہ سنگدل آگے بڑھے۔ حصین ابن نمیر نے پیاسے لبوں پر تیر مارا۔ فوارہ کی طرح خون اُبلا ابو ایوب غنوی نے دوسرا نیزہ مارا جو دائیں رخسار سے بائیں رخسار کے پار ہوگیا۔ سنان ابن انس نے پہلو پر نیزے سے وار کیا۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

گیارہویں مجلس

نافرمان کے پانچ اعمال

ایک شخص امام حسنؑ کے پاس آیا اور عرض کی حضور! میں گناہگار بھی بہت زیادہ ہوں۔ اور ارتکابِ گناہ کے بعد اپنے کو ملامت بھی کرتا ہوں لیکن ارتکابِ گناہ سے رہ بھی نہیں سکتا، مجھے ایسی نصیحت فرمائیے کہ مجھ سے گناہ چھوٹ جائیں۔

آپ نے فرمایا۔ پانچ کام ہیں وہ کر لے پھر جو چاہے گناہ کر۔ اس نے عرض کیا وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ رزقِ خدا نہ کھا پھر جو چاہے گناہ کر

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی مملکت سے نکل کر کہیں اور چلا جا پھر جو چاہے گناہ کر۔

تیسری بات یہ ہے کہ گناہ کے لئے ایسی جگہ تلاش کر جہاں تجھے کوئی اور نہ دیکھے پھر جو چاہے گناہ کر۔

چوتھی بات یہ ہے جب ملک الموت قبضِ روح کے لئے آئے اسے دھکیل دے پھر جو چاہے گناہ کر۔

پانچویں بات کہ جب داروغہ جہنم تجھے جہنم میں ڈالنا چاہے انکار کر دے پھر جو چاہے کر۔

واضح سی بات ہے گناہ سرکشی کا نتیجہ ہوتے ہیں اور سرکشی لاابالی پن کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حالانکہ انسان از سر تا پا ایک ایک لمحہ میں محتاج ہے۔ مگر باایں ہمہ زندگیٔ دنیائے انسان کو اس طرح اپنے جال میں پھانس رکھا ہے کہ انسان مآل سے آنکھیں بند کئے گناہوں کی دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ جب موت

اچانک انسان کے گریبان میں ہاتھ ڈالتی ہے تو اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ اس وقت انسان کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ اس وقت سوچتا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے تھا اور میں کیا کرتا لیکن وہ ایسا وقت ہوتا ہے جب کچھ بن نہیں پڑتا۔ نہ پشیمانی کا فائدہ ہوتا اور نہ ہی کچھ کرنے کا وقت۔

لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے اس کی وجہ صرف اور صرف غفلت ہے۔ اس غفلت کا علاج صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ انسان قبرستان میں جائے۔ وہاں بیٹھے، مٹی کی ان ڈھیریوں کو دیکھے نگاہِ عبرت کھولے۔ اور سوچے کہ۔ ان قبروں کے باسی بھی ایک دن اسی طرح اکڑ اکڑ کر چلنے والے انسان تھے۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان کے محلات تھے۔ ان کی جائیدادیں تھیں۔ ان کے پاس دولت کے انبار تھے۔ ان کے نوکر تھے۔ ان کی سواریاں تھیں۔ ایک ایک دن میں کئی کئی لباس بدلتے تھے۔ معمولی سی گرد برداشت نہیں کرتے تھے۔ لیکن ان کا انجام کیا ہوا۔

محلات ہیں مگر رہنے والے دوسرے آگئے۔
جائیدادیں ہیں لیکن کھانے والے اور آگئے۔
دولت ہے لیکن قبضہ اوروں کا ہے۔
نوکر ہیں کہ اطاعت دوسروں کی کرتے ہیں۔
سواریاں ہیں کہ سوار بدل چکے ہیں۔
لباس الماریوں میں رکھے ہیں انہیں پہننے کو نہیں ملتے۔

مٹی میں مِلکر مٹی ہو گئے۔
دوست ہیں لیکن محفلیں نہیں جمتیں۔
باپ ہیں بیٹوں کی خبر گیری نہیں کرتے۔
مائیں ہیں مگر بچوں کا حال دریافت نہیں کرتیں۔
بیٹے ہیں مگر والدین سے بے خبر۔
حکمران ہیں مگر پیوندِ خاک
حسین ہیں مگر حسن کو مٹی کھا گئی۔
سرو قد ہیں مگر خاک میں مِل گئے۔
نازک بدن تھے لیکن کیڑوں کی غذا بن گئے۔
نو عروس تھے مگر زینتِ خاک بن گئے۔
عالم تھے مگر کتاب زندگی ورق ورق ہو گئی۔
تاجر تھے لیکن نفع و نقصان سے بے نیاز
سوداگر تھے لیکن بازار قبرستان میں پڑے ہیں۔

بعبرت نظر کن سوئے رفتگان۔ مرجانے والوں سے عبرت حاصل کر۔
کہ فردا شوی عبرت دیگران۔ کل تو بھی زندوں کے لئے عبرت ہوگا

چشم عبرت کھول اور اہلِ قبور کی حالت دیکھ کہ
اپنی جاگیروں اور اپنے سرمایہ سے کفن کے تین ٹکڑوں سے زیادہ کیا لے گئے۔؟ سب کچھ دوسروں نے بانٹ لیا ہے۔ اور سرمایہ دار ہزاروں حسرتیں دل میں لئے مجبور و بے بس تاریکی قبر میں جا سویا ہے۔
ایک مرتبہ کائناتِ قبرستان سے گزرے۔ اور اہلِ قبور کو مخاطب

کر کے فرمایا۔ السلام علیکم یا اھل القبور ورحمة اللہ و برکاتہ
راوی کہتا ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے اہلِ قبور کا جواب سنا۔ وعلیکم السلام ورحمة و برکاتہ یا امیر المومنین۔ آپ نے فرمایا۔ اے اہلِ قبور! کیا تم ہمیں اپنا حال بتاؤ گے یا ہم تمہیں اپنا حال بتائیں؟
اہلِ قبور نے عرض کیا۔ یا امیر المومنین! آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں تو بولنے کی اجازت نہیں ہے آپ ہی اپنا حال بتائیں۔
آپ نے فرمایا۔ لو سنو!
تمہاری بیواؤں سے شادی کر لی گئی ہے۔ تمہاری جائیدادیں تقسیم ہو چکی ہیں۔ تمہارے بچے یتیم اور بے سہارا ہو چکے ہیں۔ تم نے جو مکان بنائے تھے ان میں دوسرے بس رہے ہیں۔ آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا اگر انہیں بولنے کی اجازت ہوتی تو جواب میں اپنا حال یوں بیان کرتے۔ ہمارے کفن بوسیدگی سے پھٹ چکے ہیں۔ ہمارے بال ایک ایک ہو کر بکھر گئے ہیں۔ ہمارے جبڑے اُدھڑ چکے ہیں ہماری آنکھیں ابل کر بہہ گئی ہیں۔ ہماری بینائی ختم ہو چکی ہے۔ ہمارے منہ کیڑوں سے بھر گئے ہیں۔ ہم نے جو بویا تھا کاٹ رہے ہیں۔ جو تجارت کی تھی اس کا نفع اٹھا رہے ہیں۔ ہمارا سودا گھاٹے میں رہا۔ اب اپنے اعمال کے مرہونِ منت ہیں — آخری جملہ ارشادِ الٰہی کی تصدیق ہے — جو کچھ اپنے لئے بھیجو گے اللہ کی طرف سے اس کا ثمر تمہیں مل جائے گا — انسان کے اعمال حسنہ میں سے حضرت سید الشہداء

کی زیارت کے لئے صرف مال بھی ایک عملِ خیر ہے اور عزاداری مظلومِ کربلا میں رقم خرچ کرنا بھی دنیا اور آخرت میں موجب برکت ہوتا ہے۔

منتخب میں ایک روایت اس طرح ہے۔ حضرت موسیٰ نے ایک دن دورانِ کلام با ملک العلام عرض کیا کہ۔ بارِ الٰہا امت محمدیہ کو دیگر تمام امتوں پر فضیلت دینے کی کیا وجہ ہے؟

ذاتِ احدیت نے جواب دیا۔ امتِ محمدیہ میں دس اعمال ایسے ہونگے جو اور کسی امت میں نہیں ہیں۔ انہی دس اعمال کی وجہ سے میں نے امتِ محمدیہ کو تمام دوسری امتوں سے برتر درجہ دیا ہے۔

حضرت موسیٰ نے عرض کی۔ اگر مجھے وہ دس اعمال بتا دیئے جائیں تو میں بنی اسرائیل کو بتاؤں گا وہ انہیں بجالا کر اگر امتِ محمدیہ سے برتر نہ بن سکیں گے تو کم از کم ان کے برابر تو ہو جائیں گے۔ ارشادِ رب العزت ہوا۔ اگر بنی اسرائیل وہ اعمال کرنا چاہتے ہیں تو بڑے شوق سے کریں ہم بتائے دیتے ہیں۔

نماز۔ روزہ۔ زکواۃ۔ حج

جہاد۔ نمازِ جمعہ۔ نمازِ جماعت

قرآن۔ علم۔ اور یومِ عاشور ہیں۔

حضرت موسیٰ نے عرض کیا دوسرے اعمال تو میں سمجھ گیا ہوں لیکن یومِ عاشور کی مجھے سمجھ نہیں آئی یہ کونسا عمل ہے؟

خلاقِ عالم نے فرمایا۔ یومِ عاشور سبطِ مصطفیٰ کے غم میں رونا

رلانا۔ اور رونے کی شکل بنانا اور فرزندِ رسول کے غم میں تعزیہ داری۔ ماتم۔ اور مرثیہ خوانی ہے۔

اے موسیٰ جو کوئی بھی راحتِ دلِ مصطفیٰ کے غم میں روئے گا، رلائے گا، یا رونے کی صورت بنائے گا میں اس کے لئے جنت واجب کر دوں گا۔ جو شخص غمِ فرزندِ نبی میں ایک درہم بھی خرچ کرے گا دنیا میں اس کے مال میں برکت دونگا اور آخرت میں ایک درہم کے عوض ستر درہم عطا کرونگا۔ اس کے تمام گناہ معاف کر دوں گا۔ اے موسیٰ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! جو شخص بھی جگر گوشۂ زہرا پر ایک آنسو بہائے گا خواہ یومِ عاشور روئے یا کسی اور دن میں ایک آنسو کے عوض اسے ایک سو شہید کا اجر دوں گا۔

حضرت موسیٰ نے عرض کیا۔ پروردگار! مجھے اس فرزندِ نبی کی شہادت سے آگاہ فرما کہ۔ یہ کیسا مقتول ہوگا۔ اس کے قاتل کون ہونگے۔ اور وجہ شہادت کیا ہوگی۔؟

خالق عالم نے فرمایا۔ موسیٰ! اس سبطِ رسول کا نام حسین ہوگا۔ یہ حسین نبی کونین کا نواسہ اور آپ کی اکلوتی بیٹی حضرت زہرا کا فرزند ہوگا۔ اس کے قاتل امتِ محمدؐ کے کلمہ گو ہونگے۔ جو اسے کربلا نامی بے آب و گیاہ صحرا میں تین دن کا بھوکا اور پیاسا شہید کریں گے۔ جب یہ مظلوم زخموں کی تاب نہ لا کر گھوڑے سے ناچار و مجبور ہو کر اترے گا۔ اور میری مخلوق کا بدترین شخص اس پیاسے مجروح کا سرِ مبارک زخمی تن پارہ پارہ سے جدا کریگا۔ تو اس کا گھوڑا جو تیروں کی کثرت

کی وجہ سے ذوالجناح (پروں والا) دکھائی دیگا۔ تمام صحرائے کربلا میں خالی زین کے ساتھ دوڑے گا اور فریاد کرے گا۔

الظلیم الظلیم من امۃ قتلت ابن بنت نبیھا۔

اے اللہ! اس امّت کے ظلم سے اس مظلوم کو بچا جو اس کے نانا کی کلمہ گو ہے اور اسے شہید کر رہی ہے۔

امت مسلمہ! مقام فکر ہے کہ جس نواسۂ رسول کو امت رسول قتل کر رہی تھی اس پر ایک حیوان اپنی جان دے رہا تھا۔ کتب مقاتل و تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ۔ نواسۂ رسول زین ذوالجناح سے خود نہیں اترے بلکہ گرے ہیں۔ ذوالجناح آپ کو لشکر اعداء سے تحفظ دینے کی خاطر کبھی ادھر اور کبھی دوڑ رہا تھا۔ کافی دیر بعد ذوالجناح کو اپنی خالی زین کا احساس ہوا۔ کچھ دیر کے لئے رکا اور ایک دلدوز ہنہناہٹ ماری، پھر دائیں بائیں ایک ایک مقتول کے پاس گیا ہر شہید کے جسم پر اپنا منہ رکھ دیتا تھا۔ جب فرزند زہرا کے جسم نازنین پر آکے منہ رکھا اور اپنے مشام میں بوئے امامت محسوس کی آنکھوں سے بیساختہ آنسو بہانے لگا۔ اپنے سر اور پیشانی کو نواسۂ رسول کے خون سے رنگین کیا۔ آنسو بہاتا اور ہنہناتا ہوئے سوئے خیام آیا خیمۂ مظلوم کربلا کے دروازہ پر آکر اپنی زبانِ بے زبانی سے خبر شہادت دی۔ مخدرات عصمت جو جناب سجاد کے خیمہ میں مصروفِ تیمار داری تھیں نے جونہی ذوالجناح کی آواز سنی۔

ثانیٔ زہرا نے پیاسی سکینہ سے فرمایا۔ میری بچی ذرا خیمہ کے

دروازہ پر جا۔ ذوالجناح کی آواز ہے کہیں تیرا بابا تیرے لئے پانی نہ لایا ہو۔ کمسن بچی نے آکر جب ذوالجناح کو دیکھا۔ کہ خالی زین کے ساتھ آیا ہے۔ سر سے چادر اُتار دی۔ خاکِ کربلا سر میں ڈالی ماتم کرتی ہوئی واپس آئی اور روتے روتے عرض کیا۔ پھوپھی جان! میرا بابا کہاں ہے۔؟ گھوڑے کی زین خالی ہے۔ پیشانی پر خون لگا ہوا ہے گھوڑے کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ پھوپھی میں یتیم ہوگئی ہوں جب بنتِ زہرا نے سنا۔ سرِ جناب سجاد جسے زانو پر لئے بیٹھی تھیں کو خاکِ کربلا پر رکھا۔ حیران و پریشان درِ خیمہ پر آئیں تمام مخدراتِ عصمت ساتھ تھیں

حضرت حجت زیارتِ ناحیہ میں فرماتے ہیں فلما رأین النساء

جب مستورات نے گھوڑے کی زین کو خالی دیکھا۔ اپنے بال پریشان کئے، سروں میں خاک ڈالی۔ ذوالجناح کے گرد حلقہ باندھا۔ تمام مستورات کے حلقہ سے آگے بڑھ کر کمسن سکینہ نے اپنے دونوں چھوٹے چھوٹے بازو کھولے آنسو بہائے ذوالجناح کی گردن میں حمائل کئے اور پوچھا۔

یامرکب ابی ھل سقی ام قتل عطشانا۔ اے ذوالجناح مجھے تو صرف اتنا بتادے کہ فرزندِ رسول نے دمِ آخر پانی پیا تھا یا پیاسا شہید ہوا ہے۔

ذوالجناح نے اپنا منہ شہزادی کے قدموں پر رکھا۔ کمسن بچی کے پاؤں گھوڑے کے آنسوؤں سے تر ہوگئے۔ گویا زبانِ حال سے بتا رہا تھا۔ بی بی تیری کمسنی کی قسم! تیرا مجروح بابا پیاسا شہید کردیا گیا ہے

الالعنۃ اللہ علی القوم الظالمین وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

بارہویں مجلس

پانچ مقامات پر اعمال ضبط

نبی کونین سے مروی ہے کہ

جو شخص جنازہ دیکھ کے مسکرائے اللہ اس کی توہین کے ایسے اسباب مہیا کرے گا کہ وہ دنیا کے لئے مذاق بن کر رہ جائیگا۔ اللہ کبھی ایسے شخص کی دعا قبول نہیں کرتا جو شخص قبرستان میں جاکر مسکرائے وہ پہاڑ جیسا گناہ سر پہ لے کے واپس پلٹتا ہے جو شخص جنازہ دیکھکر اس کے لئے مغفرت کرے یا اہلِ قبور کے لئے مغفرت کرے جہنم سے نجات پائے گا۔

دوسرے مقام پر رسولِ کریم سے مروی ہے کہ

جو شخص پانچ مقامات میں سے کسی مقام پر ہنسے یا مسکرائے اللہ اس کے تمام اعمال ضبط کر لیتا ہے۔

پہلا مقام مسجد ہے۔ ذاتِ احدیت نے مساجد کو اپنے گھر سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ وہ مکان و زمان سے منزہ اور بے نیاز ہے۔ مسجد کے خانۂ خدا ہونے کا مقصد یہ ہے کہ مسجد مقام فیضِ الٰہی اور تقرب ایزدی کی جگہ ہے۔ اسی لئے واجب نمازوں کی ادائیگی کے لئے فرامینِ ائمہ میں تاکید کی گئی ہے کہ انہیں مساجد میں ادا کیا جائے گا۔ اور مساجد میں فرائض کی ادائیگی کے ثواب کو دیگر مقامات کی نسبت کئی گنا زیادہ بتایا گیا ہے۔

امام محمد باقر سے مروی ہے کہ نبی اکرم سے کسی نے سوال کیا کہ روئے ارض کا کونسا ٹکڑا زیادہ محبوبِ رب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ مسجد سب سے محبوب رب الارباب ہے اور مخلوق میں سے جو

شخص سب سے پہلے مسجد میں آئے اور سب سے آخر میں مسجد سے نکلے وہی سب سے زیادہ محبوب پروردگار ہوتا ہے۔

سرورِ انبیاء کا ارشادِ گرامی ہے کہ انسان جب مسجد میں داخل ہو کر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ تو شیطان چیخ مار کے کہتا ہے۔ میری کمر ٹوٹ گئی۔ اللہ ایسے شخص کے اعمال میں ایک سال کی عبادت کا ثواب درج کر دیتا ہے۔ اور جب مسجد سے نکلتے ہوئے ایسا کہے اللہ اس کے جسم پر موجود ہر بال کے عوض پانچسو نیکیاں درج کرتا ہے۔ اور ایک سو درجہ بڑھا دیتا ہے۔ جو شخص مسجد میں ایک رات چراغ جلائے اللہ اس کے ستر برس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور ایک سال کی عبادت اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیتا ہے جنت میں اس کے نام سے ایک شہر کی تعمیر فرماتا ہے۔ اگر ایک رات سے زائد راتوں کے لئے چراغ جلائے تو ہر رات کے عوض اللہ اس کے ایک نبی کی تبلیغ کا ثواب عنایت فرماتا ہے۔

مسجد میں نماز کا ثواب :۔

امام صادق سے مروی ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے گھر سے چلے راستہ میں اس کا قدم جس خشک و تر چیز پر پڑے گا وہ چیزیں مع ذراتِ خاک کے اس شخص کے لئے استغفار کرتی ہیں۔

نبی کونین نے فرمایا ہے کہ آپ کے لئے مساجد میں آنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ روئے ارض پر صرف مسجد ہی تو ایسا گھر ہے جسے خانۂ خدا کہا جاتا ہے۔ جو شخص باطہارت مسجد میں داخل ہو خداوندِ عالم

اس کے گناہ معاف فرما کر اسے اپنے زائرین کی فہرست میں شامل کرتا ہے۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ نماز و دعا مساجد میں ادا کیا کرو۔ اور مسجد کے مختلف مقامات پر نماز پڑھا کرو تاکہ مسجد کا ہر ٹکڑا یومِ حشر تمہاری عبادت کی شہادت دے۔ امام صادق نے نبی اکرم سے روایت فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے جو شخص مسجد میں جھاڑو دے گا اللہ اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب عنایت کریگا۔ اگر کوئی شخص آنکھ میں لگائے جانے والے سرمہ کے برابر مسجد کا کوڑا کرکٹ مسجد سے باہر پھینک دے تو اللہ اسے اپنی رحمت کا عظیم حصّہ عنایت فرمائے گا۔

نبی اکرم سے مروی ہے کہ اگر ایک شخص خمیس کے دن اور شب جمعہ مسجد میں جھاڑو لگائے اور آنکھ میں لگائے جانے والے سرمہ کے برابر کوڑا کرکٹ باہر جا ڈالے تو اللہ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

آنحضور نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں وقتِ شب چراغ جلائے جب تک چراغ جلتا رہے گا اس وقت تک تمام ملائکہ اور حاملینِ عرش چراغ جلانے والے کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دن رسول عالمین جب نماز عشاء سے فارغ ہوئے تو ایک سائل نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ اے مہاجرین و انصار میں ایک مفلس اور غریب شخص ہوں میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں مجھے صرف کھانا کھلا دو۔ نبی اکرم مغموم ہو گئے اور اس آدمی

سے فرمایا۔

اے سائل تجھے کیا معلوم کہ غریب کون ہے آئندہ کبھی اپنے کو غریب نہ کہا کر۔ چار چیزیں غریب ہیں۔

وہ مسجد غریب ہوتی ہے جو کسی محلہ بستی یا شہر میں ہو لیکن اس میں نماز پڑھنے والا کوئی نہ ہو۔

وہ قرآن غریب ہوتا ہے جو کسی الماری یا طاق کی زینت ہو لیکن اس کی تلاوت کوئی نہ کرے۔

وہ عالم غریب ہوتا ہے جس سے کوئی علم دین کا مسئلہ نہ پوچھے۔

وہ مسلمان قیدی غریب ہوتا ہے جو کفار میں محبوس ہو۔

نبی اکرم کا اس سائل کو یہ فرمانا کہ تجھے کیا معلوم کہ غریب کون ہوتا ہے۔ تو نے اپنے کو غریب کہلوا کر مجھے غمزدہ کر دیا ہے۔ آپ اپنی اُمّت کو شاید اپنی ذریت کے غرباء کے متعلق بتانا چاہتے ہیں مسلمانو! یوں تو دنیا میں بالعموم اور آلِ رسول میں بالخصوص غرباء بہت زیادہ ہیں لیکن ذریتِ رسول میں چار غرباء ایسے ہیں جنہیں تاریخ نے خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔

پہلا غریب دل بندِ زہرا ہے جس کا لاشہ تین شب و روز صحرائے کربلا میں گرم ریت پر پڑا رہا لیکن کسی مسلمان نے دفن تک نہ کیا۔

دوسرا غریب آلِ محمد کا وہ لٹا ہوا قافلہ ہے جو ایک سال تک ایسے زندانِ شام میں قیدی رہا جس میں نہ سردی سے تحفظ تھا اور نہ

گرمی سے امن تھا۔ شدّتِ گرما سے ساداتیوں کے چہرے سنولا گئے تھے۔

تیسرا غریب اسیرِ بغداد ہے جو زندانِ بغداد میں شہید کیا گیا اور مسلمانوں کی بھری آبادی سے جنازہ اٹھانے والا کوئی نہ آیا۔ چار مزدوروں نے زندان سے جنازہ اٹھایا، بغداد پر بلا دفن رکھ دیا۔

اور چوتھا غریب غریبِ طوس ہے جس کے اٹھارہ بھائیوں اور انیس بہنوں میں سے کوئی ایک بھی وقتِ شہادت پاس نہ تھا۔

دوسرا مقام بزمِ علماء ہے جس میں بلا وجہ ہنسنے سے تمام اعمال اکارت جاتے ہیں۔ جناب ابوذر سے منقول ہے کہ نبی کریم نے فرمایا ہے علماء کی محفل میں حاضر ہونا۔ ہزار رکعت نماز، ہزار مریض کی عیادت اور ہزار جنازہ میں شرکت سے افضل ہے۔ طالب علم کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ملائکہ اپنے پر زمین پر طالب علم کے قدموں تلے بچھاتے ہیں۔ ملائکہ طالبعلم کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ زمین میں ہر موجود اور سمندر میں مچھلیاں تک طالبِ علم کے لئے دُعائے مغفرت کرتی ہیں۔

سرورِ انبیاء کا ارشاد ہے کہ ذاتِ احدیت کی طرف سے یوم حشر تین قسم کے افراد کو عمومی حق شفاعت سے نوازا جائے گا۔ انبیاء، علماء اور شہداء۔ اس ارشادِ نبوی سے اس حدیث کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ مداد العلماء افضل من دماء الشہداء۔ علماء کے قلم کی سیاسی راہِ خدا میں مجاہدین کے خون سے افضل ہے۔

ابن عباس نے نبی کونین سے روایت کی ہے کہ ذاتِ احدیت

نے علماء کو عام مومنین پر ستر درجہ زیادہ فضیلت دی ہے۔ ایک درجہ اور دوسرے درجہ کے مابین پانچسو برس کا فاصلہ ہوگا۔

سرور کونین نے فرمایا ہے کہ مجھے جبریل نے خلاقِ عالم کی طرف سے اطلاع دی ہے کہ افضل الاعمال حصولِ علم ہے۔ حصولِ علم کے بعد دوسرا احسن الاعمال نمازِ پنجگانہ کی بروقت ادائیگی ہے اور تیسرے نمبر پر چہرۂ علماء کی زیارت کرنا افضل الاعمال ہے۔

حضرت علی نے ایک مرتبہ منبرِ کوفہ پر حصولِ علم کے فضائل بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ۔ دین کی تکمیل حصولِ علم اور حاصل کردہ علم پر عمل کرنے میں ہے۔ حصولِ علم حصولِ رزق کی نسبت زیادہ اہم ہے کیونکہ رزق مقسوم ہے۔ اور اس کی ضمانت اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے اور اللہ اپنی ضمانت میں غفلت نہیں کرتا۔ جبکہ علم اللہ نے اہلِ علم کے سپرد فرما رکھا ہے اور اپنی مخلوق کو اہلِ علم سے حصولِ علم کا حکم دے دیا ہے۔ لہٰذا علم تلاش کرنے سے ہی ملے گا۔ از خود نہیں آئے گا۔

تیسرا مقام جنازہ ہے۔ اگر جنازہ کے ساتھ جانے والا یا جنازہ کو دیکھ کر کوئی ہنس دے تو اس کے تمام اعمال ضبط کرلئے جاتے ہیں۔ آنحضور نے جناب ابوذر سے فرمایا کہ جب جنازہ کے ساتھ جاؤ تو تمہارا مقصد۔ آخرت کی فکر۔ خضوع الی اللہ اور اپنے عجز کا اعتراف ہو۔ اس وقت صرف یہ فکر کرو کہ دنیا بے وفا ہے آج جس طرح یہ شخص لوگوں کے کندھوں پر سوار مجبور ہو کر دنیا چھوڑ کر جا رہا ہے کل آپ کی باری بھی آنے والی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علی ایک جنازہ کے ساتھ جا رہے تھے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو ہنس رہا تھا آپ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا: تو ایسے مسکرا رہا ہے جیسے تجھے یقین ہو کہ تو موت سے مستثنیٰ ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تجھے اس بات کا یقین ہے کہ دنیا میں حقوقِ الٰہی کا تجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تجھے یقین ہے کہ جسے آج ہم دفن کرنے جا رہے ہیں کل واپس پلٹ آئے گا۔ حالانکہ تو دیکھ رہا ہے کہ جسے بھی ہم نے دفن کیا ہے وہ آج تک واپس نہیں پلٹا۔ ہم نے ان کی جائیداد بطور میراث آپس میں بانٹ کی ہے۔ عجب ہے ان تمام تر مشاہدات کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو مر رہے ہیں بس وہی مر رہے ہیں ہمیں تو موت آئے گی بھی نہیں۔ کوئی وعظ ہمیں درسِ عبرت نہیں دیتا۔ اور کوئی نصیحت ہم پر اثر نہیں کرتی۔

ابو صالح نے امام صادق سے روایت کی ہے کہ آپ نے مجھے فرمایا کہ۔ اے ابو صالح جب کبھی کسی جنازہ میں شرکت کا موقعہ ملے تو یوں چلا کر جیسے تو خود بھی ایک جنازہ ہے۔ اور ذاتِ احدیت سے اس بات کا سائل ہے کہ مجھے ایک مرتبہ دنیا میں واپس جانے دے تاکہ مافات کی تلافی کر سکے۔ جب دفن کرنے کے بعد واپس پلٹے تو یوں سمجھا کر کہ خلاقِ عالم نے تیری دعا قبول کر لی ہے اور تجھے ایک نئی زندگی عطا کی ہے۔ اپنے اعمال پر نظرِ ثانی کیا کر۔

اے ابو صالح مجھے یہ دیکھ کر انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ لوگ مرنیوالوں کو اپنے ہاتھ سے جا کر دفن کرتے ہیں۔ آج تک جتنے

افراد کو دفن کیا گیا ہے ان میں سے کوئی بھی پلٹ کر واپس نہیں آیا۔ دفن کرنے والوں کو یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ انجام ہمارا بھی موت ہی ہے جس طرح ہم دوسروں کو دفن کر کے آئے ہیں۔ اسی طرح ہمیں بھی لوگ سپرد زمین کر کے آئیں گے۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود بھی لوگ لہو و لعب اور کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ کیسی غفلت ہے۔

رفتند رفیقان و رسیدند بمنزل تمام دوست چلے گئے اور اپنی منزل پر پہنچ گئے
در خواب غروری تو ہنوز اے دل غافل مگر اے دل تو تاحال تکبر اور غفلت میں پڑا ہے

اے عزیز آپ کا آفتاب عمر غروب ہونے کو ہے۔ آپ کے جسم عزیز کو آپ کے چاہنے والے آپ کے بستر خواب سے اٹھا کر تابوت میں رکھیں گے اور بہت سرعت کے ساتھ تیرے جسم کو قبر کے گڑھے میں جا ڈالیں گے۔

حالاتِ میت۔

ارشادِ نبوی ہے کہ میت کے حالات میں سے بدترین وہ وقت ہوتا ہے جب غسال تختۂ غسل پر لٹا کر کپڑے اُتارنے کا اِرادہ کرتا ہے۔ اس وقت روح میت غسال کو ذاتِ احدیت کا واسطہ دے کر کہتی ہے کہ برائے خدا کپڑے بھی آہستگی سے اُتارنا اور غسل بھی آرام سے دینا میرے اس جسم کا جوڑ جوڑ ملک الموت کی ہیبت سے جدا ہو چکا ہے اور تمام جسم تاحال دکھ رہا ہے۔

اے عزیز بھائی آپ نے فرمانِ رسالت سن لیا ہے، کہ روح فریاد کرتی ہے کہ میرا جسم ٹوٹ چکا ہے۔ حالانکہ ظاہری اعتبار سے نہ

جسم پر کوئی زخم ہوتا ہے نہ تیر کا نشان ہوتا ہے نہ نیزے کا وار ہوتا ہے۔ ذرا ایک منٹ کے لئے آپ اس تن پاش پاش کا تصور کریں جس پر نیزے ٹوٹ گئے تھے۔ تیر پار ہو چکے تھے پتھروں کے چالیس اونٹ ختم کر دیئے گئے تھے۔ شمال کی ہوا جنوب کو اور جنوب کی ہوا شمال کو گزر رہی تھی۔ مگر بایں ہمہ اشقیائے کوفہ و شام کے دل میں رحم و ترس نام کو نہ تھا۔ جگر گوشۂ زہرا کے پارہ پارہ جسم پر تار تار قمیص جس میں ایک ہزار نو سو پچاس سوراخ تھے بھی اتار کر لے گئے۔

ملعونِ ازلی اسحاق حضرمی کتنا سنگدل تھا جس نے جسم نازنین پر اس پیراہن کو بھی نہ رہنے دیا۔ سید ابن طاؤس کی روایت کے مطابق مولا حسین کے اس قمیص کی کوئی جگہ سالم نہ تھی۔ ظالم اسحاق نے پہلے تو قمیص کو سر کی طرف سے اتارنے کی کوشش کی لیکن جب دیکھا کہ پیراہن جسمِ مظلوم سے چمٹ چکا ہے بعض مقامات پر تو تیر و سنان کی نوک کے ساتھ پیراہن بھی زخموں کے اندر بھرا ہوا ہے تو اس ظالم نے پیراہن کا دامن پکڑا اور دونوں ہاتھوں سے کھینچ لیا جس سے بند زخموں کے منہ کھل گئے۔ جتنا درد زخم کا ہوتا ہے اتنی ہی تکلیف اس پر چمٹے ہوئے کپڑے کو چھڑانے کا ہوتا ہے۔ پھر زخم باری باری لگے تھے جبکہ پیراہن کھینچتے وقت تمام زخم بیک وقت رسنے لگے۔

سخت ترین حالات میت۔

حضرت علی سے منقول ہے کہ میت کے لئے سخت ترین حالت وہ ہوتی ہے جب غسال غسل سے فارغ ہو جاتا ہے۔ کفن پہنا دیا جاتا

ہے اور میت کو قبرستان کی طرف لایا جاتا ہے۔ جب میت کو کنارِ قبر رکھا جاتا ہے تو حکم اسلام ہے کہ پہلے دو مرتبہ رکھا جائے پھر اُٹھایا جائے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میت کو قبر کے لئے آمادہ کیا جائے اور اسے بتایا جائے کہ تیری آخری قیام گاہ اب قریب آچکی ہے۔ اَب نہ کوئی دوست آپ کے ساتھ رہے گا نہ کوئی عزیز آپ کے ساتھ ہوگا۔ تجھے اس مکان میں تنہا سلایا جائے گا جہاں نہ بستر ہوگا اور نہ چراغ۔ اگر تجھے بستر کی ضرورت ہے تو فرشِ قبر کی خاک تیرا بستر ہوگا۔ اگر ساتھیوں کی ضرورت ہے تو حشرات الارض تیرے ساتھی ہونگے۔

اگر زندگی میں تجھے یہ اطلاع مل جائے کہ حاکمِ شہر تجھ پر بڑا ناراض ہے کل تجھے اپنے دربار میں حاضر کر کے سوال کرے گا اگر تیرا جرم ثابت ہوگیا تو بہت بُری اور المناک سزا دے گا۔ اس اطلاع کے بعد تیرا چین و سکون غارت ہو جاتا ہے۔ تو اپنے کو بیگناہ ثابت کرنے کی خاطر ہزاروں جتن کرتا ہے۔ سفارشیں تلاش کرتا ہے۔ اپنی بیگناہی کے گواہ تلاش کرتا ہے۔ اپنی ضمانت کا انتظام کرتا ہے۔ لیکن اے غافل اس شہر میں تجھے جانا ہے جہاں تیری بیگناہی ثابت کرنے کے لئے نہ تو تجھے کوئی گواہ ملے گا اور نہ کوئی ضامن۔ وہاں تو صرف تو اور تیرے اعمال ہوں گے۔ آج نہیں تو کل بہرحال آپ کو پہنچایا جائے گا۔ اگر اس ناپائیدار دنیا میں کسی کو ہمیشہ رہنا ہوتا تو آنحضور ہمیشہ کے لئے رہ جاتے کسی شاعر نے آپ کا مرثیہ لکھا

ہے جس کا ایک شعر یہ ہے۔

ولو کان لدنیا دوام وسرمد — اگر اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہوتا تو

لکان رسول اللّٰہ فیہ مخلدا — سرور انبیاء ہمیشہ رہ جاتے۔

کیونکہ کائناتِ عالم کا وجود ہی حبیبِ خدا کے وجودِ اقدس کے طفیل ہے۔ لولاک لما خلقت الافلاک کے مطابق کائنات کو ذاتِ احدیت نے پیدا ہی آنحضور کی خاطر کیا ہے۔ جب علت غائی ممکنات اس دارِ فانی میں ہمیشہ کے لئے نہ رہے تو پھر دوسرا کون ہے جو ہمیشہ کے لئے رہ جائے۔ اگر یہ دنیا ہمیشہ رہنے کے لئے ہوتی تو نواسۂ رسول ہمشکل نبی جیسے بیٹے اور زورِ کمرِ عباس باوفا جیسے بھائی کو قربانگاہِ کربلا میں نہ لاتے۔

نیک بخت اور خوش بخت انصارِ مولا حسین میں سے وہب ابن عبداللہ کلبی بھی ایک تھا۔ جو حسن و جمال اور شباب و رعنائی میں اپنی مثال آپ تھا۔ سترہ دن کا شادی شدہ تھا۔

غالباً وہب اپنی ماں قمر اور بیوی کو لے کے جا رہا تھا۔ راستہ میں میدانِ کربلا پڑتا تھا جب جنگ کا نقشہ دیکھا تو پوچھا کہ کون کون لڑ رہے ہیں؟

کسی نے جواب دیا لڑائی تو ہوتی ہے جب دونوں طرف سے لشکروں کی تعداد میں کوئی مناسبت ہو۔ یہاں ایک طرف بہتّر پیاسے ہیں اور دوسری طرف ہزاروں کی تعداد میں تازہ دم سپاہی ہیں۔

وہب نے پوچھا۔ ہیں کون کون؟

اس نے بتایا ایک طرف فرزندِ رسول ہے اور دوسری طرف جگر خوار ماں کے پوتے یزید کی فوج ہے۔

وہب نے جب ماں کو بتایا تو قمر نے کہا بیٹے میں کئی راتوں سے دخترِ نبی کو عالمِ خواب میں پریشان حال نوحہ کناں دیکھ رہی تھی آج مجھے تو اپنے خواب کی تعبیر مل گئی ہے۔ اگر مجھے راضی کرنا چاہتا ہے تو جا۔ اپنی جان فرزندِ زہرا کے قدموں میں ڈال دے۔

وہب نے عرض کیا۔ ماں تو جانتی ہے میرے جسم میں تیرا دودھ ہے جتنی محبت تجھے آلِ رسول سے ہے اتنی ہی مجھے بھی ہے لیکن ہمارے ساتھ آپ کی نو بیاہتا بہو بھی تو ہے۔

جناب قمر نے فرمایا بیٹے تو سچ کہہ رہا ہے۔ جا اپنی دلہن کو حقیقتِ حال سے آگاہ کرکے اسے اس بات پر آمادہ کر کہ وہ تیری شہادت کا صدمہ برداشت کرنے کا تجھ سے عہد کر لے۔

جناب وہب اپنی بیوی کے پاس آئے اسے تمام واقعہ سنایا۔

اس مخدرہ نے کہا۔ وہب میں بھی مسلمان ہوں۔ محمد کو خاتم النبیین مانتی ہوں۔ مجھے بھی دخترِ رسول اور ذریتِ رسول سے اتنی محبت ہے جتنی تمہیں ہوگی۔ میں ہر غم بخوشی قبول کر لوں گی لیکن ایک شرط پر۔

وہب نے کہا وہ کیا شرط ہے۔؟

اس خوش نصیب نے کہا۔ وہب میں جانتی ہوں کہ جونہی تو نے اپنا سر نواسۂ رسول کے قدموں میں قربان کیا حورانِ جنت تیرا استقبال کریں گی۔ اور جنت میں تو فرزندِ رسول کا پڑوسی ہوگا۔ میرے ساتھ

چل کر فرزندِ رسول کے سامنے یہ معاہدہ کر کہ تو جنت میں میرے بغیر داخل نہیں ہوگا۔

وہب نے کہا مجھے یہ شرط منظور ہے۔

دونوں میاں بیوی چل کر فرزندِ رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ زوجہ وہب نے عرض کیا۔ قبلہ عالم میری دو درخواستیں ہیں۔ ایک کا تعلق آپ سے ہے اور دوسری کا تعلق میرے شوہر سے ہے۔ آپ نے سر بلند کیا اور دونوں سے فرمایا۔

دیکھو تم جو کچھ کہتے آئے ہو مجھے معلوم ہے۔ میں تمہیں کہوں گا۔ تمہاری شادی ابھی ہوئی ہے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ وہب تیری قربانی سے میں بچ نہ سکوں گا۔ اپنی زوجہ کو سترہ دنوں کے بعد بیوہ نہ کر۔

دونوں میاں بیوی نے آپ کے قدموں پر سر رکھ دیئے۔ رو کے عرض کیا۔ آقا آپ ہمیں قربانی دینے سے منع نہ فرمائیں ہم احساسِ محرومی کا شکار ہو جائیں گے۔ ہم دیکھ رہے ہیں۔ ہمشکل نبی کا لاشہ پڑا ہے۔ ہم سے کمسن نو داماد حسن کے لال پر بھی یتیمیؑ آنسو بہا رہی ہے۔

زوجۂ وہب نے عرض کیا آقا آپ میری درخواست قبول فرمالیں اور وہب سے سفارش فرمائیں کہ وہ بھی میری درخواست قبول کر لے۔ اور آپ کے سامنے مجھ سے عہد کر لے۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹی بتا تیری کیا خواہش ہے۔

زوجۂ وہب نے عرض کیا۔ مولا میری آپ سے درخواست یہ ہے کہ آپ مجھے اپنی بہن کے حوالہ کر دیں تاکہ میں اس کی نعلین برداری

کا شرف حاصل کر سکوں۔

اور وہب میرے ساتھ وعدہ کر لے کہ فردائے محشر میرے بغیر جنت میں نہیں جائے گا۔

آپ نے رو کے اس مخدرہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا بیٹی تو کیا سمجھتی ہے میرے اہلبیت میں شامل ہو کر تو محفوظ رہ جائے گی بس تمہاری وہب کی قربانی میں منظور کرتا ہوں تو ایسا کر کہ میرے اہلبیت کے خیام میں جانے کی بجائے وہب کی ماں کے ساتھ میری زندگی میں میدانِ کربلا سے دُور چلی جا تجھے کیا معلوم میرے بعد کیا ہو گا۔

وہب نے عرض کیا مولا اگر ایسی کوئی بات ہے تو پھر میں اس وقت تک اپنی بیوی سے کوئی وعدہ نہیں کروں گا جب تک کہ یہ میرے ساتھ اس بات کا وعدہ نہ کرے کہ تا زندگی دخترِ زہرا کے قدموں سے دور نہ ہو گی۔

زوجۂ وہب نے فوراً وعدہ کیا۔ وہب نے بھی اپنا وعدہ دہرایا اور دلبندِ زہرا کو اپنا گواہ بنایا۔ وہب نے آپ سے اجازت لی۔ میدانِ کارزار میں آیا۔ رجز خوانی کی۔ کتنے ملاعین کو واصلِ جہنم کیا۔ اپنی ماں کے پاس آیا اور عرض کیا۔ ماں اب تو راضی ہے۔

ماں نے فرمایا۔ بیٹے راضی تو ہوں لیکن مجھے خوشی اس وقت ہو گی جب تیرا سر فرزندِ رسول کے قدموں میں دیکھوں گی۔ وہب نے ماں کے قدموں پر ہاتھ رکھا اور سوئے میدان آیا۔ مادرِ وہب میدان کے کنارے کھڑی بار بار پکار رہی تھی۔ بیٹے فرزندِ زہرا کی نصرت میں اپنی جان

قربان کر دے۔

امام حسین وہب کی جنگ اور مادرِ وہب کی پکار دونوں کی طرف متوجہ تھے، آپ نے رو کے فرمایا۔ اے قمر خدا اور رسول تجھ سے راضی ہوں تو نے دلِ زہرا کو خوش کر دیا ہے۔ میں فرزندِ رسول تجھے زندگی میں جنت کی بشارت دیتا ہوں۔

اسی اثنا میں ایک ملعون نے وہب کے دائیں ہاتھ پر وار کیا ابھی تلوار دوسرے ہاتھ میں نہ پکڑی تھی کہ دوسرے ملعون نے بائیں بازو کو قلم کر دیا۔ وہب گھوڑے سے زمین پر آیا اور علیک السلام یا ابن رسول اللہ۔ پکارا، اتنے میں کئی ظالم آئے بڑھے اور سر کو تن نازنین سے جدا کر دیا۔ ایک ظالم نے آگے بڑھ کر سر اُٹھایا اور جناب قمر کی طرف اچھال دیا۔ اس مخدرہ نے سر کو اٹھایا۔ لبوں پر بوسہ دیا۔ سینہ سے لگایا۔ پھر اپنی بہو کے پاس آئی اور اسے سر دیا۔ اس نے سر لیا اپنا چہرہ وہب کے خون آلود چہرے پر رکھا۔ کچھ دیر بعد وہب کی ماں نے کہا بیٹی اب سر اپنے آقا کے قدموں میں رکھ دے۔ لیکن بی بی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جناب قمر نے آگے بڑھ کر سر لینا چاہا اور خاموش بہو کو ہلایا تو یہ مخدرہ بیساختہ زمین کربلا پر دراز ہو گئی۔ مادرِ وہب نے دیکھا تو اپنے شوہر کے ساتھ جنت الفردوس میں جا چکی تھی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب وہب گھوڑے سے زمین پر آیا تو یہ مخدرہ آگے بڑھی اور اشقیاء کے گھیرا کو توڑ کر اپنے شوہر کی لاش پر آئی شمر ملعون نے ایک سپاہی کو حکم دیا۔ اس نے آہنی گرز اس مخدرہ

کے سر پہ لگایا جس سے اس بی بی کا سر وہب کے سینہ پر پاش پاش ہو گیا۔

چوتھا مقام ۔ اگر کوئی شخص قبرستان میں دنیاوی باتیں کرے یا ہنسے تو اس کے اعمال ضبط کر لئے جاتے ہیں کیونکہ قبرستان مقام عبرت ہے

پانچواں وہ مقام ہے جہاں تلاوتِ قرآن ہو رہی ہو اگر ایسے مقام پر کوئی شخص ہنسے تو اس کے تمام اعمال ضبط کر لئے جاتے ہیں کیونکہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ ایک ضابطہ حیات ہے، جو قابل احترام ہے جو شخص اللہ کے اس ضابطہ حیات کا احترام نہیں کرتا اللہ اس کی کوئی پروا نہیں کرتا۔

امام سجاد فرماتے ہیں کہ جو شخص معنی سمجھے بغیر تلاوتِ قرآن کی طرف توجہ کرے خداوندِ قدوس اس کا ایک گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی کا اضافہ کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص قرآنِ کریم سے ایک حرف حفظ کر لے تو اللہ اس کے نامہ اعمال سے دس گناہ محو کر دیتا ہے۔ دس نیکیوں کا اضافہ کر دیتا ہے اور دس درجے اسے ترقی عنایت فرماتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا کہ مذکورہ ثواب میں نے ایک آیت کے حفظ کرنے پر بتایا ہے۔ بلکہ ب۔ ت۔ جیسے ایک حرف کے حفظ کا ثواب بتایا ہے۔

اگر کوئی شخص بعد از نماز بیٹھ کر قرآن کے ایک حرف کی تلاوت کرے تو اللہ اس کے نامۂ اعمال سے پچاس گناہ مٹا دیتا ہے، پچاس نیکیوں کا اضافہ کر دیتا ہے اور پچاس درجے ترقی دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر قرآن کے ایک حرف کی تلاوت کرے اللہ اس کے

نامۂ اعمال سے سو گناہ مٹا دیتا ہے۔ سو نیکیاں مزید لکھ دیتا ہے اور سو درجے ترقی دیتا ہے۔

ایک حدیث نبوی ہے کہ جب کوئی بندۂ مومن قربۃً الی اللہ ایک مرتبہ خلوصِ دل سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت کرتا ہے تو ذاتِ احدیت کی طرف سے اس کے نامۂ اعمال سے چار ہزار گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں، چار ہزار نیکیوں کا اضافہ کر دیا جاتا ہے اور چار ہزار درجات کی ترقی دی جاتی ہے۔

نبی اکرم نے ایک دن واقعاتِ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب میں جنت کی سیر کر رہا تھا تو میں نے جنت میں پانی، دودھ، شراب اور شہدِ خالص کی چار نہریں بہتی دیکھیں۔ میں جبریل کو کہا کیا بتا سکتا ہے کہ یہ چاروں نہریں کہاں سے آتی ہیں اور کہاں جاتی ہیں؟ جبریل نے عرض کیا، حضور! میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ چاروں نہریں حوضِ کوثر میں جا گرتی ہیں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ آتی کہاں سے ہیں؛ اسی اثنا میں ایک ملک میرے قریب آیا، پر پھیلائے اور عرض کیا میرے پروں پر سوار ہو جائیں۔ میں سوار ہو گیا۔ وہ مجھے اڑاتا ہوا ایک باغ میں لایا۔ اس باغ کے وسط میں لعل و زبرجدِ سبز سے ایک قبہ بنا ہوا تھا فرشتہ نے مجھے قبہ کے قریب اُتار دیا اور عرض کیا قبہ کے اندر تشریف لے جائیے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ چاروں نہریں کہاں سے نکلتی ہیں۔ میں نے دیکھا تو قبہ پر زرِ سرخ کا تالہ پڑا ہوا تھا میں دروازہ کے قریب آیا۔ اور تالہ پر ہاتھ رکھ کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا تالہ کھل گیا

میں اندر داخل ہوا دیکھا تو مکان کے چار کونوں میں سے ہر کونہ سے ایک ایک نہر نکل رہی ہے۔ جب ذرا قریب ہوا تو دیکھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو مکان کے چاروں کونوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے اور ہر لفظ سے ایک ایک نہر نکل رہی ہے۔

- بسم کی میم سے دودھ کی نہر۔
- اللہ کی ہا سے پانی کی نہر۔
- رحمٰن کی میم سے شراب کی نہر اور
- رحیم کی میم سے شہدِ خالص کی نہر نکل رہی ہے۔

ذاتِ احدیت نے فرمایا۔ اے محمد! تیری امت سے جو کلمہ گو بھی خلوصِ دل سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت کرے گا اسے بعد از قیامت انہی چار نہروں سے سیراب کروں گا۔

تلاوتِ قرآن کے آداب۔

آخر ایسا کلام جو بلا واسطہ ذاتِ احدیت کی طرف سے نازل ہوا ہے
ایسا کلام جس کی فصاحت نے فکرِ انسان کو عاجز کر دیا ہو۔
ایسا کلام جس کی تلاوت سے شیرینی میں اضافہ ہوتا ہے۔
ایسا کلام جو حقائق کا بحرِ ناپیدا کنار ہے۔
ایسا کلام جو معارف الٰہیہ کا بحرِ مواج ہے۔
ایسا کلام جو سیاست بھی ہے اور ادب بھی ہے۔
ایسا کلام جو علم بھی ہے اور حکمت بھی ہے۔
ایسا کلام جو دین بھی ہے اور دنیا بھی ہے۔

ایسا کلام جو درسِ شرافت ہے۔
ایسا کلام جو معلمِ انسانیت ہے اور
ایسا کلام جو معراجِ انسانیت ہے۔

ہر اہلِ ایمان کا ملجا۔ ہر کمزور کا سہارا۔ اور ہر نادار کی دولت ہے۔ اس کا پڑھنا اور اس کا سننا بھی ایک عظیم عمل ہے۔ قرآنِ کریم کی تلاوت کے آداب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

آدابِ ظاہریہ اور آدابِ باطنیہ

آدابِ ظاہریہ

تلاوت کرنے والا باوضو ہو۔ پرسکون ہو۔ باوقار ہو۔ سیدھا بیٹھا ہو۔ کسی چیز کا سہارا نہ لے رکھا ہو۔ پاؤں پسار کے نہ بیٹھے۔ اس طرح بیٹھے جس طرح ایک اولوالعزم ہستی کے سامنے بیٹھا جاتا ہے۔ آرام سے تلاوت کرے۔ المختصر علمائے فقہ نے جو آداب اپنی کتب میں تحریر فرمائے ہیں ان کو مدِ نظر رکھے۔

آدابِ باطنیہ

۱۔ ذہنِ قاری میں کلامِ الٰہی کی عظمت اور علوِ مرتبہ راسخ ہو۔
۲۔ صاحبِ کلام کی عظمت قاری کے ذہن میں ہو جس کا کلام ہے وہ کتنا عظیم اور برتر ہے۔
۳۔ دورانِ قرأت خشوع و خضوع کے ساتھ کامل عجز و انکساری ہو۔
امام صادق سے منقول ہے کہ قرأت قرآن کے لئے تین چیزیں

ضروری ہیں۔

دل خاشع۔ ذہن پرسکون۔ اور مکان خلوت آشیاں۔

دل میں خشوع ہوگا تو شیطان دور رہیگا۔

جب فکر پرسکون ہوگی تو دل مائل بتلاوت قرآن ہوگا۔

جب خلوت و تنہائی میسر ہوگی تو ذہن و فکر بارگاہِ خالق سے مربوط ہوں گے۔

مذکورہ شرائط کے ساتھ جب کوئی تلاوت قرآن کرے گا تو اس کے سامنے اسرار و رموز قرآن ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح منکشف ہوتے چلے جائیں گے۔ جب افعال الٰہیہ مثلاً تخلیق ارض و سما تکوین کائنات اور اجزائے ابر و باراں کی زیارت کی تلاوت کرے گا تو عظمتِ الٰہیہ کے نور سے دل معمور ہو جائیگا۔ جنت کی تصویر کشی کرنے والی آیات کی تلاوت کرے گا تو دل جنت کی طرف کھنچے گا اور فکر ایسے اعمال کی تلاش کرے گی جن سے حصول جنت آسان ہوتا ہے۔ جب عذاب جہنم کی تلاوت کرے گا تو ہوش و ضمیر قاری کو ایسے افعال سے منع کرینگے جن کا ارتکاب عذاب الٰہی کا موجب بنتا ہے۔ جب

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ ۝ وَاُمِّہٖ جس دن انسان اپنے بھائی ماں، اور
وَاَبِیْہِ ۝ وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیْہِ ۝ اولاد سے دور بھاگے گا۔

کی تلاوت کرے گا تو اسے اس دنیا کی ناپائیداری اور ان دنیاوی رشتوں کی بیوفائی کا پتہ چلے گا۔

مجالس المومنین میں مروی ہے کہ جس دن اولین و آخرین سب

سب میدانِ محشر میں جمع تمام انبیاء۔ اوصیاء۔ شہداء اور علماء منابرِ نور پر جلوہ فگن ہوں گے۔ ہر ظالم اور ہر مظلوم محشور ہوگا۔ حتیٰ کہ۔ اذا الوحوش حشرت۔ کے ارشاد الٰہی کے مطابق حیوانات تک محشور ہوں گے۔ ہر نبی کی امت اپنے نبی کے گرد حلقہ زن ہوگی۔ نفسا نفسی کا عالم ہوگا نامہ ہائے اعمال کھلے ہوئے ہر ایک کے ہاتھ میں ہوں گے۔ سورج کی تمازت ناقابلِ برداشت ہوگی۔ عرق ندامت میں ہر شخص غوطہ زن ہوگا ہر مظلوم ظالم کے خلاف دعویٰ دائر کر رہا ہوگا۔ حتیٰ کہ بے سینگ حیوان سینگ والے حیوانات کے مظالم سے قصاص کا مطالبہ کر رہے ہوں گے۔ چڑیا باز کے مظالم کے خلاف داد خواہ ہوگی۔ ہر مقتول کی فریاد ہوگی بارِ الٰہا میرے قاتل سے سوال کر مجھے کس جرم میں قتل کیا تھا۔ انہی حیوانات میں مظلوم گھوڑے بھی ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں تمام حیوانات میں سے زیادہ مظلوم ذوالجناح ہوگا۔ جسم خون آلود ہوگا آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہوں گے۔ دونوں طرف سے تیروں کی کثرت نے پر بنا رکھے ہوں گے اور عرض کرے گا۔

اے عادل حقیقی۔ مجھے تیر مارنے والوں سے پوچھ کس جرم میں مجھ پر تیر باری کی گئی تھی۔ ذوالجناح کے ساتھ شہزادہ علی اکبر کا مجروح گھوڑا ہوگا۔ ذوالجناح کے دوسری طرف حضرت عباس باوفا کا گھوڑا ہوگا۔ پھر شہدائے کربلا میں سے ہر شہید کا گھوڑا ہوگا۔ اس وقت میدان محشر میں ان مظلوموں کی فریاد سے ایک عظیم شور بلند ہوگا۔

فریاد از آں زماں کہ جوانانِ اہلبیت — سرہا بکف گرفتہ بمحشر قدم زنند

اس وقت کیا ہوگا جب اہلِ بیت کے پیاسے نوجوان اپنے کٹے ہوئے سر اپنی ہتھیلیوں پر سجائے میدانِ محشر میں آئیں گے۔

تمام اہلِ محشر دیکھ رہے ہوں گے کہ کربلا کے پیاسے شہید صف بستہ دربارِ خالق میں آئیں گے۔ جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوگا کسی کے سینہ پر برچھی کا نشان کسی کے بازو کٹے ہوئے، کسی کے گلوئے نازنیں پر سہ شعبہ تیر کا داغ۔ ہر شہید کا سر اس کے ایک ہاتھ پر رکھا ہوگا۔ اور دوسرے ہاتھ میں قاتل کا دامن ہوگا۔ عدالتِ عالیہ میں حاضر ہوگا۔

ان تمام شہداء میں تین شہید ایسے بھی ہوں گے جو اپنے قاتل کو لا نہ سکیں گے۔ پہلا شہید بنتِ رسول کا محسن ہوگا جو دنیا میں آنے سے پہلے شہید کیا گیا تھا۔ دوسرا شہید لختِ دلِ رباب ہوگا میں نہیں سمجھا کہ ان کے قاتلوں کا دامن کس کے ہاتھ میں ہوگا اور تیسرا شہید فرزندِ رسول ہوگا۔ عرض کرے گا بارالٰہا دیگر تمام شہداء کا تو ایک قاتل تھا وہ ان کے دامن میں ہاتھ ڈال کر لے آئے ہیں لیکن میرا بایاں ہاتھ ایک ہے اور میرے قاتل ہزاروں ہیں۔ میں ایک ہاتھ سے کس کس کا دامن پکڑوں۔ کسی نے تیر مارا تھا کسی نے نیزہ مارا تھا۔ کسی نے تلوار کی ضرب لگائی تھی۔ کسی نے خنجر سے وار کیا تھا۔ جس کے پاس اور کچھ نہ تھا اس نے پتھر مارا تھا جسے پتھر نہ مل سکا تھا اس نے ریگِ کربلا کی مٹھیاں بھر بھر کے پھینکی تھیں۔

اسی اثنا میں اسی طرف سے گریہ و بکا اور نالہ و شیون کی صدا بلند ہوگی۔ جب اہلِ محشر دیکھیں گے تو ایک بے پالان اونٹوں کا قافلہ ہوگا۔

قافلہ سالار کے گلے میں طوق، ہاتھوں میں رسیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ہونگی بیماری سے کمر جھکی ہوئی ہوگی۔ دائیں طرف پانچ برس کا کمسن بچہ رسن بستہ ہوگا۔ اونٹوں پر پسِ گردن دست بستہ مستورات ہوں گی۔

جب دخترِ رسول یہ منظر دیکھیں گی تو میدانِ محشر میں غش کھا کر گر جائیں گی۔ آنحضور منبرِ نور چھوڑ کر نیچے آئیں گے بیٹی کا سر اپنی جھولی میں رکھیں گے جب افاقہ ہوگا آوازِ قدرت آئے گی زہرا جنت کے دروازے کھلے ہیں۔

بی بی عرض کرے گی بارِالٰہا۔ وہ ماں جنت میں کیسے جائے گی جس کے دودھ کو میدانِ کربلا میں اس بیدردی سے تقسیم کیا گیا ہو۔
وہ ماں جنت میں کیسے جائے گی جس کی بیٹیوں کو رسن بستہ بازاروں اور درباروں میں تشہیر کرایا گیا ہو۔

لا ادخل الجنۃ حتیٰ ادی ما صنع بولدی۔ بارِالٰہا میں اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گی جب تک میں میدانِ کربلا کا نقشہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔

تیرہویں مجلس

توارت میں پانچ نام

امام حسن سے مروی ہے کہ ایک دن یہودیوں کا ایک گروہ نبی اکرم کے پاس آیا اور انہوں نے آپ سے چند سوالات پوچھے ان سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ۔

اے نبی کونین آپ ہمیں بتائیں کہ توراث میں وہ کونسے پانچ کام ہیں کہ بنی اسرائیل کو حضرت موسٰی کی اطاعت کے بعد ان کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔؟

آپ نے فرمایا۔ تمہارے سوال کا جواب تو میں دونگا لیکن کیا تم میری قسم کھا کے مجھ سے یہ عہد کرو گے کہ اگر میرا جواب درست ہوا تو تم خلوصِ نیت سے مجھے رسول تسلیم کر لو گے۔ تمام نے بیک زبان عہد کیا۔

آپ نے فرمایا پہلی چیز جو توراث میں لکھی ہے وہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ہو گا۔ اور عبرانی میں محمد کا ترجمہ طاب ہے۔ آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی۔

یجدونہ مکتوبا فی التوراۃ	توراث اور انجیل ہر دو میں یہ لکھا ہوا
والانجیل ومبشراً برسول	ہے کہ ہم تمہیں اس رسول کی بشارت دیتے ہیں
یاتی من بعدی اسمہ احمد	جو ہمارے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہو گا۔

اسی صفحہ کی دوسری سطر پر میرے وصی علی ابن ابیطالب کو بطور وصی لکھا گیا ہے۔ اسی صفحہ کی تیسری اور چوتھی سطر پر میرے دونوں سرداران جوانان جنت بیٹوں حسن اور حسین کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ اور اسی صفحہ کی پانچویں سطر پر میری اکلوتی بیٹی زہرا کا نام لکھا ہوا

ہے کہ سیدۃ نسائے عالمین ہے۔ تورات میں میرے وصی کا نام الیا اور میرے دونوں بیٹوں کے نام شبر اور شبیر ہیں۔

یہودیوں نے عرض کیا آپ ہمیں اپنی اور اپنے اہلبیت کا وہ سبب فضیلت بتائیے جو تورات میں لکھا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ میری فضیلت کا سبب تورات میں یہ لکھا ہے کہ ہر نبی نے اپنی امت کے لئے دنیا میں ان کی سزا و عذاب کی دعا کی ہے جو اللہ نے قبول کرلی ہے لیکن میں نے دنیا میں اپنی امت کے لئے کوئی بددعا نہیں کی بلکہ میں نے اپنا یہ حق قیامت میں شفاعت کے لئے محفوظ رکھا ہے۔ اور میرے اہلبیت کی فضیلت کا سبب یہ لکھا ہے کہ میرے اہلبیت کی حیثیت اہل عرض کے لئے ایسے ہے جیسے روئے ارض کے لئے پانی کی حیثیت۔ جس طرح پانی کے بغیر روئے ارض میں موجود ہر موجود کی زندگی ناممکن ہے اسی طرح میرے اہل بیت کے بغیر روئے ارض کے باسیوں کی زندگی ناممکن ہے۔

کچھ معراج کی باتیں۔

سلار ابن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا ہے کہ جس شب مجھے معراج پر لے جایا گیا وہاں مجھے تمام ملائکہ کی عبادتگاہیں دکھائی گئیں۔ جب میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا تو جبریل نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔

میں نے کہا جبریل بھلا اس عالم سفر میں کیا یہ مقام ساتھ چھوڑنے کا ہے؟ جبریل نے کہا۔ اپنا اپنا مقام ہوتا ہے، میں جہاں تک

ساتھ دے سکتا تھا دیا ہے اب آگے معاملہ میرے بس سے باہر ہے مو برابر بھی آگے بڑھا تو میرے تمام پر و بال جل جائیں گے۔ اس کے بعد مجھے بذریعہ رفرف عالم انوار میں پہنچایا گیا۔ اور جہاں تک ذات احدیت نے چاہا وہاں تک پہنچایا گیا۔ اس مقام پر مجھے وحی کی گئی۔

یا محمد انی اطلعت علی الارض اطلاعۃ فاخترتک منھا فجعلتک نبیاً۔

اے محمد میں نے روئے ارض پر نگاہِ قدرت سے دیکھا میری نگاہِ قدرت نے تجھے منتخب کیا چنانچہ میں نے تجھے عہدۂ نبوت سونپ دیا ہے۔

پھر جب دوسری مرتبہ اپنی نگاہِ کرم سے دیکھا تو علی کو منتخب کرکے اسے تیرا وصی تیرے علم کا وارث اور امامِ امت بنا دیا۔ میں دونوں کے انوارِ عالیہ سے ایسے طیب و طاہر آئمہ پیدا کروں گا جو میرے علوم کے مخزن ہوں گے۔

فلولا کم ماخلقت الدنیا والآخرہ ولا الجنۃ والنار

اگر تمہیں پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو نہ دنیا پیدا کرتا نہ آخرت اور نہ جنت پیدا کرتا نہ جہنم۔

اے برادرِ عزیز! یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے وجودِ ذیجود کے طفیل ذاتِ احدیت نے ارض و سما اور جنت و جہنم کو پیدا فرمایا ہے۔ لیکن ہماری شومئ قسمت کہ جب ہم ان مقدس اور محترم ہستیوں کی تاریخ دیکھتے ہیں تو ان میں سے ہر ہستی ہر دور میں مصائب میں گھری نظر آتی ہے۔ ان کی پوری زندگی امن و سکون کا ایک لمحہ بھی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ان میں سے اولین ہستی سرکار ختمی مرتبت ہیں۔ جن پر کوڑا کرکٹ ڈالا گیا۔ راستہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ سنگ باری کی گئی۔ مجنوں اور جادوگر کہا گیا۔ قتل کی تدبیریں کی گئیں۔ پیشانی کو پتھر سے زخمی کیا گیا۔ تلاوت قرآن کرنے والے مبارک لب زخمی کیے گئے۔ دندانِ مبارک کو شہید کیا گیا۔

دوسری ہستی نبی کونین کی اکلوتی شہزادی سیدۃ النساء اور شفیعۂ روزِ جزا فاطمہ زہرا ہے۔ جسے بابا کی وفات کے بعد ہر تیرِ ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ دروازہ کو آگ لگائی گئی۔ پہلو کو مجروح کیا گیا۔ صدفِ عصمت میں موجود محسن کو شہید کیا گیا۔ ضربِ تازیانہ سے دائیں ہاتھ کو تسبیحِ خدا سے محروم کیا گیا۔

تیسری ہستی امیر المومنین اور امام المتقین حضرت علی ہیں۔ نبی مختار کے بعد آپ کے حق کو غصب کر لیا گیا۔ حضرت عمر کے حکم سے گلے میں رسی ڈال کر سرِ دربار لایا گیا۔ جمل و صفین کی جنگوں میں اُلجھایا گیا۔ آخر مسجد میں بحالتِ نماز شہید کرایا گیا۔

چوتھی ہستی مسموم بسمِ جفا شہزادہ سبز قبا امام حسن مجتبیٰ ہے۔ امیرِ شام کے مقابلہ میں امت نے فرزندِ رسول کو تنہا چھوڑ دیا۔ خیمہ لوٹ لیا۔ جائے نماز چھین لی گئی۔ رانِ مبارک پر خنجر کا وار کیا گیا۔ آخر میں زہرِ جفا سے شہید کرایا گیا۔

پانچویں ہستی مظلومِ کربلا۔ خامس آلِ عبا۔ اور شہید نینوا سید الشہداء حسین ہے۔ مدینۃ الرسول سے ہجرت پر مجبور کیا گیا۔ مکہ میں نہ رہنے دیا گیا۔ مہمان کر کے بلایا گیا۔ پھر یکہ و تنہا میدانِ کربلا میں چھوڑ دیا گیا۔

پانی بند کر لیا گیا۔ تین دن کا بھوکا اور پیاسا رکھا گیا۔ تمام اصحاب و احباب کو شہید کر دیا گیا۔

جب مولا حسین تنہا رہ گئے تو لشکرِ یزید کے سامنے آئے اور بطورِ اتمامِ حجت فرمایا۔

کیا میں مصطفیٰ کا فرزند نہیں ہوں۔؟

کیا میں علی مرتضیٰ کا دلبند نہیں ہوں؟

کیا میں اس فاطمہ زہرا کا جگر گوشہ نہیں ہوں؟ جس کے متعلق رسول کونین فرمایا کرتے تھے۔ فاطمہ میرا حصہ ہے جس نے اسے تکلیف دی اس نے مجھے اذیت پہنچائی جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے ذاتِ احدیت کو بے چین کیا اور جس نے خداوند قدوس کو بے چین کیا وہ کافر ہے۔

کیا تم نے نبی اکرم سے نہیں سُنا کہ الحسین منی وانا من الحسین؟ گویا آپ ایک ایک نام لے کر فوجِ یزید کو بتا رہے تھے کہ جس نبی کا کلمہ پڑھتے ہو اگر وہ مجھے اس حال میں دیکھ لے کہ میرے اردگرد میرے عزیزوں کے لاشے گرم ریت پر پڑے تڑپ رہے ہیں۔ ایک طرف ہمشکلِ نبی میرے اٹھارہ سالہ جوان بیٹے کے سینہ میں برچھی کا پھل اٹکا ہے۔ دوسری طرف میرے زورِ کمر بھائی کے بازو کٹے ہیں۔ ایک طرف میرا نو داماد بھتیجا ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ ایک طرف میرا ششماہا پیاسا تیرِ جفا سے ذبح کیا گیا ہے۔ تو بھلا بتاؤ میرا نانا میری ماں اور میرا باپ تمہیں کیا کہے گا۔

اے لوگو! آخر تمہیں مرنا ہے۔ پھر مر کر جینا ہے۔ کل یوم محشر جب میرے نانا، میری ماں میرے باپ اور میرے بھائی کا ہاتھ تمہارے گریبان میں ہو گا تو کیا جواب دو گے۔

اگر تمہیں اپنی حکومت کا خطرہ ہے تو میرا راستہ چھوڑ دو میں تمہارے ملک سے چلا جاتا ہوں میں کسی اور سرزمین پر چلا جاؤں گا۔

اگر تمہیں مجھ سے عداوت ہے تو ایسا کرو میرے اہل و عیال میری بچیوں۔ اور میری بہنوں کو پانی کا ایک گھونٹ دے دو۔ تیسرا دن ہے ماؤں کا دودھ خشک ہو چکا ہے بچے پیاس سے بلک رہے ہیں تشنگی نے ان کے جگر کباب کر دیئے ہیں۔

گویا زبانِ حال سے آپ فرما رہے تھے۔

باآں خدا کہ شب آرد بروز و روز بشب

تمہیں اس خدا کا واسطہ جو دن کو رات اور رات کو دن کرتا ہے

بہ سید ثقلین آفتاب حسّی عرب

تمہیں آفتاب عرب سیّد ثقلین کی عظمت کا واسطہ

کہ رحم بر من اطفالِ بیگناہ کنید

مجھ پر اور میرے بیگناہ بچوں پر ترس کھاؤ۔

باشک و آہِ یتیمان من نگاہ کنید

میرے یتیموں کے آنسوؤں اور آہوں پر رحم کرو۔

کنید رحم بتنہائی و غریبی من

میری غربت اور تنہائی پر رحم کرو۔

ز یار و یاور و احباب بے نصیبی من

میرے احباب اور یار و انصار کے چلے جانے پر رحم کرو۔

ہدف ناوک الم نکنید

اب تو ان زہر آلود تیروں کی بارش روک بھی دو۔

ز حد گذشت جفا بیش ازایں ستم مکنید

اب تمہارا ظلم حد سے بڑھ چکا ہے۔ مزید ظلم نہ کرو۔

حضرت علی سے روایت ہے کہ صدقہ کی پانچ اقسام ہوتی ہیں۔

- ○ ایک درہم ثواب دس گنا۔ صحیح الجسم مومن کو صدقہ دینا۔
- ○ ایک درہم ثواب ستر گنا۔ محتاج مومن کو صدقہ دینا۔
- ○ ایک درہم ثواب سات سو گنا۔ محتاج رشتہ دار کو صدقہ دینا۔
- ○ ایک درہم ثواب سات ہزار گنا۔ والدین کو صدقہ دینا۔
- ○ ایک درہم ثواب ایک لاکھ گنا۔ طالب علم کو صدقہ دینا۔

امام محمد باقر سے منقول ہے کہ صدقہ دینے کے فوائد میں سے چند ایک یہ ہیں۔

صدقہ سے ناداری دور ہوتی ہے۔

صدقہ دینے سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

صدقہ دینے سے ستر قسم کی بے آبرو موت دور ہوتی ہے۔

صدقہ اور دفع وساوس

امام صادق کا ارشادِ گرامی ہے۔

دواع مرضاکم بالصدقة — بیماریوں کو صدقہ سے اور
وادفعوا البلاء بالدعاء — مصائب کو دعا سے دور کرو۔
واطلبوا الرزق بالصدقة — رزق میں صدقہ سے وسعت ہوتی ہے۔

جب کوئی انسان صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو شیاطین کی ایک فوج ایسے شخص کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔ رنگا رنگ کے توہمات آنے لگتے ہیں۔ جو انسان کو صدقہ دینے سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو شخص ایسے حالات میں تمام وساوس پر قابو پا کے صدقہ دے دے

گویا اس نے شیاطین کے ایک بہت بڑے لشکر کو شکست دیدی ہے۔

ابلیس کے لئے صدقہ سے زیادہ کوئی مصیبت بھاری نہیں ہوتی کیونکہ صدقہ لینے والے سے پہلے نگاہِ قدرت میں شرفِ قبولیت حاصل کرلیتا ہے۔

نبی کونین کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو شخص مصائب سے نجات پانا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ آغازِ دن میں صدقہ دیدے۔ اور جو شخص مصائب شب سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ آغازِ شب میں صدقہ دیدے۔

امام صادق نے اپنے ایک صحابی عمار ساباطی سے فرمایا۔

اے عمار! خداوندِ عالم نے تجھے بہت زیادہ مال و دولت سے نوازا ہے کیا یہ حقیقت ہے؟

عمار نے عرض کیا۔ ہاں آقا حقیقت ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کیا اپنے مال سے اللہ کے حقوق واجبہ از قسم زکواۃ وغیرہ ادا کرتا ہے؟

عمار نے عرض کیا۔ حضور باقاعدگی سے ادا کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ کیا اپنے مال سے خمس کا معین و معلوم حصہ بھی ادا کرتا ہے؟

عمار نے عرض کیا۔ قبلہ ایک ایک پائی کا حساب کرکے ادا کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ کیا اپنے اقربار کے ساتھ صلہ رحمی بھی کرتا ہے؟

عمار نے عرض کیا۔ میرے مولا! تمام اقربار سے صلہ رحمی کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ کیا دینی بھائیوں سے بھی مالی صلہ رحمی کرتا ہے؟

عمار نے عرض کیا۔ آقا اپنی طرف سے اسی کوشش میں رہتا ہوں اور کوتاہی نہیں کرتا۔

آپ نے فرمایا۔ یاد رکھ۔ ان المال یفنیٰ۔ والبدن یبلیٰ۔ والعمل یبقیٰ۔ والدیان حی لا یموت۔ انه ماقدمت فلن یسبقك وما آخرت فلن یلحقك۔

دولت فنا ہو جائے گی۔ جسم کہنہ ہو جائے گا۔ عمل باقی رہے گا۔ حساب لینے والا وہ حی ہے جس پر موت نہیں۔ جو اپنے ہاتھ سے آگے بڑھا جائیگا وہ گم نہیں ہوگا۔ اور جو پیچھے چھوڑ جائے گا وہ کبھی تجھے ملے گا نہیں۔

فخرِ کائنات نبی کونین نے فرمایا ہے کہ یوم حشر جب زمین تانبے کی طرح سرخ انگارہ بن جائے گی اور تمازت آفتاب سے برا حال ہوگا اس وقت اگر مومن کو کوئی چیز سایہ مہیا کریگی تو وہ اس کا دیا ہوا صدقہ ہوگا جو سائبان بن کر مومن پر سایہ کرے گا۔

اپنے ہاتھ سے صدقہ۔

سرورِ انبیاء نے فرمایا ہے کہ روٹی کا ایک لقمہ اگر کسی بھوکے کو اپنے ہاتھ سے دیدے تو یہ ایک لقمہ ان دس ہزار درہموں سے افضل تر ہوگا جن کی وصیت کر جائے کہ فلاں مستحق تک پہنچا دینا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب انسان قیامت کی ہولناک تاریکی اور سختی میں پریشان ہوگا۔ اس وقت ایک حسین صورت سامنے آئیگی

اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی تاریکی اور سختی سے باہر لے آئے گی اس وقت وہ شخص سوال کرے گا کہ تو کون ہے کہ خوش رو بھی ہے۔ خوش خو بھی ہے۔ اور خوشبو بھی ہے؟ وہ جواب دے گی کہ میں دُنیا میں دیا ہوا تیرا صدقہ ہوں کاش اس وقت زیادہ دیتا تو آج زیادہ حاصل کرتا۔

امام صادق سے منقول ہے کہ خدائے قدوس فرماتا ہے میں اپنے دستِ قدرت سے کسی چیز کو نہیں پکڑتا۔ صرف صدقہ ایسی چیز ہے جسے میں اپنے ید قدرت سے پکڑتا ہوں۔ اس میں کسی ملک مقرب کو وکیل نہیں بناتا۔ خواہ اس صدقہ کی مقدار کھجور کا نصف دانہ کیوں نہ ہو۔ میں اس قلیل المقدار صدقہ کو اتنا عظیم کر دیتا ہوں کہ یوم حشر کو وہ احد کے برابر ہو جائے گا۔ جو میں صدقہ دینے والے کے سپرد کر دوں گا۔

اگر آپ احادیث و روایات میں جستجو کریں تو ایک اور چیز بھی آپ کو مل جائے گی جسے خلاق عالم اپنے صدفِ رحمت میں پرورش کرتا ہے اور اس دن اس کے مالک کو لوٹائیگا جس دن وہ اپنے تمام اعمال سے مایوس ہو چکا ہو گا۔ وہ ایسا قیمتی و نایاب ہو گا کہ اس کی قیمت لگانے سے تمام انبیاء قاصر ہوں گے۔ یہ کیا ہے۔

یہ وہ آنسو ہو جو ایک عزادار کی آنکھ سے فرزندِ زہرا کی غربت پر بہا ہو گا

امام صادق ہی سے مروی ہے کہ یوم حشر ایک شخص کو عرصہ محشر میں پیش کیا جائے گا اس کے نامۂ اعمال میں کچھ بھی نہ ہو گا چنانچہ

اسے جہنم میں ڈالنے کا فیصلہ ہو گا۔ جب ملائکہ اسے لے کے سوئے جہنم روانہ ہوں گے تو ذاتِ احدیت کی طرف سے ملائکہ کو رکنے کا حکم ملے گا۔ ملائکہ رک جائیں گے۔ خداوندِ عالم اس گناہگار سے مخاطب ہو کر فرمائے گا۔ میرے پاس تیری ایک امانت ہے اسے لیتا جا۔

پھر ملائکہ کو حکم ہو گا کہ وہ موتی لاؤ۔ جب ملائکہ موتی لائیں گے تو اس کی چمک سے تمام میدانِ محشر جگمگا جائے گا۔ ملائکہ کو حکم ہو گا کہ یہ موتی اس گناہگار کے حوالے کر دو۔ وہ عرض کرے گا بارِ الٰہا میرے پاس ایسا کوئی موتی نہیں تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیا ہے۔ ذاتِ احدیت کی طرف سے جواب ملے گا۔ ہے تو یہ تیرا ہی مال لیکن تجھے علم نہیں ہے۔ یہ وہ آنسو ہے جو تیری آنکھ سے غمِ جگر گوشۂ زہرا میں ٹپکا تھا ہم نے اسے ضائع نہیں کیا اپنے صدفِ رحمت میں رکھ کے اس کی پرورش کی ہے۔ آج تجھے اس کی ضرورت ہے اور میں اس کا خریدار ہوں لے جا انبیاء کے پاس جو قیمت کریں گے میں ادا کرونگا۔

وہ شخص حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسٰی تک ہر نبی کے پاس آئے گا اور ہر نبی اس کی قیمت لگانے سے معذرت کرتے ہوئے اپنے بعد والے نبی کے پاس بھیجے گا۔ حضرت عیسٰی ختمی مرتبت کے پاس بھیجیں گے۔ آنحضور حضرت علی کے پاس بھیجیں گے۔ حضرت علی جناب سیدہ کے پاس بھیجیں گے۔ جناب سیدہ امام حسن کے پاس بھیجیں گی امام حسن فرمائیں گے اسے خود حسین کے پاس لے جا جو چاہے قیمت کرے۔ جب امام حسین کے پاس آئے گا آپ اس درِ آبدار کو ہاتھ

میں لیں گے۔ اس شخص کو ساتھ لے کر عرشِ الٰہی کا پایہ مقام کے عوض کریگی۔ میرے اللہ یہ موتی تو اپنے پاس رکھ لے اور اس کی قیمت میں یہ گناہ گار مع اس کے والدین کے میرے پڑوس میں جنّت الفردوس میں بھیج دے۔

قدرت کی طرف سے آواز آئے گی حسین مجھے اس قیمت پر یہ موتی قبول ہے۔

عزادارو! ایک وقت جب مولا حسین کا نانا اس دنیا میں موجود مختار بخت تھے اور میدان محشر میں بھی آقا حسین کی حکومت ہوگی ذرا ایک لمحہ کے لئے میدانِ کربلا کا وہ منظر بھی دیکھ لیجئے جب کوئی نہ رہا تنہا غریب زہرا اور دوسری طرف ہزاروں کی تعداد میں فوجِ یزید۔ جب آخری الوداع کے لئے آپ بیمارِ کربلا کے خیمہ میں تشریف لائے۔

آپ بسترِ مرض پر پڑے غش پہ غش کھا رہے تھے۔ فرماتے ہیں جب غش سے افاقہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ مجھے نواسۂ رسول نے اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔ بال پریشاں ہیں، ریش رنگین ہے۔ تمام جسم پر پاؤں سے سر تک تیر ہی تیر ہیں۔ میرے بیمار ہونٹوں کو اپنے پیاسے لبوں سے چوما۔ اپنا لرزتا اور خون میں نہایا ہوا رنگین ہاتھ میری بخار سے تپتی ہوئی پیشانی پر رکھا۔ اسرارِ امامت میرے سپرد کئے۔ تمام اہلبیت کو میرے سپرد کیا۔ اور فرمایا۔ جب شام کی اسیری سے واپس مدینہ جانا تو تمام شیعوں کو میرے سلام کہنا۔ انہیں میرا یہ پیغام بھی دے دینا کہ

دینِ خدا کا تحفظ کریں۔ احکامِ الٰہی پر عمل کریں۔ میری شہادت ان کی سعادت کا پیمانہ ہے۔ میری شہادت ان کی نجات کا وسیلہ ہے۔ جب کبھی ٹھنڈا پانی پینا تو میری پیاس کو ضرور یاد کر لینا۔ اگر کبھی دنیا کی کوئی تکلیف آئے تو میرے مصائب کو ضرور یاد کر لینا۔ میری شہادت پر جی بھر کے رونا۔ زندگی میں مجھ پر رونے سے تمہیں اطمینان رہے گا اور آخرت میں مجھ پر رونا تمہاری نجات کا باعث ہوگا۔

ان وصایا کے بعد ایک مرتبہ تمام اہلِ پردہ کو آخری سلام کیا۔ اور سوئے میدان چلے گئے۔

پندرہویں مجلس

پانچ افراد شیطان کے پھندے میں نہیں آتے

امام صادق سے مروی ہے کہ پانچ افراد شیطان کے کسی جال میں نہیں پھنستے اور شیطان ان سے مایوس رہتا ہے۔

پہلا وہ شخص جو اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کردے۔ دوسروں کا سہارا نہ لے۔ اور اللہ پر توکّل کرے۔ ــــ توکل کا معنی یہ ہے کہ انسان ہر خیر کی امید خداوند عالم سے رکھے اور ہر دفع شر کی خواہش رب العالمین سے کرے۔ اس بات پر یقین کامل رکھے کہ جو کچھ ہوتا ہے تقدیر خالق سے ہوتا ہے۔ اگر ذاتِ احدیت کسی کو نفع پہنچانا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ اگر خالق کونین کسی کو مبتلائے مصائب کرنا چاہے تو کوئی ان سے بچ نہیں سکتا۔ یہی مقامِ عبودیت ہے جسے یوں بیان کیا جاتا ہے۔

عبد مملوك لا يقدر على شيئ وهو كل على مولاه۔

انسان ایک مملوک غلام ہے کسی چیز کا مالک نہیں اور اپنے آقا کے سہارے پر ہے۔

یعنی انسان اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کردے۔ اور ہر معاملے میں اللہ کو کافی سمجھے۔ حصولِ توکّل کی صورت یہ ہے کہ انسان اپنے کسی کام زیادہ امید نہ رکھے اور یہی عقیدہ رکھے کہ جس اللہ نے میری درخواست کے بغیر اور کسی منصوبہ کے بغیر مجھے عدم سے وجود دیا ہے، جس اللہ نے مجھے خلعتِ وجود سے نوازا ہے، جس اللہ نے صلبِ پدر اور رحم مادر میں اس وقت مجھے تحفظ فراہم کیا جب میں تحفظ کے لفظ و معنی سے بھی ناآشنا تھا۔ جس اللہ نے اس عالم میں میری ہر ضرورت کا خیال رکھا جس اللہ

نے مجھے وہ تمام آلات بصورتِ اعضا دیئے جن کی مجھے زندگی میں ضرورت تھی۔ جس اللہ نے دنیا میں آنے کے بعد مجھے اس وقت ماں کے دسترخوان سے دودھ فراہم کیا جب میں عاجز محض تھا۔ جس اللہ نے میرے ماں باپ کو مجھ پر اتنا شفیق بنایا کہ انہوں نے اپنی ہر تکلیف کو بھلا کر میری تکلیف کو سامنے رکھا، وہی اللہ میرے لئے اب بھی کافی ہے۔ وہ کبھی مجھے بے یار و مددگار اور تنہا نہ چھوڑے گا۔ اس مقصد کو خود کریم خالق نے اپنے مقدس کلام میں یوں بیان فرمایا ہے۔

من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ

جو اللہ پر توکل و بھروسہ کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا۔

جس شخص نے مذکورہ عقیدہ کو اپنا لیا وہ زندگی کے ہر قدم پر پرسکون اور مطمئن رہے گا۔ اس کے مقابلہ میں جس نے یہ سمجھ لیا کہ میں ہی سب کچھ ہوں اگر میں فلاں کام نہ کرتا تو تباہ ہو جاتا، اگر میں طلبِ رزق میں نہ دوڑتا تو بھوکوں مر جاتا۔ اگر میں بندوق نہ اٹھاتا تو ہلاک ہو جاتا۔ وغیرہ۔ ایسے شخص کی زندگی ہمیشہ کانٹوں پر گزرتی ہے۔ لیکن پھر بھی ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

امام صادق سے مروی ہے کہ شرک انسان میں چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ آہستہ چلتا ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ پر بھروسہ نہ کرنے کا نام شرک ہے۔

(ممکن ہے ہمارے بعض جذباتی موحدین توکل بر خدا اور شرکِ خفی سے یہ سمجھ لیں کہ یا علی مدد یا حسین۔ اور یا غازی عباس بھی شرک ہے۔

کیونکہ ان کلمات سے بھی اللہ پر توکل نہیں رہتی، اور انسان اللہ کو چھوڑ کر حضرت علی، امام حسین، یا حضرت۔ یا حضرت عباس کا سہارا لیتا ہے۔ لیکن یہ نظریہ صرف اسلام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ یا علی مدد۔ یا حسین اور یا غازی عباس اور کہنے والوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ جب ان سے مدد مانگی جاتی ہے تو اللہ کو معطل سمجھ لیا جاتا ہے۔ بلکہ ان سے مدد مانگنے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ چونکہ یہ حضرات اللہ کی طرف سے ہمارے اور اللہ کے درمیان وسیلہ ہیں اس لئے انہیں مخاطب کر کے اللہ سے مدد مانگی جاتی ہے۔ مزید وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ ہم ہر نماز میں۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ کہتے ہیں۔ عبادت کا تعلق آخرت سے ہے اور استعانت دنیا و آخرت ہر دو سے متعلق ہے۔ میں نے آج تک کوئی موحد ایسا نہیں دیکھا جو عبادت کسی وسیلہ کے بغیر کرتا ہو۔ بلکہ ہر موحد عبادت اللہ کے نمائندگان سے حاصل کرتا ہے۔ کون نہیں جانتا آخرت دنیا پر مقدم ہے۔ جب ہم اپنی مرضی سے عبادت نہیں کر سکتے تو اپنی مرضی سے براہِ راست استعانت کیسے اللہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔ جو وسیلہ عباداتِ الٰہیہ کے حصول کا ہے وہی وسیلہ استعانتِ خالق کے حصول کا ہے۔ یا رسول اللہ۔ یا علی۔ یا حسین۔ اور یا غازی عباس وغیرہ جیسے کلمات نہ صرف یہ کہ شرک ہیں بلکہ عین اسلام اور تعلیم دین ہیں۔ اللہ مولویوں کی طرح تنگ نظر نہیں ہے کہ اپنی طرف سے ایک نمائندہ بھیجے اور جب مخلوق اس نمائندہ کو مخاطب کر کے کچھ مانگے تو اللہ فوراً اسے شرک کا فتویٰ دیدے

کہ تو نے میرے غیر سے کیوں مانگا ہے؟ خلاصہ یہ ہے کہ ایسی استمداد غیر اللہ سے استمداد نہیں ہے بلکہ اللہ ہی سے استمداد ہے۔ جو توکل بر خدا کے منافی نہیں ہے۔ مترجم)

اسی طرح توکل کا یہ معنی بھی نہیں ہے کہ آپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور کہیں کہ میاں ہم تو متوکل علی اللہ ہیں۔ اس نے جو مقدر کیا ہے خواہ ہاتھ ہلائیں یا نہ ہلائیں وہ دے گا اسی طرح یہ بھی توکل نہیں ہے کہ آپ کنوئیں میں کود جائیں اور کہیں کہ بھیا ہم تو کنوئیں میں اللہ کے توکل پر کود رہے ہیں اگر مقدر ہوگا تو بچ جائیں گے ورنہ مرجائیں گے اس جیسی صورت کو اصطلاحاً توکل نہیں تحکم کہتے ہیں اور اِسلام نے قطعاً اس کی اجازت نہیں دی۔

بلکہ توکل کا معنی یہ ہے کہ آپ احکامِ الٰہیہ کے مطابق حصولِ رزق کی کوشش کریں اور انجام اللہ پر چھوڑ دیں۔ کنوئیں میں گرنے سے بچنے کی کوشش کریں پھر انجام اللہ پر چھوڑ دیں۔ اللہ کے حرام کردہ امور کے قریب نہ جائیں، واجبات کو ترک نہ کریں۔ امکانی طور پر ادائیگی مستحبات کی کوشش کریں۔ جمع دولت میں حرص نہ کریں۔ اپنا حق نہ چھوڑیں، کِسی کے حق پر قبضہ نہ کریں۔

اگر اللہ چاہتا تو سوچنے کے لئے فکر، چلنے کے لئے قدم۔ دیکھنے کے لئے آنکھ۔ سننے کے لئے کان اور بولنے کے لئے زبان نہ دیتا۔ اللہ نے یہ سب آلات دیئے ہیں ان کے ذریعہ اگر آپ چاہیں تو کما سکتے ہیں۔

توکل کا معنی یہ ہے کہ کوشش اور محنت کے بعد جو کچھ مل جائے اسے اللہ کی نعمت سمجھے اور اپنے اسباب تحفظ مکمل کر لینے کے باوجود اگر کوئی مصیبت آجائے تو اسے اللہ کی طرف سے امتحان یا اپنی کوتاہی کی سزا سمجھے۔

اس توکل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کسبِ حرام اور مایوسی سے محفوظ رہتا ہے۔ کوشش میں کامیابی انسان کو قربِ الٰہی سے ہمنوا کرتی ہے اور کوشش میں ناکامی سے انسان اپنی کوتاہیوں پر نظر ثانی کرکے بارگاہِ خالق میں کامیابی کی دُعا کرتا ہے۔ بلکہ توکل کی آخری منزل یہ آجاتی ہے کہ انسان اپنی کسی کامیابی پر فخر نہیں کرتا اور کسی ناکامی پر غم زدہ نہیں ہوتا۔

لیجئے توکل کی مثال میدانِ کربلا میں ملاحظہ فرمائیے بیمارِ کربلا فرماتے ہیں کہ جب خیامِ اہلبیت میں تشنگی حد سے بڑھ گئی، شدتِ پیاس سے بیتاب بچے جو یوم عاشور کی صبح تک العطش کہنے کے قابل تھے۔ العطش کہتے رہے، لیکن صبح عاشور ہر بچہ مہر بلب ہو گیا تھا کیونکہ جن بچوں کے منہ کھلے تھے وہ شدتِ پیاس سے بند نہیں ہو رہے تھے اور جن بچوں کے منہ بند تھے وہ شدتِ تشنگی سے کھل نہیں رہے تھے بس آنکھیں کھولے حیران و پریشان کبھی دریائے فرات کی طرف اور کبھی پیاسی اور مجبور ماؤں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بیرون خیام میرے والد ؑ اپنے تمام اصحاب و اقربا کے درمیان شگفتہ رو تشریف فرما تھے، کہ لشکرِ یزید آگے بڑھا۔ ان کے گرد گھیرا ڈالا۔ جب لشکر یزید نے قریب سے

آکے ایک ایک مجاہد کا چہرہ دیکھا تو حیرت سے ان کے منہ کھل گئے، ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

ذرا اپنے تازہ دم چہروں کو بھی دیکھو اور ان تین دن کے پیاسوں کے چہروں کو بھی ملاحظہ کرو۔ ان کے پیاسے چہرے شگفتہ اور تازہ دم نظر آرہے ہیں جبکہ ہمارے چہرے مرجھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہیں موت کا ذرا سا بھی خوف نہیں ہے اور ہم موت کے ڈر سے شاخ بید بنے تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ یہ لوگ موت کے آرزو مند نظر آتے ہیں اور ہم زندگی کے خواہش مند بنے ہوئے ہیں۔

جب آپ نے ان کی باتیں سنیں تو اپنے انصار و اقربا کی طرف دیکھ کر فرمایا سن رہے ہو یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ لوگ غلط نہیں کہہ رہے، سچ کہتے ہیں۔ یہ پریشان ہیں۔ اور بے چین ہیں۔ ہم پرسکون اور مطمئن نہیں۔ کیونکہ ہمارے لئے موت ایک پل ہے جو ہمیں زندانِ دنیا سے نکال کر آسائش و آزادی جنت میں لے جائے گی جبکہ ان کے لئے موت کے لئے موت ایسا پل ہے جو انہیں دنیاوی محلات سے اٹھا کر زندانِ جہنم میں لے جائے گی۔

جب آپ کے تمام انصار و اقربا، مقام شہادت پر فائز ہو چکے اور آپ یکہ و تنہا رہ گئے تو میدانِ کربلا جانے کا ارادہ کیا۔ بہن کے خیمہ میں آئے اور فرمایا۔

یاختاہ ایتینی بثوب عتیق زینب بہن! مجھے ایک ایسا پھٹا پرانا لباس دیدو جس لا یرغب فیہ احد من القوم میں کوئی بھی رغبت نہ کرے۔ تاکہ میں اسے اپنے ان کپڑوں

اجعلہ تحت ثیابی لئلا اجرد کے نیچے پہن لوں، جب بعد از شہادت تو میری لاش منہ بعد قتلی۔ پر آئے تو وہ پھٹا ہوا لباس میرے جسم پر موجود ہو۔

منتخب کے مطابق جب دختر زہرا نے بھائی کی یہ بات سُنی بیساختہ ماتم شروع کیا اور وا محمداہ۔ واعلیاہ کر کے بین کرنے لگیں۔ کاش یہ ظالم اسی لباس پر اکتفا کرتے اور انگوٹھی کے ساتھ انگلی نہ کاٹتے۔ بجدل ابن سلیم نے کمر بند کے لالچ میں بچے بعد دیگرے دونوں ہاتھ تک شہید کر دیئے لیکن اس پر بھی اکتفا نہ کیا گیا گھوڑوں کی نعلبندی کی گئی۔ اور تیروں اور تلواروں سے چھلنی جسم کو پامالِ سم اسپاں کر دیا۔

آپ نے جب مخدراتِ عصمت کا نوحہ و بکا سُنا۔ تو فرمایا۔ مہلاً فان البکاء امامکن۔ ابھی نہ روؤ۔ رونے کا طویل وقت تمہارے لئے پڑا ہے۔ اگر کوئی رونے دے تو جی بھر کے رو لینا۔

بنت زہرا پُرانا لباس لے کے آئی۔ مظلوم نے زیب تن کیا۔ مقتل طریحی کے مطابق آپ کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

دوسرا شخص جو شیطانی پھندے میں نہیں آتا وہ ہے جو شب و روز کے اکثر اوقات تسبیحِ خالق میں گزارے، حدیث قدسی میں ارشادِ ربانی ہے۔ انا جلیس من ذکرنی جو میرا تذکرہ کرے گا میں اس کی تنہائی میں اس کا مونس ہوں گا۔ ظاہر ہے جس کا مونس خالق عالم ہو وہ بھلا کب شیطان کے جال میں پھنس سکتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی ارشاد رب العزت ہے۔ یابنی آدم من ذکرنی ذکرتہ فی ملاء من الملائکۃ۔ جو شخص میرا تذکرہ کرے میں

ملائے اعلیٰ میں ملائکہ کے درمیان اس کا ذکر کرتا ہوں۔ بھلا جس کا تذکرہ ملاءِ اعلیٰ میں ہو وہ کیسے شیطان کے پنجہ میں آسکتا ہے۔

نبی کونین سے مروی ہے کہ۔ من اعطی لسانا ذاکرا فقد اعطی خیر الدنیا و الآخرہ۔ جس شخص کو ذکرِ خدا کرنے والی زبان مل جائے گویا اسے دنیا اور آخرت کی اچھائی حاصل ہو گئی۔ تمام تسبیحات میں سے افضل ترین تسبیح تسبیحاتِ اربعہ ہیں۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ یہ وہ باقیات صالحات ہیں جن کا فائدہ انسان کے دنیا چھوڑ جانے کے بعد رہتا ہے۔

آنحضور نے فرمایا ہے کہ شبِ معراج جب میں جنت کی سیر کر رہا تھا تو میں نے ایک انتہائی وسیع و عریض خوشگوار اور خوش فضا سبزہ زار دیکھا۔ جس میں ملائکہ کچھ مکانات تعمیر کر رہے تھے۔ ان مکانات کی تعمیر میں ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی استعمال ہو رہی تھی۔ لیکن تعمیر کرتے کرتے ملائکہ رُک جاتے تھے۔ میں ان کے قریب گیا اور ان سے پوچھا کہ یہ تمہیں کیا ہے کہ تعمیر کرتے کرتے اچانک رُک کیوں جاتے ہو؟ ملائکہ نے عرض کیا حضور۔ جب تک سامانِ تعمیر ملتا رہتا ہے۔ ہم تعمیر میں مصروف رہتے ہیں اور جب سامان ختم ہو جاتا ہے ہم رُک جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا سامانِ تعمیر کہاں سے آتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب کوئی بندہ مومن خلوصِ دل سے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھتا ہے تو ہمیں سامان مل جاتا ہے اور ہم تعمیر شروع کر دیتے ہیں جب وہ خاموش ہو جاتا ہے تو سامان کی

ترسیل بند ہو جاتی ہے ہمیں بھی اپنا کام بند کرنا پڑتا ہے۔

سرورِ انبیاء نے فرمایا کہ جب کوئی شخص سبحان اللہ کہتا ہے تو اس کی ہمنوائی میں زیرِ عرش کی تمام مخلوق سبحان اللہ کہتی ہے۔ خداوندِ عالم کراماً کاتبین کو حکم دیتا ہے کہ چونکہ میرے اس بندہ کی وجہ سے میری تمام دیگر مخلوق نے سبحان اللہ کہا ہے اس لئے تمام سبحان اللہ کہنے والوں کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دے۔

جو شخص سو مرتبہ الحمد للہ کہتا ہے اس کا ثواب راہِ خدا میں مجاہدین کو سو گھوڑے دینے والے سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔

جو شخص سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کہتا ہے اس کے گناہ یوں جھڑتے ہیں جس طرح خزاں رسیدہ پتے ہوا کے جھونکا سے جھڑتے ہیں۔

اور جو شخص سو مرتبہ اللہ اکبر کہتا ہے اس کا ثواب راہِ خدا میں سو غلام آزاد کرنے سے زیادہ ہوتا ہے۔

کتاب معتبرہ میں موجود ہے کہ جب ثامن آلِ عبا خراسان تشریف لا رہے تھے۔ راستہ میں نیشاپور کے بازار میں ابوذرعہ۔ ابو مسلم اور محمد ابن طوسی جیسے آئمۂ حدیث نے دست بستہ عرض کیا کہ ایک تو آپ ہمیں اپنی زیارت سے مشرف ہونے کا شرف عنایت فرمائیں اور دوسرے اپنی زبانِ مبارک سے نبی کونین سے منقول حدیث ارشاد فرمائیں۔

آپ نے سورج پر پڑا ہوا پردہ ایک طرف کیا۔ امتِ مسلمہ نے زیارت کی سعادت حاصل کی۔ مرحباً بک یابن رسول اللہ کا ہر طرف شور و غل تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ تمام علماء اور فقہاء

نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہرا کر عوام سے خاموش رہنے کی درخواست کی۔ جب ہر طرف خاموشی ہوگئی اس وقت امام غریب الغرباء نے فرمایا میں نے اپنے والد امام موسیٰ سے۔ انہوں نے اپنے والد امام صادق سے۔ انہوں نے اپنے والد امام باقر سے۔ انہوں نے اپنے والد امام سجادؑ سے۔ انہوں نے اپنے والد امام حسین سے انہوں نے اپنے والد امیر المومنین سے۔ انہوں نے سرورِ انبیاء سے، انہوں نے جبرئیل سے اور جبرئیل نے رب جلیل سے بیان کیا ہے کہ۔

لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی بشرطہا وشروطہا وانا من شروطہا۔ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے۔ جو میرے قلعہ میں داخل ہوگیا میرے عذاب سے بچ گیا۔ لیکن چند شرائط کے ساتھ میں ان شرائط میں سے ایک ہوں۔

آپ خراسان تشریف لے آئے۔ مامون نے آغاز میں تو ہر لحاظ سے خدمت کی لیکن جب دیکھا کہ فرزندِ رسول کا اقتدار بڑھتا جا رہا ہے اور ممکن ہے کسی دن مجھے اقتدار سے محروم کر دیا جائے۔ مامون نے وہی ارادہ کر لیا جو مامون کے آباء، امام رضا کے آباء سے کر چکے تھے۔ مختلف میوہ جات کا طشت منگوایا۔ ایک خوشہ انگور کا زہر آلود کیا۔

امام رضا کو بلوا بھیجا جب آپ تشریف لائے مامون اٹھا، تعظیم کی۔ اپنی مسند پر بٹھایا۔ میوہ جات کا طبق سامنے رکھا۔ زہر آلود انگور کا خوشہ ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ امام رضا کو پیش کیا کہ اس سے بہتر انگور میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں تو نے نہ دیکھے ہوں گے۔

لیکن ہم کھا چکے ہیں۔ اس نے کہا وہ کہاں ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ جنت میں۔ اس ظالم نے خوشۂ انگور آپ کے سامنے کیا اور کہا لیجیے یہ تناول فرمائیے۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ انگور کھانے سے معاف رکھ۔ اس نے اصرار کیا۔ جب اس کا اصرار حد سے بڑھ گیا آپ نے خوشہ لیا تین دانے کھائے باقی کو زمین پر پھینک دیا۔ چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا۔ جسم میں لرزہ طاری ہوگیا۔ آپ اٹھے دیواروں کا سہارا لیتے ہوئے بمشکل اپنے مسکن پر تشریف لائے۔ خون کی قے شروع ہوگئی بستر پر کروٹیں بدلنے لگے۔ ابو صلب سے فرمایا۔ دروازہ بند کر دے۔ ابو صلب کہتا ہے کہ میں نے تعمیل حکم کرتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔ طشت اٹھا لیا آقا کے سامنے آ کے بیٹھ گیا۔ پارہ ہائے جگر کٹ کٹ کے باہر آنے لگے۔ میں طشت کے لئے باہر آیا دیکھا تو ایک نوجوان خوبرو شہزادہ اندر داخل ہوا۔ میں نے کہا آپ کون ہیں اور یہاں کیسے آئے ہیں۔ میں نے تو دروازہ بند کر دیا تھا۔ اس نے جواب دیا جو اللہ مجھے مدینہ سے ایک لمحہ میں طوس لا سکتا ہے وہ دروازہ کھولنے کا انتظام بھی فرما سکتا ہے۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟

اس نے جواب دیا۔ آج کے بعد میں تیرے لئے اور تمام اہالیان ارض کے لئے حجتِ خدا علی ابن موسیٰ رضا ہوں۔ اپنے مسموم باپ سے آخری الوداع کرنے آیا ہوں۔

شہزادہ داخل حجرہ ہوا۔ میں دیکھ رہا تھا جونہی امام رضا نے اپنے فرزندِ ارجمند کو دیکھا کئی مرتبہ اٹھنے کی کوشش کی مگر شدتِ تکلیف

کی وجہ سے اُٹھ نہ سکے۔ لیٹے لیٹے دونوں بازو پھیلائے۔ شہزادے
نے بھی دونوں بازو پھیلائے۔ امام رضا نے پہلے شہزادے کے لب
چومے پھر پیشانی کا بوسہ لیا۔ گلے لگایا۔ اسرار امامت سپرد کئے۔ پھر
فرمایا۔ اچھا بیٹے خدا حافظ۔
رو بقبلہ کیا اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

تیسرا شخص جو شیطان کے جال میں نہیں پھنستا وہ ہے جو
دوسروں کے لئے وہی کچھ چاہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو۔

امام صادق فرماتے ہیں ہر مومن دوسرے مومن کا بھائی،
مومن کی آنکھ۔ مومن کا راہنما اور مومن کا سہارا ہے۔ کبھی مومن مومن
کو دھوکا نہیں دیتا۔ کبھی مومن مومن سے خیانت نہیں کرتا۔ کبھی مومن
مومن پر ظلم نہیں کرتا۔ کبھی مومن مومن پر جھوٹ نہیں باندھتا۔ کبھی
مومن مومن کی غیبت نہیں کرتا۔ مومن کے ایمان اور محبت کا تقاضا
یہ ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ اپنے مومن بھائی کے لئے
بھی پسند نہیں کرتا۔ مومن کبھی مومن کی عیب جوئی نہیں کرتا۔

امام موسیٰ کاظم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ ہماری زیارت کے
مشتاق ہیں۔ لیکن ہماری زیارت کو آ نہیں سکتے۔ اگر وہ اپنے صالح
مومنین بھائیوں کی زیارت کر لیں تو ذاتِ احدیت کی طرف سے انہیں
ہماری زیارت کا ثواب ملے گا۔

امام صادق سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص صرف رضائے الٰہی
حاصل کرنیکی اپنے مومن بھائی کی زیارت کو جائے خداوندِ عالم ستر ہزار

فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اسے جنت میں ہر آسائش کی مبارک باد دیتے ہیں۔
نبی اکرم نے فرمایا ہے کہ اپنے بزرگوں کا احترام کرو۔ بزرگوں کا
احترام احترامِ خدا ہے۔

امام صادق کا ارشادِ گرامی ہے کہ خداوندِ عالم ستر سالہ شخص کی
عزت کو پسند کرتا ہے اور اسی سالہ ضعیف العمر کو عذاب دینے سے
شرم محسوس کرتا ہے۔

امام صادق سے منقول ہے کہ مومن بھائی کو کھانا کھلانا اللہ
کو بہت زیادہ پسند ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے مومن بھائی کو سیر کر کے
کھانا کھلائے تو اس کا ثواب ذاتِ احدیت کے سوا کوئی بھی شمار
نہیں کر سکتا۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مالدار مومن کو
قربۃً الی اللہ کھانا کھلائے تو اسے اتنا ثواب ملے گا جتنا اولادِ
اسماعیل میں سے کسی ایک کو قتل ہونے سے بچانے کا ثواب ہوگا۔
نبی اکرم سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے برہنہ مومن بھائی
کو لباس پہنائے خداوندِ عالم اسے حریر خالص اور استبرق کے لباس
سے نوازے گا۔ جب تک اس مومن کے جسم پر کپڑا رہے گا۔ اس
وقت تک ملائکہ کپڑا دینے والے کے لئے دعائے مغفرت مانگتے
رہیں گے۔ اگر کوئی شخص کسی پیاسے کو پانی پلائے۔ خدائے لم یزل
اسے جنت کی نہروں سے سرشار کرے گا۔ اگر کوئی غم زدہ مومن کا
غم دور کرے یا کسی ضرورتمند کی مدد کرے خداوند قدوس اس دن

اسے اپنے عرش کے زیرِ سایہ جگہ دے گا جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا۔

اگر کوئی شخص ایسی جگہ پر اپنے مومن بھائی کو پانی پلائے جہاں پانی میسر آسکتا ہو تو خلاقِ عالم ایک ایک گھونٹ کے عوض ستر ستر ہزار نیکی پانی دینے والے کے نامۂ اعمال میں درج فرمائے گا۔ اگر ایسی جگہ پانی پلائے گا جہاں پانی کمیاب ہو تو اس کا ثواب ایسے ہوگا جیسے اس نے دو شریف النسب غلاموں کو آزاد کیا ہو۔

میرے بھائی! آپ نے پانی پلانے کی فضیلت ترجمان وحی قرآن سے سن لی ہے یہ بھی اس وقت ہے جب پانی دینے والے کو کمی آب کا خطرہ ہو۔ اور یہ ڈر ہو کہ کہیں پانی ختم نہ ہو جائے لیکن اگر پیاسے کے دونوں طرف پانی کے دریا بہہ رہے ہوں اور اسے پینے کوئی نہ دے تو خدا جانتا ہے عزادارو! میں نہیں سمجھتا کہ کس پیاسے کا تذکرہ کروں جب شبیہ پیمبر نے میدان سے آکر عرض کیا۔ یاابتاہ العطش قد قتلنی وہ وقت عرض کروں۔ یا نو داماد جگر گوشہ حسن شہزادہ قاسم کی پیاس کا تذکرہ کروں۔ جب ازرق جیسے ملعون ازلی کو واصل جہنم کر کے سوئے خیام پلٹا اور عرض کی چچا جان! ھل الی مشربة ماءٍ من سبیل یا عون و محمد کی پیاس کا ذکر کروں لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ اس مجلس میں ان کی پیاس کا تذکرہ کروں کیونکہ یہ جوان ہیں۔ پانی نہ ہونے کو سمجھتے ہیں اپنی مجبوریوں کو بھی جانتے ہیں۔ اور مجبور ماؤں کی بے کسی کو بھی سمجھتے ہیں بلکہ میں اس پیاسے کی پیاس کا تذکرہ کروں جو نہ پانی مانگ سکتا ہے نہ ماں کی مجبوریوں کو سمجھتا ہے۔ اور نہ باپ کے دکھوں کو جانتا ہے

بس پیاسی آنکھوں سے کبھی ماں کے ہاتھوں کو دیکھتا ہے اور کبھی خیمہ میں رکھے ہوئے خشک پیالوں کو دیکھتا ہے۔

جب جناب سید الشہداء نے مخدراتِ عصمت سے الوداع کہی اور تمام بچوں کو جناب زینب کے سپرد کیا زبان حال سے یوں فرمایا۔

بہ دختران یتیم یتیم پرور باش

میری یتیم بچوں کی یتیم پروری کرنا۔

بہ آں ستم زدگان مہرباں چوں مادر باش

ان ستم دیدہ بچوں پر ماں بن کر شفقت کرنا۔

علی الخصوص بفرزند بیقرینۂ من

خصوصاً میری لاڈلی بیٹی جو

یتیم گشتۂ دشتِ بلا سکینۂ من

دشت بلا کی یتیم سکینہ ہے کا خیال رکھنا

کہ او از اہل حرم ظلم ناکشیدہ تراست

تمام مستورات میں سے میری سکینہ کمسن ہے جس نے

ز دختران یتیم ستم ندیدہ تراست

کبھی ظلم دیکھا تک نہیں ہے۔

بدردِ محبتِ من مبتلا است مادر او

جس کی ماں سہاگ لٹ جانے کے غم سے

تو باش اشک بریزد زدیدہ ترمن

بیحال ہوگی تو ہی اس کی آنکھوں سے ٹپکنے والے آنسو پوچھنا۔

جب ام رباب نے دیکھا کہ آپ ایک ایک بچہ کا ہاتھ پکڑ کے اپنی بہن کے حوالہ کر رہے ہیں اپنے سینے سے لگائے ہوئے پیاسے شیر خوار کو ہاتھوں پہ اٹھایا اور آغوش امام میں دے کے عرض کیا اسے کس کے سپرد کریں گے؟

آپ نے پیاسے شیر خوار کے پیاسے لبوں کو بوسہ دیا۔ سینہ سے لگایا۔ دامنِ عبا میں چھپایا اور فرمایا اسے میں اپنے پاس رکھوں گا۔ دیکھو ماں ہے میں اس کے لئے جا کے پانی مانگتا ہوں دُعا کرنا اگر پانی مل گیا تو اپنے ساتھ لے جانا اگر نہ ملا تو پھر یہ میرے پاس رہے گا۔ ایک مرتبہ خاموش نگاہوں کا بوسہ لیا اور فرمایا۔

ویل ھٰؤلاءِ القوم اذ کان جدک خصیم۔

لعنت ہو ان لوگوں پر جن کے گریبان میں تیرے دادا کا ہاتھ ہوگا۔

پھر کسی خیال سے ثانیہ زہرا کو قریب بُلایا۔ شیر خوار کے ننھے سے دائیں ہاتھ کو ثانیہ زہرا کے دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا۔ بہن میرے اصغر کا بھی خیال رکھنا۔

بی بی نے عرض کیا بھیّا۔ بھلا اس پھول سے پیاسے بچے کو میں کہاں سے پانی پلاؤں گی۔ ذرا آپ اس کی پیاسی آنکھیں اور خشک لب دیکھیں۔ بچے کے لئے زیادہ پانی تو درکار نہیں ہوتا انگلی پر لی گئی دو بوندوں سے بچہ سیراب ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ان سنگدلوں کو یہ جاں بلب پیاسہ شیر خوار دکھائیے تو سہی ممکن ہے کسی کی انسانیت واپس آجائے اور اس کمسن کو پانی دیدے۔

آپ نے پھر کمسن لال کو سینہ سے لگایا۔ دامنِ عبا میں پنہاں کیا سوئے میدان چلے۔ فوجِ یزید جو پہلے اس انتظار میں رہتا تھا کہ جب بھی آپ خیمہ سے باہر تشریف لاتے ہیں تو برہنہ تلوار آپ کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور آپ حملہ کر دیتے ہیں۔ اب بھی وہ اسی انتظار میں تھے لیکن اب کی بار وہ حیران ہو گئے جب انہوں نے دیکھا کہ ہاتھ میں تلوار نہیں ہے بلکہ دونوں ہاتھوں پر ایک سفید سا کپڑا رکھا ہے۔

آپ لشکرِ یزید کے سامنے آئے تمام لشکر نے گرد گھیرا ڈالا۔ آپ نے سینہ سے لگائے ہوئے کمسن کو اپنے دونوں ہاتھوں پر رکھا اور فرمایا۔

اگر تمہاری نظروں میں گناہگار ہوں تو میں ہوں۔ اگر مجھے پانی نہیں دیتے تو تمہاری مرضی۔ بھلا اس کمسن کا بھی کوئی جرم ہے کسی مذہب میں شیر خوار کو مجرم نہیں سمجھا جاتا۔ ذرا ایک نگاہ سے دیکھ تو لو کہ پیاس سے چہرہ کملا گیا ہے اور چند لمحوں کا مہمان ہے لو اسے اپنے ہاتھ سے دو قطرے پانی پلا دو۔

سپاہی ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ سچ ہی تو کہتا ہے۔ بھلا یہ بچہ تو مجرم نہیں ہے بچے تو ہر ایک کے مشترک ہوتے ہیں۔ اسے کیوں پانی نہیں دیا جا رہا۔ جس جس کی کمسن کے چہرے پر نظر پڑتی گئی بیساختہ رونے لگا۔

جب ابن سعد نے دیکھا کہ لشکر میں ابتری پھیل رہی ہے۔ فوراً عراق و شام کے معروف تیر انداز حرملہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

حرملہ۔ حرملہ نے دیکھا اور کہا میں آپ کا مطلب سمجھ گیا۔ مگر انعام

عمر سعد نے کہا۔ میں خود بھی اور ابن زیاد سے بھی منہ مانگا انعام دوں گا۔

پھر کیا تھا۔ اس ظالم نے شصت باندھی۔ سہ شعبہ تیر چلہ پر چڑھایا۔

کون نہیں جانتا کہ چھ ماہ کا پیاسا اور ناتواں بچہ اپنا سر سنبھال نہیں سکتا۔ مولائے مظلوم نے کئی مرتبہ شہزادہ کا سر اٹھانے کی کوشش کی لیکن ہر مرتبہ سر آپ کے بازو پر ڈھلک جاتا تھا اور گلے کی سفیدی نمایاں ہو جاتی تھی۔ اس ظالم نے پیاسے گلے کا نشانہ لیا اور تیر کو ہوا کے دوش پر کمسن کے گلے کے پاس بھیج دیا۔ گلا ہی کتنا تھا کہ تیر حلق اصغر میں اٹک جاتا۔ تیر گلے سے پار ہو کر بازو مولائے مظلوم میں آکر پیوست ہو گیا۔ (شہزادے نے پیاسی آنکھوں سے باپ کو آخری مرتبہ دیکھا اور زبان حال سے عرض کیا۔ اے فرزندِ زہرا! میری مجبوری تھی۔ میری ماں کو شکوہ نہ کرنا کہ تیرے لال نے میرا بھی بازو زخمی کر دیا ہے۔ کاش میرے حلق میں اتنی وسعت ہوتی کہ تیر میرے ہی حلق میں اٹک جاتا۔ مترجم)

آپ نے بایاں ہاتھ شہزادہ کے نیچے رکھا زخمی دایاں ہاتھ فارغ کیا۔ حلقِ اصغر سے بہنے والے خون کے جو چند ہی قطرے تھے چلو میں لئے اور سوئے آسمان اچھال دیئے۔

(میں عرض کروں گا آقا! آسمان کی طرف خون اچھالنے کا کیا مقصد ہے؟ ممکن ہے۔ آپ جواب میں فرمائیں تجھے

کیا معلوم کہ میری ماں زہرا کی روح جھولی پھیلائے کھڑی تھی جس نے میرے لال کا خون لیا اور اپنے سر کو خضاب کیا۔ مترجم)

سفید رومال کا رنگ سُرخ ہو گیا آپ واپس خیام میں پلٹے۔ بی بیاں اس کمسن شہید کے استقبال کو درِ خیمہ پر آئیں۔

چوتھا شخص جو ابلیس کے جال میں نہیں پھنستا وہ ہے جو بوقت مصیبت واویلا نہ کرے۔ تقدیرِ خدا پر صبر کرے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ جب اللہ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائشات میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جو اللہ کی اس آزمائش پر راضی ہو گیا اس نے اللہ کی رضا حاصل کر لی اور جو آزمائش کے وقت بوکھلا کر غصہ میں آگیا غضبِ خدا کا مستحق ہو گیا۔

حدیثِ قدسی میں ارشادِ قدرت ہے۔ جو شخص میری قضا پر راضی نہیں ہوتا۔ جو میری نعمات کا شکر نہیں کرتا اور جو میرے مصائب پر صبر نہیں کرتا وہ میرے علاوہ کوئی اور خدا تلاش کرے۔

ویسے بھی اگر سوچا جائے تو بے صبر اور جزع و فزع سے حاصل تو کچھ نہیں ہوتا جو مقدر ہوتا ہے ہوتا تو وہی ہے۔ اگر انسان صبر سے گزارے تو اگر جزع و فزع سے گزارے تو جزع و فزع سے مصائب کم نہیں ہوتے اور صبر و خاموشی سے مصائب میں اضافہ نہیں ہوتا۔

حضرت امیر المومنین فرمایا کرتے تھے اگر وقتِ مصائب صبر سے کام لے تو ثواب کا مستحق ہو گا اور اگر واویلا کرے تو ناراضگی خالق کا موجب ہو گا جو ہونا ہے وہ تو بہر طور ہو کر رہے گا۔

انبیاء اور اولیائے خدا نے مصائب میں نہ صرف صبر کی زبانی تلقین کی ہے بلکہ عملاً صبر کا درس دیا ہے۔ ہر ایک سے زیادہ نشانۂ مصائب برگزیدگان خالق ہی رہے ہیں۔ جناب ابو ایوب کی تاریخ دیکھیں اپنے وقت تک رئیس ترین فرد تھا۔ جب امتحان اور آزمائش کا وقت آیا دولت نہ رہی۔ مال نہ رہا۔ اولاد نہ رہی نوکر چلے گئے۔ صحت ختم ہوگئی، شہر سے نکال دیئے گئے مگر زبان نے ہمیشہ شکرِ خالق ادا کیا، ہر نئی افتاد نے شکرِ رب میں اضافہ کیا۔

نواسۂ رسول کو میدان کربلا میں دیکھیے۔ پانی بند ہوا شکر کیا۔ انصار شہید ہوئے شکر کیا۔ ہمشکل نبی کا لاشہ اٹھایا شکر کیا۔ قاسم کی لاش کے ٹکڑے دامنِ عبا میں لے کے آئے شکر کیا۔ عباسِ باوفا کے بازو قلم ہوئے شکر کیا۔ کمسن اصغر تیرِ جفا کا نشانہ بنا شکر کیا۔ زین ذوالجناح سے زمین پر آئے شکر کیا۔ ابو ایوب غنوی نے پیشانی پر تیر مارا شکر کیا۔ سنان ابن انس نے پہلو پہ وار کیا شکر کیا۔ عمرو ابن حجاج نے رُخِ نازک پہ طمانچہ مارا شکر کیا۔ کسی نے بوسہ گاہِ نبوی پہ تیر مارا جو حلق سے پار ہوگیا شکر کیا۔

حضرت حجت اپنی زیارت میں فرماتے ہیں۔

"قد عجبت من صبرك ملائكة السموٰت فاحدقوا بك
من كل الجهات"

اے جدِ بزرگوار آپ کے صبر پر تو آسمان و زمین کے ملائکہ انگشت بدنداں ہوگئے ہر طرف آپ کے گرد گھیرا ڈال نوحہ خواں رہے

گویا ملائکہ زبانِ حال سے اس عاشقِ خدا، محبوبِ رسولِ دوسرا، کشتۂ نینوا کے صبر کو دیکھ کر کہہ رہے تھے۔

گے خدا یکتن و ایں حملہ بلا
اے بارِ الٰہا۔ ایک تن اور اتنے مظالم

ایں چہ صبر است چہ طاقت چہ ولا
یہ کیسا صبر ہے، کیسی طاقت ہے اور کیسا یقین ہے؟

نے کشد ارض و سما بار چنیں
ارض و سما مل کے بھی ایسے مصائب برداشت نہ کر سکیں،

ایں چہ عرش است خدایا بر زمیں
اے خدا! زمین پر یہ کیسا عرش ہے؟

دردش از کل بشر بیشتر است
اس کے درد کو مجموعی طور پر نوعِ بشر کے دردوں سے ہیں۔

مگر ایں طاقت فوق البشر است
لیکن اس کی ہمت فوق البشر ہے۔

کس ندیدہ است چنیں مظلومے
زمانہ میں کسی نے ایسا مظلوم نہ دیکھا ہوگا۔

نیست در دہر چنیں مغمومے
روئے ارض پر ایسا ستم رسیدہ کوئی نہ ہوگا۔

صبر ہر کس بفرج راہ نما است
ہر مصیبت کے بعد آسائش ہوتی ہے۔

فرج ایں شہ بے سپاہ کجا است

اے اللہ! بے یار و مددگار کا سکون کہاں ہے؟

اس عالم میں اگر کسی نے زہرا کے اس لاڈلے کی کوئی آواز سنی ہے تو وہ یہ تھی۔ صبراً علی قضائك یا غیاث المستغیثین۔

پانچواں جو شخص شیطانی فریب میں نہیں آتا وہ ہے جو اللہ کی تقسیم پر راضی ہو۔ نبی اکرمؐ نے جناب ابوذر سے فرمایا۔ اے ابوذر! انسان جس طرح موت سے دور بھاگتا ہے اسی طرح اگر رزق سے بھی بھاگتا رہے تو جس طرح موت بھاگنے والے کو جا لیتی ہے اسی طرح رزق بھی انسان کا تعاقب کر کے تلاش کر لے گا۔

امام صادقؑ فرمایا کرتے تھے کہ خلاقِ عالم فرماتا ہے کہ جب کسی انسان کا رزق تنگ کرتا ہوں تو وہ مجھ پر ناراض ہوتا ہے حالانکہ اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اسے رزق کی تنگی میرے قریب کرتی ہے۔ اور جب کسی انسان کا رزق کشادہ کرتا ہوں تو وہ خوش ہو جاتا ہے حالانکہ اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وسعتِ رزق اسے مجھ سے دور کر دیتی ہے۔

امام صادقؑ نے اپنے آباءؑ کے ذریعہ نبی اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضورؐ فرمایا کرتے تھے بار الہا! محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اتنا رزق عنایت فرما کہ ان کی ضروریات کی کفالت کرتا رہے۔ ایسا تھوڑا رزق جو تیرے قرب کا باعث ہو اس رزقِ کثیر سے بہتر ہے جو تجھ سے بعد اور دوری کا سبب بنے۔

آنحضورؐ نے جناب ابوذر سے فرمایا۔ کہ اے ابوذر! میں نے

اللہ سے سوال کیا کہ محمدؐ و آل محمدؐ اور ان کے ماننے والے دوستوں کو بقدرِ ضرورت دے۔ اور محمدؐ و آل محمدؐ کے دشمنوں کو وافر مقدار میں دے تاکہ ان کی غفلت بڑھتی جائے۔

کشف الغمہ میں ہے کہ ایک دن حضرت علیؑ نے بنت رسولؐ سے کھانا مانگا۔ بی بیؑ نے عرض کیا۔ دو دنوں سے ہم نے کچھ نہیں کھایا آپ نے فرمایا۔ مجھے بتایا تو ہوتا۔ آپ باہر تشریف لے گئے۔ ایک دینار قرض لیا۔ واپس آ رہے تھے راستہ میں مقداد کو بیٹھے دیکھا۔

آپ نے پوچھا مقداد خیریت تو ہے دوپہر کی اس چلچلاتی دھوپ میں سرِ راہ کیوں بیٹھا ہے۔ عرض کیا یا علیؑ! آپ اپنا کام کریں مجھے کچھ نہ کہیں۔ آپ نے جب اصرار کیا۔ تو مقداد نے عرض کیا آج تیسرا دن ہے گھر میں فاقہ ہے اب بچوں کا بھوک سے بلکنا نہ دیکھا گیا یہاں آ کے بیٹھ گیا۔ آپ رو دیئے اور فرمایا۔ مقداد فاقہ تو ہمارے گھر میں بھی ہے۔ لیکن تیرے گھر میں فاقہ تین دن سے ہے اور ہمارے گھر میں دو دن سے میں نے ایک دینار بطور قرض مانگا تھا۔ لے تو اپنے بچوں کو کھلا۔ دینار مقداد کو دیا۔ خود خاموش ہو کر گھر آ گئے۔ نماز ادا کی۔

جب جماعت ختم ہوئی حضرت علیؑ مسجد ہی میں بیٹھے تھے۔ آنحضورؐ اٹھے در مسجد پر تشریف لائے حضرت علیؑ کو بلایا۔ جب آپ قریب آئے تو فرمایا۔ یا علیؑ! کیا آج تیرے گھر کھانے کو کچھ مل جائے گا۔؟

حضرت علیؑ نے سر جھکا لیا۔ جواب دیا۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ مجھے حکم خالق ہے کہ آج آپ کے گھر کھانا کھاؤں۔ حضرت علیؑ پھر بھی

رہے۔ آنحضور نے فرمایا۔ یاعلی سر کیوں جھکائے ہو نہ کیوں نہیں کہہ دیتے؟ یا ہاں کہہ دو۔ اس وقت حضرت علی نے عرض کیا۔ بسم اللہ تشریف لائیے آنحضور نے حضرت علی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا اور خانۂ زہرا میں تشریف لائے مخدرہ کونین مصروف نماز تھیں نماز ختم ہوئی بابا کی آواز سنی۔ اٹھنا چاہتی تھیں کہ محراب مصلیٰ پر ایک تازہ بتازہ انواع واقسام کے کھانوں سے پر طبق آیا۔ بخارات اُٹھ رہے تھے۔

بی بی نے طبق اٹھایا۔ ایک طرف رکھا۔ بابا کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا بیٹی کیسے گذر ہو رہی ہے؟ عرض کیا باباجان الحمدللہ اچھی گزر رہی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ پھر بیٹی کچھ کھانے کو لاؤ۔ بی بی اندر گئیں طبق طعام لا کے سامنے رکھا۔ حضرت علی نے حیرت سے دیکھا۔ آنحضور نے فرمایا یاعلی تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ تیرے اس دینا کا عوض ہے جو تو نے آج دوپہر مقداد کو دیا تھا۔ خدائے قدوس نے تجھے دنیا میں زکریا اور میری بیٹی کو مریم کبریٰ کی طرح قرار دیا ہے۔

سولھویں مجلس

پانچ انبیاء کی آزمائش

مجالس المومنین میں ہے کہ ذاتِ احدیت نے پانچ انبیاء کو بالخصوص مبتلائے آزمائش کیا اور انہوں نے دورِ ابتلاء میں اتنی عبادت کی کہ ملائکہ نے اپنی عبادت کے قصور کا اعتراف کیا۔

پہلا نبی حضرت نوح تھا جس نے ڈھائی ہزار سالہ زندگی میں سے کئی صدیوں تک اپنی قوم کو دعوتِ توحید دی لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔ بلکہ حضرت نوح پر اس قدر جسمانی تشدد کرتے تھے کہ حضرت نوح کے کانوں سے خون تک بہنے لگتا تھا۔ اس قدر پتھر برساتے تھے کہ آپ پتھروں تلے دب جاتے تھے تین تین دن تک آپ عالمِ غش میں رہتے تھے لیکن جونہی غش سے افاقہ آتا تھا کھڑے ہو کر پھر مصروفِ تبلیغ ہو جاتے تھے۔ مگر بایں ہمہ آپ نے کبھی اپنی قوم کی ایذا رسانیوں کا شکوہ نہیں کیا بلکہ ہر تکلیف پر شکرِ خدا ہی کیا حتیٰ کہ ذاتِ احدیت نے قرآن میں حضرت نوح کو عبدِ شکور سے متعارف کرایا ہے۔

دوسرے حضرت ابراہیم تھے۔ جنہوں نے زندگی کے اوّلین لمحہ سے آخرِ عمر تک ہر لمحہ آزمائشوں میں گزارا۔ جب نمرود نے آپ کو بھڑکتی آگ میں ڈالنے کے لئے منجنیق میں بٹھایا تو ملائکہ یہ منظر دیکھ کر نالہ و شیون کرنے لگے۔ بارگاہِ خالق میں عرض کی۔ بارِ الٰہا! کیا روئے ارض پر تیرا یہ خلیل یونہی آگ میں جل جائے گا؟ کیا کوئی اس کی امداد نہ کرے گا؟ ذاتِ احدیت نے فرمایا۔ جاؤ۔ اگر میرا خلیل تمہاری امداد قبول کرتا ہے تو اس کی مدد کرو۔ ملائکہ فوج در فوج زمین پر اترنے لگے اور حضرت ابراہیم کو اپنی خدمات پیش کرنے لگے۔ لیکن خلیلِ خدا

نے کسی طرف توجہ نہ دی شکرِ خالق میں مصروف رہے۔ جب جبریل نے آکر اپنی خدمات پیش کیں تو حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ اگر تو تجھے میرے خالق نے میری مدد کو بھیجا ہے تو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں اور اگر تو اپنی مرضی سے آیا ہے تو مجھے تیری مدد کی ضرورت نہیں۔

جبریل نے عرض کیا مجھے اللہ نے آپ کی مدد کرنے کا حکم تو نہیں دیا۔ البتہ میری درخواست پر مجھے آپ کی مدد کی اجازت دی ہے آپ نے فرمایا۔ اگر اسے میری زندگی منظور ہو گی تو وہ خود ہر شئی پر قادر ہے۔ تو میرے اور میرے خلیل کے درمیان سے ہٹ جا مجھے زندگی کے ان آخری لمحات میں شکریہ ادا کرنے دے۔

تیسرے حضرت یوسف ہیں جنہیں بھائیوں نے سنگدلانہ طمانچے مار کنوئیں میں ڈالا۔ زلیخا کے مکر کا سامنا کیا۔ اور زندان میں رہے لیکن ان تمام حالات میں نہ تو کسی سے شکوہ کیا اور نہ ہی بارگاہِ خالق میں شکایت کی۔ بلکہ ہر مرحلہ پر شکرِ خالق کیا۔

چوتھے حضرت ایوب ہیں جنہیں ذہنی آزمائشوں میں مبتلا کرنے کے بعد خالقِ کونین نے جسمانی تکالیف میں مبتلا کیا۔ جسم کا گوشت ختم ہو گیا۔ ہڈیاں نظر آنے لگیں۔ خوش نصیب شریکِ حیات رہ گئیں جو بستر پر سلاتی تھیں کھانا کھلاتی تھیں۔ ان تمام مصائب میں جناب ایوب نے شکرِ خالق کے سوا کچھ بھی نہیں کیا۔

پانچویں حضرت یونس ہیں جنہوں نے چالیس شب و روز شکمِ ماہی کے زندان میں گزارے اور تسبیحِ خالق کرتے رہے ملائکہ نے

لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کی تسبیح ملاء اعلیٰ پر گئی۔

اس میں شک نہیں ان انبیاء نے انتہائی کٹھن ترین گھڑیاں گزاریں۔ لیکن اگر آپ ان پانچوں انبیاء کی آزمائشات کو جمع کر کے نواسۂ رسول کی ایک دن کی آزمائشوں سے موازنہ کریں تو نواسۂ رسول کی آزمائشات کا پلہ بھاری رہے گا۔

حضرت نوح نے بہت زیادہ جسمانی تشدد برداشت کیا ہے لیکن نہ تو کسی نے ان کا پانی بند کیا اور نہ ہی انہیں تین دن بھوکا رکھا گیا۔

حضرت ابراہیم نے آتش نمرود کا منظر دیکھا ضرور لیکن ذات احدیت نے اسے گلزار بنا دیا۔ تپش جسم تک نہ آئی جبکہ فرزندِ زہرا نے جلا دینے والی چلچلاتی دھوپ پر تین دن کے پیاسے لبوں سے سجدہ خالق میں زیرِ خنجر شکر ادا کیا۔

حضرت یوسف کو بھائیوں نے طمانچے مارے، کنوئیں میں ڈالا۔ لیکن نہ زخمی تھے نہ ساتھ بہنیں اور بیٹیاں تھیں۔

حضرت ایوب کا مال و دولت اللہ نے لیا کسی نے لوٹا نہیں حضرت ایوب کی اولاد کو اللہ نے حادثاتی موت سے دوچار کیا جبکہ فرزندِ مرتضیٰ نے ایک ایک بیٹے کا لاشہ ہاتھوں پہ اٹھایا۔

حضرت یونس نے چالیس دن شکم ماہی میں گزارے اگرچہ قید تھی لیکن نہ اولاد کا غم نہ پیاس۔ نہ گرمی، نہ بیٹیوں کی فکر نہ بہنوں کا ساتھ۔

اب ذرا نواسۂ رسول کی نماز ملاحظہ فرمائیے۔ بحار الانوار کے مطابق حصین ابن نمیر پانچ صد تیر انداز کو لئے آپ کے گرد گھیرا ڈالے

ہوئے ہے۔ تیر اندازی ہو رہی ہے۔ گھوڑوں کے قدم کاٹ دیئے گئے ہیں۔ اسی اثنا میں عمر سعد حکم دیتا ہے خیام کو آگ لگا دو۔ شبث ابن ربعی کہتا ہے۔ ارے ظالم تجھے شرم نہیں آتی آخر اہلبیتِ پیغمبر کو کتنی اذیتیں دو گے۔

ادھر ابو ثمامہ صیداوی عرض کرتا ہے میرے آقا فوجِ یزید کا کافر لشکر گھیرا تنگ سے تنگ کرتا جا رہا ہے۔ زوال ہو چکا ہے میری خواہش ہے آخری نماز آپ کی اقتداء میں ادا کر لی جائے۔

فرفع الحسین رأسہ الی السماء وقال ذکرت الصلوٰۃ جعلک اللہ من المصلّین نعم ھذا اوّل وقتھا۔

نواسۂ رسول نے سر سوئے آسمان بلند کیا۔ اور فرمایا۔ تو نے ایسے وقت نماز کا ذکر کیا ہے اللہ تجھے نمازیوں سے محشور فرمائے ہاں یہی اوّل وقتِ نماز ہے۔

ریگِ کربلا پر تجدیدِ تیمّم کی۔ اذان کہی۔ زہیر ابن قین اور سعید ابن عبداللہ سے فرمایا میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ تاکہ ظہر کی نماز باجماعت ادا کر لیں۔ ادھر نماز شروع اور دوسری طرف سے تیروں کی بارش شروع ہے۔ خلافت کی بیعت لینے والوں نے نہ نماز کا حیا کیا اور نہ مہلت دی۔ ہر طرف سے تیر برس رہے ہیں کسی طرف سے آنے والے تیروں کو زہیر اپنے سینہ پر لیتا ہے اور کسی طرف سے آنے والے تیروں کے سامنے سعید اپنے سینہ کو پیش کر دیتا ہے۔ جب یزیدی فوج کے کافر مزاج سپاہیوں نے دیکھا تو تیر اندازی میں

شدت اختیار کرلی۔ زہیر اور سعید دونوں دوڑ دوڑ کر تیروں کو اپنے سینہ پر لینے لگے۔ ابھی تک نماز ختم نہیں ہوئی تھی کہ سعید کا جسم تیروں سے بحالت تشہد بیٹھے ہوئے فرزندِ رسول کی گود میں گرا اور آخری جملہ یہ کہا اللھم ابلغ نبیک السلام وابلغہ مالقیت من الم الجرح فانی اذیت بذلک نصرۃ ذریۃ نبیک۔ اے اللہ! میری طرف سے اپنے نبی کو سلام پہنچا دینا اور میرے تیروں کی زخموں کی تکلیف بھی بتا دینا۔ میں نے اس کی ذریت کا حق نصرت ادا کر دیا ہے۔

کہاں حضرت نوح کی عبادت اور کہاں اذانِ شبیر۔ کہاں حضرت ابراہیم کی آتشِ نمرود اور کہاں دلِ شبیر پر ہمشکل نبی کی سوزش۔ کہاں حضرت یوسف کے مصائب اور کہاں جگر گوشۂ زہرا کی نماز۔ کہاں حضرت ایوب کے مصائب اور کہاں بابائے سکینہ کا کمسن اصغر کیلئے پانی مانگنا۔ کہاں حضرت یونس کی قید اور کہاں لاشۂ قاسم کے ٹکڑے اٹھا کر الحمد للہ کہنا۔

ستر ہویں مجلس

حوضِ کوثر پر پانچ علموں کے ساتھ اُمّتِ محمّدیہ کی آمد

ابن طاؤس اور دیگر علمائے کرام نے روایت کی ہے کہ آنحضور نے جناب ابوذر سے فرمایا۔ یوم حشر حوض کوثر میری امت پانچ حصوں میں تقسیم ہو کر میرے پاس آئے گی ہر حصّہ کے پاس ان کا علامتی علم ہو گا۔

پہلے حصہ کا علمبردار میری امت کا بچھڑہ سامری ہو گا۔ میں اس کے استقبال کو اٹھوں گا۔ اس سے مصافحہ کروں گا جونہی اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آئے گا اس کا چہرہ بدل جائے گا اور رنگ سیاہ پڑ جائیگا اس کے ساتھ آنے والے ہر شخص کی یہی کیفیت ہو جائے گی۔ میں اس سے سوال کروں گا کہ

میں تمہارے درمیان دو چیزیں قرآن اور اپنی ذریت چھوڑ کے آیا تھا ان سے کیا سلوک کیا؟

وہ جواب دے گا قرآن کی تکذیب کی اور اہلبیت پر ظلم کئے۔ میں کہوں گا میرے بائیں طرف آجاؤ۔ یہ لوگ پیاسے رہیں گے۔ انہیں حوض کوثر سے ایک قطرہ تک نہ ملے گا۔

دوسرا حصّہ میری امت کے فرعون کے زیر علم ہو گا۔ اور میری امت کی اکثریت اس حصّہ میں شامل ہو گی۔ یہ لوگ گم گشتہ راہ ہونگے۔ ابوذر کہتا ہے میں نے عرض کیا گمراہ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا صرف گمراہ نہیں ہوں گے بلکہ مفسدِ دین ہوں گے۔ حق کو باطل بنا کے پیش کرنے والے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا کے لئے ناراضی اور دنیا کے عوض راضی ہو جانے والے ہوں گے یعنی ان کی رضامندی اور ناراضگی دونوں دُنیا کے لئے ہوں گی۔

جب میں اس حصّہ کے علمبردار سے مصافحہ کروں گا اس کا رنگ بھی سیاہ پڑ جائیگا اس کے قدم کانپنے لگیں گے اور دل کی دھڑکن میں اضافہ ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ آنے والے تمام افراد کی یہی کیفیت ہو گی۔

ان سے میں یہی سوال کروں گا کہ میرے بعد قرآن اور اہلبیت سے کیا سلوک کیا تھا؟ اس حصّہ کا علمبردار جواب دے گا قرآن کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ آپ کے اہلبیت سے جنگ کر کے انہیں قتل کیا تھا۔

میں انھیں بھی پہلے حصّہ کے ساتھ بائیں جانب جانے کو کہونگا یہ روسیاہ بھی حوضِ کوثر سے محروم رہ جائیں گے۔

خداوندِ قدوس دشمنانِ آلِ محمد پر لعنت کرے۔ تکذیب قرآن سے مراد۔ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک۔ کے ارشادِ باری کی تکذیب ہے۔

تیسرا حصّہ صرف پچاس ہزار افراد پر مشتمل ہو گا اس کا علمبردار بخیل مزاج شخص ہو گا۔ یہ لوگ بھی میرے مصافحہ کرتے ہی روسیاہ ہو جائیں گے ان سے بھی میں وہی سوال کروں گا ان کا جواب بھی وہی ہو گا۔ انہیں بھی حوضِ کوثر سے محروم بائیں طرف ہونے والے دو حصوں کے ساتھ شامل کر دوں گا۔

چوتھا حصّہ ستر ہزار افراد پر مشتمل ہو گا ان کا علمبردار راس الخوارج ہو گا۔ ان سے بھی وہی سوال کروں گا ان کا جواب بھی پہلوں سے مختلف نہیں ہو گا۔ چنانچہ ان کا انجام بھی انہی جیسا ہو گا۔

پانچواں حصہ تعداد میں کم ہو گا لیکن تیسرے اور چوتھے حصّہ سے

زائد ہوگا ان کا علمبردار قائد الغرالمحجلین امیر المومنین ہوگا۔ ان سے مصافحہ کروں گا ان کے اور ان کے ساتھ والوں کے چہرے پہلے سے بھی زیادہ روشن ہوجائیں گے۔

ان سے بھی میں وہی سوال کروں گا کہ قرآن اور میرے اہلبیت سے کیا سلوک کیا ہے، یہ جواب دیں گے قرآن کی تصدیق کی ہے اہلبیت سے تعاون کیا ہے ان کے دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن سمجھا ہے ان سے میں کہوں گا آؤ حوضِ کوثر سے پی لو، یہ لوگ حوضِ کوثر سے ایسے سیراب ہوں گے کہ کبھی پیاسے نہ ہوں گے۔

جب ابوذر نے یہ حدیث نقل کی تو جناب مقداد اور حضرت علی نے گواہی دی کہ آنحضور نے اسی طرح فرمایا تھا۔

میرے عزیز ذرا غور فرمائیں کہ یوم حشر حوضِ کوثر پر حضرت علی کے زیرِ علم آنے والے یہ ماہ رو کون ہیں؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ غریبِ کربلا کے وہ انصار ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کی متاع عزیز ذریتِ رسول کے قدموں میں ڈال دی۔

غریبِ کربلا نے نویں محرم کی عصر کو فوجِ یزید سے ایک رات کی مہلت مانگی۔ اور شب عاشور تمام ساتھیوں کو اپنے خیمہ میں جمع کرکے فرمایا اور

حمد و ثنائے خالق کے بعد یوں خطبہ دیا۔

میں نے اپنے انصار سے زیادہ باوفا انصار نہیں دیکھے اور اپنے اہلبیت سے زیادہ حق شناس کوئی اہلبیت نہیں دیکھے

یقین کرو اب مجھے اپنی زندگی کی کوئی امید نہیں ہے۔ اور نہ ہی میرے نانا کی یہ بدنصیب امت میرے خون سے کم کسی چیز پر راضی ہوگی۔ میں نے تم لوگوں سے اپنی بیعت اٹھالی ہے تم سب اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ ان کا مقصود صرف میں ہوں جب مجھے اپنے سامنے دیکھیں گے تو تم میں سے کسی کو بھی تلاش نہیں کریں گے۔

سب سے پہلے حضرت عباس مع اپنے تین بھائیوں اور فرزندان عبداللہ ابن جعفر طیار کے اٹھے اور عرض کی۔

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں وہ دن نہ دکھائے جس میں ہم آپ کے بغیر زندہ ہوں۔ قسم بخدا! جب تک ہمارے دم میں دم ہے، اس وقت تک آپ کی نصرت ہمارا فرض ہے۔ ہم اپنی جان کا نذرانہ آپ کے قدموں میں ڈالیں گے، آپ کے بعد زندگی زہر ہے۔ اور آپ کے ساتھ موت شیریں ہے۔

غریبِ کربلا کے انصار میں سے ایک ضعیف العمر حبیب ابن مظاہر ہے جو حافظِ قرآن اور عابدِ شب زندہ دار تھا۔ مورخین نے حبیب کی کوفہ سے آمد کا واقعہ اس طرح رقم کیا ہے کہ — میدانِ کربلا میں فوجِ یزید کی تعداد ہر دن بڑھتی جارہی تھی۔ کوئی چار ہزار کا دستہ آتا تھا کوئی پانچ ہزار کا دستہ آتا تھا کبھی دو ہزار آگئے اور کسی وقت سات ہزار آگئے۔ جب بھی کوئی دستہ نیا آتا تو اسے فوجی سلامی دی جاتی تھی، فوجی بینڈ سے اس کا استقبال کیا جاتا تھا۔ ہر آنے والا دستہ بتاتا تھا کہ اتنے ہزار گھوڑوں کی نعل بندی ہو رہی تھی وہ بھی آرہے ہیں۔

نویں محرم کی عصر کو شمر لعین پانچ ہزار کا لشکر لے کر آیا جب اس کے استقبال
پر طبل بجے تو ہمشکلِ نبی نے غریب کربلا کی خدمت میں عرض کیا۔
بابا جان اب کون آیا ہے۔
مولا نے فرمایا۔ بیٹے شمر پانچ ہزار لے کے آیا ہے۔
ہمشکل نبی نے عرض کیا۔ بابا آپ نے بھی تو اپنے ساتھیوں
کو بلایا تھا کیا وہ نہیں آئیں گے ؟
آپ نے فرمایا۔ بیٹے بس ابھی پہنچنے والے ہیں۔
کچھ دیر بعد کوفہ کی طرف سے گرد نمودار ہوئی جب ابر گرد بیٹھا
دیکھنے والوں کو دو شہسوار نظر آئے جب قریب آئے تو آپ نے
اپنے تمام انصار اور احباب کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ یہ حبیب ابن مظاہر
اور مسلم ابن عوسجہ تھے۔

شہادتِ حبیب

یوم عاشور جب کافی انصار یکے بعد دیگرے راہ حق میں قربان
ہو گئے تو حبیب غریبِ کربلا کی خدمت میں آیا اور اجازت طلب کی۔
آپ نے فرمایا۔ حبیب تو ضعیف العمر ہے میرے نانا اور بابا
کے ساتھیوں سے ہے میں تجھے جانے کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں۔
حبیب نے عرض کیا۔ میرے آقا! میں نے جس طرح آپ کے
نانا اور بابا کی رکابوں کا بوسہ لینے کو اپنی زندگی کی عزت سمجھے رکھا ہے
اسی طرح میرے لئے آپ کے قدموں کا بوسہ لینا بھی باعثِ شرف ہے

جس طرح میں آپ کے نانا اور بابا کے جاں نثاروں میں رہا اسی طرح
اس گزری ہوئی زندگی کی آخری خواہش ہے کہ میرا نام آپ کے
جانثاروں کی فہرست میں بھی شامل ہو جائے۔ میں سمجھتا ہوں شاید
آج کے لئے اللہ نے میری زندگی کو بچائے رکھا تھا۔ اور میرا نام
شہدائے کربلا کی فہرست میں شامل کر رکھا تھا۔ اب تاب صبر نہیں ہے
بچوں کی صدائے العطش نے دل تو پہلے ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔
آپ نے فرمایا۔ جزاك الله۔ حبیب اللہ تجھے جزائے خیر دے
آپ نے رخصت کیا۔ میدان جنگ میں آیا اسی سالہ ضعیف نے
شدت پیاس کے باوجود ساٹھ افراد کو واصلِ جہنم کیا۔
اچانک ایک تمیمی نے تیر مارا جس سے حبیب کے پاؤں رکابوں
سے نکل گئے ابھی گھوڑے پر سنبھل ہی رہے تھے کہ ظالم حصین ابن نمیر
نے پہلو میں نیزہ کا وار کیا گھوڑے سے زمین پر آئے تمیمی نے اپنے گھوڑے
سے اتر کر سر تن سے جدا کیا۔
صاحبِ مناقب کے مطابق حبیب کی شہادت نے امام حسین کو
دل برداشتہ کر دیا۔
ابو مخنف کا کہنا ہے کہ
لما قتل العباس وحبیب ابن مظاهر بان الانكسار فی وجه الحسین
ثم قال انا لله وانا الیه راجعون۔
جب باوفا عباس اور حبیب ابن مظاہر شہید ہوئے تو غریبِ کربلا
کے چہرہ پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے۔ شہادتِ حبیب کے بعد

آہِ سرد کھینچ کر فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عند اللہ نحتسب الفسنا۔ ہم اپنا محاسبہ بارگاہِ خالق میں کرائیں گے۔

امام حسین کے پژمردہ چہرہ کو دیکھ کر زہیر ابن قین نے عرض کیا۔ آقا۔ کیا ہم حق پر نہیں؟

آپ نے فرمایا۔ اگر ہم حق پر نہیں تو اور کون ہے، مجھے روزِ روشن کی طرح برحق ہونے کا یقین ہے۔

زہیر نے عرض کیا پھر آپ مایوس کیوں نظر آرہے ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ زہیر تجھے معلوم ہے کہ شہادت ہماری میراث ہے میں اپنے لئے نہیں پریشان ہو رہا۔ یہ فرما کر آپ نے خیام کی طرف دیکھا اور بیساختہ آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ زہیر بھی مطلب سمجھ گیا اور وہ بھی رونے لگا۔

پھر زہیر نے اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دی۔ زوجہ زہیر نے آکے عرض کی۔ زہیر تو جانتا ہے کہ فوجِ یزید درندوں کی فوج ہے۔ میری سفارش کر کے مجھے نبی زادیوں کے خیام میں پہنچوا دے مجھے امید ہے یہ لوگ نبی زادیوں کا احترام کریں گے۔

زہیر نے مولا کی خدمت میں درخواست کی آپ نے قبول فرمائی۔ زوجۂ زہیر کو ثانیۂ زہرا کے سپرد کیا۔

اٹھارویں مجلس

سرورِ انبیاء پر پانچ خصوصی عنایات

شیعہ۔ سنی روایت کے مطابق نبی کریم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ خلائق عالم نے مجھے پانچ ایسی خصوصیات سے نوازا ہے جن سے اور کسی کو نہیں نوازا گیا۔

پہلی عنایت:- زمین کو میرے لئے مسجد اور بصورت عدم آب باعث طہارت بنایا گیا ہے جہاں چاہیں نماز پڑھیں خواہ آبادی میں یا صحرا میں ہمیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ویسے آبادی کی نسبت صحرا میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

صحرا میں ثواب عبادت

آپ نے جناب ابوذر سے فرمایا کہ جب کوئی مومن صحرا میں تنہا ہو نماز کا وقت ہو جائے اگر پانی ہے تو وضو اگر پانی نہیں تو تیمم کر کے اذان و اقامت کہے اور رو بقبلہ ہو کر مصروف نماز ہو تو خلاق عالم ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ صحرا میں میرا بندہ تنہا میری نماز پڑھ رہا ہے اس کے ساتھ شامل ہو جاؤ چنانچہ ملائکہ اس نمازی کے پیچھے صف بستہ شامل نماز ہو جاتے ہیں۔ رکوع و سجود میں نمازی کی اتباع کرتے ہیں اور بوقت دعا آمین کہتے ہیں۔

امام صادق سے مروی ہے کہ جو اذان و اقامت سے نماز پڑھے حکم خدا سے ملائکہ کی دو صفیں اس کے ساتھ شامل نماز ہو جاتی ہیں اور جو شخص صرف اقامت سے نماز پڑھے ایک صد ملائکہ اُس کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں۔

بعض احادیث میں ملائکہ کی دو صفوں میں سے ہر صف کا طول مشرق سے مغرب تک ہوتا ہے۔ بعض احادیث میں ہے کہ اگر صف کم ہو تو مذکورہ طول ہوتا ہے اور اگر زیادہ ہو تو ارض و سماء کی مسافت کے مطابق طول ہوتا ہے۔

نبی اکرم نے فرمایا ہے کہ جو شخص قربتہً الی اللہ اذان کہے ذاتِ احدیت کی طرف سے اسے چالیس ہزار صدیق، شہید کا ثواب ملتا ہے اور چالیس ہزار گناہگاروں کی شفاعت کا حق ملتا ہے۔ جب موذن خلوص دل سے اشہدان لا الہ الا اللہ کہتا ہے نوے ہزار ملائکہ اس کے لئے طلب رحمت کرتے ہیں۔ روز حشر عرش الٰہی کے زیر سایہ ہوگا جب اشہدان محمداً رسول اللہ کہتا ہے چالیس ہزار ملک اس کلمہ کو تحریر کرتا ہے۔ جتنے لوگ مؤذن کی اذان سن کر شامل نماز ہوتے ہیں تمام کی نماز کے ثواب میں موذن برابر شریک ہوتا ہے۔

ہشام ابن سالم نے امام رضا کی خدمت میں عرض کی کہ قبلہ ایک تو بیماری پیچھا نہیں چھوڑتی اور دوسرا اولاد نرینہ سے محروم ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اذان دیا کر۔ ہشام کہتا ہے کچھ ہی عرصہ بعد بیماری سے بھی شفا مل گئی اور اولاد نرینہ بھی بکثرت ہو گئی۔

آنحضور سے مروی ہے کہ اگر موذن اذان و اقامت کے درمیان ایک لمحہ کے لئے بیٹھ جائے تو خدائے قدوس کی طرف سے ایک لمحہ بیٹھنے کا ثواب ایک شہید جیسا ملے گا۔

جب اسیران آل محمد کی آمد کی اطلاع یزید کو شام میں ملی اس وقت

نماز مغرب کا وقت تھا لیکن یہ ملعون اپنے مصاحبوں میں گھرا ہوا مصروف مے خوری تھا۔ بیمار تھا طبیب مصروفِ علاج تھا۔ "شو" ہو رہا تھا جونہی اسے مخبر نے اطلاع دی اس نے خوشی سے تالی بجائی اور طبیب سے کہا اپنا سامان اٹھالے اب میں بیمار نہیں ہوں بالکل تندرست ہوں۔

دربار سجا دیا گیا۔ رقاص حاضر ہو گئے۔ سازندوں نے گت گانا شروع کیا۔ رقاص بھاؤ بتانے لگے۔ یہ ملعون جام پر جام چڑھانے لگا کہ اتنے میں نیزوں پر سر بلند کئے ملاعین خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے داخلِ دربار ہوئے۔ ان کے بعد اسیروں کی قطار داخلِ دربار ہوئی۔ آگے آگے جناب سجاد کمر جھکائے جناب باقر کو ساتھ لئے تھے۔ دربار کا رنگ اور نقشہ دیکھ کر زخم جگر کے رِسنے میں اضافہ ہو گیا۔ خون برسانے والی آنکھوں سے خون باری بڑھ گئی۔ بیساختہ یہ اشعار پڑھے۔

اقاد ضعیفاً فی دمشق کاننی	دمشق میں مجھے اس طرح رسن بستہ کھینچا جا رہا
من الزنج عنہ غاب عبد نصیرہ	تھا جیسے میں بے یار و مددگار زنگی قیدی ہوں۔
وجدی رسول اللہ فی کل متعمد	حالانکہ ہر محفل میں میں کہہ سکتا ہوں کہ رسول اللہ میرا جد ہے
وشیخی امیر المومنین وزیرہ	اور اس کا وزیر امیر المومنین میرا دادا ہے۔
فیالیت لم انظر دمشق ولم یکن	کاش میں دمشق کو اس حالت میں نہ دیکھتا۔
یزید یرانی فی القیود اسیرہ	اور کاش یزید مجھے اپنے سامنے اسیر نہ دیکھتا۔

سہل ساعدی صحابہ میں سے ہے کہتا ہے ایک دن میں بازار شام میں آیا دیکھا تو بازار سجائے جا رہے تھے۔ لوگوں نے عید کے لباس پہنے ہوئے تھے، تالیاں بجا بجا کر خوشی کے نعرے لگا رہے تھے۔ ایک دوسرے سے بغلگیر ہو کر ایک دوسرے کو مبارکبادیاں دے رہے تھے، ہر چوک پر رقص و سرود کی محفل تھی۔ رنگا رنگ ساز بج رہے تھے۔

میں نے دل میں کہا۔ کیا آج مسلمانوں کی عید ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا زندگی تو میں نے بھی آنحضور کے قدموں میں گذاری ہے ایسی کسی عید کا علم مجھے تو نہیں ہے۔ آخر میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا آج کوئی عید ہے؟

اس نے کہا۔ کیا تو اس شہر میں نووارد ہے؟

میں نے بتایا کہ میں صحابی رسول سہل ساعدی ہوں۔

میری بات سن کر ایک شخص نے میرے ہاتھ سے پکڑا۔ مجھے تنہائی میں لے گیا۔ اور رو کے کہنے لگا۔ اے سہل ہم لٹ گئے۔ اسلام تباہ ہو گیا۔ اُمتِ مسلمہ قیامت تک کے لئے رسوا ہو گئی۔

میں نے کہا کچھ بتاؤ تو سہی بات کیا ہے؟ اس نے کہا اچھا ہے تجھے کچھ معلوم نہیں ہے کہ دنیا میں کتنا اندھیر ہو گیا ہے، میں تو حیران ہوں کہ آسمان زمین پر کیوں نہیں گرا زمین میں زلزلے کیوں نہیں آئے آج دمشق میں فرزندِ رسول کا کٹا ہوا سر آ رہا ہے، اور بنی زادیاں رسن بستہ لائی جا رہی ہیں، اسی بازار سے انہیں گزارا جائے گا۔ یہ عید اسی لئے منائی جا رہی ہے یہ محفلیں اسی لئے جمی ہیں۔

میں نے پوچھا کس دروازہ سے داخل ہوں گے؟

اس نے کہا باب الساعات سے پروگرام ہے۔

میں نے جلدی جلدی وہاں پہنچنے کی کوشش کی لیکن رش

اس قدر زیادہ تھا کہ میں ایک قدم آگے بڑھاتا تھا تو کئی قدم پیچھے دھکیل دیا جاتا تھا۔ بالآخر میں باب الساعات پر پہنچ ہی گیا۔ میں نے دیکھا نیزہ بردار سوار قطار باندھے ایک دوسرے کے پیچھے چلے آرہے ہیں۔ ہر نیزہ کی نوک پر ایک چمکتا دمکتا سر ہے۔ ایک نیزہ پر مجھے وہ سر نظر آیا جسے میں ہمیشہ آغوشِ رسالت اور سینہ نبوت کی زینت دیکھا کرتا تھا۔ میں آنسو روک نہ سکا روتے روتے میری ہچکی بندھ گئی۔ اس کے بعد بے پالان کے محمل آئے جن پر پس گردن دست بستہ نبی زادیاں بالوں سے پردہ بنائے سوار تھیں میں محملوں کے قریب گیا میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے ایک چار سالہ کمسن بچی کو تنہا بیٹھے دیکھا۔ بچی اونٹ پر سنبھل نہیں رہی تھی کبھی آگے کبھی پیچھے کبھی دائیں اور کبھی بائیں جھک جاتی تھی۔ بچی کے دونوں ہاتھ رسی میں بندھے ہوئے تھے میں قریب ہوا اور بچی کو سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا کمسن میں دیکھ رہا ہوں تیرے ہاتھ پس گردن بندھے ہیں۔ تو اونٹ پر سنبھل نہیں سکتی کہیں گر نہ جائے۔ اس کمسن نے کہا اے بندہ خدا ذرا اونٹ کے شکم اور گلے پر نگاہ کر۔ میں نے دیکھا تو بچی کے دونوں پاؤں اونٹ کے زیرِ شکم بندھے ہوئے تھے اور اونٹ کے گلے سے ایک رسی گزار کر بچی کے بندھے ہوئے ہاتھوں میں باندھ دی گئی تھی۔ روتے روتے میرا برا حال ہو گیا۔ میں نے کہا بی بی دیگر تمام مستورات عمر رسیدہ ہیں کسی نبی زادی سے بات کرنے کو حوصلہ نہیں پا رہا میں آپ کی وساطت سے پوچھتا ہوں

میں آپ کے نانا کا صحابی ہوں اگر میرے بس کے مطابق کوئی حکم ہو تو بتا دو۔

کمسن بچی نے کہا سہل اگر کر سکتا ہے تو اس نیزہ بردار بدبخت سے کہہ دے جس نے میرے بابا کا سر میری پھوپھی کے محمل کے قریب اٹھا رکھا ہے سر کو محمل سے آگے لے جائے یا پیچھے لے جائے تاکہ لوگ میرے بابا کے سر سے تلاوتِ قرآن سننے میں مصروف ہو جائیں اور میری ثانیہ زہرا پھوپھی کے بالوں سے نگاہیں ہٹ جائیں۔

دوسری عنایت — یہ ہے کہ اللہ نے زمین کو میرے لئے پاک کنندہ بنایا ہے جہاں پانی نہ ملے تو وضو اور غسل کے عوض مٹی سے تیمم کیا جا سکتا ہے۔

تیسری عنایت — اللہ نے دلِ کفار میں میری اتنی ہیبت ڈال دی ہے کہ میرا نام سن کر بھی لرز جاتے ہیں۔

چوتھی عنایت — جوامع الکلم ہیں اور

پانچویں عنایت — روزِ جزا کی شفاعت ہے۔ تمام امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ذاتِ احدیت کی طرف سے آنحضور کو قیامت میں حقِ شفاعت ملے گا۔ اور تمام علمائے امامیہ کا اتفاق ہے کہ آنحضور کے علاوہ دیگر آئمہ اہلبیت اور دخترِ رسول کو بھی حقِ شفاعت ملیگا ویسے احادیث و روایات سے تو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علماء و صلحا کو بھی اپنی اپنی استعداد کے مطابق حقِ شفاعت ملے گا۔

آنحضور کی یہ حدیث تو شیعہ سنی کتب میں تواتر سے مروی ہے کہ

انما شفاعتی لاھلِ الکبائر من امتی ۔ میری شفاعت میری امت کے گناہانِ کبیرہ کے مرتکب افراد کے لئے ہوگی۔

دوسرے انبیاء کا شفاعت نہ کرنا

علی ابن ابراہیم نے سماعہ سے روایت کی ہے، سماعہ کہتا ہے کہ میں نے امام صادق سے روزِ قیامت آنحضور کی شفاعت سے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جس دن ہر شخص اپنے عرق میں غرق ہوگا، تمازتِ آفتاب سے پسینہ تک کھول اٹھے گا۔ ہر طرف اضطراب، بے چینی اور خوف و ہراس ہوگا، اس وقت تمام لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے آؤ حضرت آدم سے شفاعت کی درخواست کریں۔ حضرت آدم حضرت نوح کے پاس بھیجیں گے، حضرت نوح حضرت ابراہیم کے پاس بھیجیں گے اسی طرح حضرت عیسٰی بابائے زہرا کے پاس بھیجیں گے۔ جب لوگ جدالحسنین کے پاس آئیں گے تو آپ درِ جنت پر آکر سجدہ خالق میں گر جائیں گے یہ بہت طویل سجدہ ہوگا بالآخر ندائے قدرت آئے گی۔ میرے حبیب سجدہ سے سر اٹھالے اور شفاعت کر تیری شفاعت قبول کی جائے گی۔ جو چاہتا ہے مانگ تجھے ملے گا۔

عسی ان یبعثک ربک مقاماً محموداً۔ عنقریب اللہ تجھے مقامِ محمود پر مبعوث کرے گا۔ کی تفسیر بھی یہی ہے۔

آنحضور جن گناہگاروں کی شفاعت کریں گے ان میں عزادارانِ حسین بھی شامل ہوں گے کیونکہ آپ نے عزاداروں کی شفاعت کا

وعدہ اپنی لختِ جگر جناب زہرا سے اس دن کیا تھا جس دن غریبِ کربلا کی ولادت ہوئی تھی۔ اور آنحضور نے اپنی بیٹی کو اجمالاً واقعاتِ کربلا سنا کر شہادتِ شہیدِ نینوا کی اطلاع دی تھی۔ اس وقت بی بی نے سوال کیا تھا۔ باباجان۔ میرے بیٹے کو رونے والا کوئی نہ ہوگا؟

آپ نے فرمایا۔ ویسے تو بہنیں اور بیٹیاں ہوں گی لیکن انہیں رونے سے منع کردیا جائے گا۔

بی بی نے عرض کیا پھر کیا میرے حسینؑ کا مرثیہ پڑھنے والا بالکل کوئی نہ ہوگا؟

آپ نے فرمایا اللہ میری امت کے شرفاء میں سے ایک طبقہ پیدا کرے گا جو ہمارے بیٹے کی عزاداری کریں گے اور میں یومِ حشر ان کی شفاعت کروں گا۔

اے عزیز! آ چند لمحات کے لئے غریبِ کربلا کی عزاداری میں مصروف ہوجائیں تاکہ ممکن ہے ہمارا شمار بھی یومِ حشر عزادارانِ شہیدِ نینوا سے ہوجائے اور آنحضور ہماری بھی شفاعت کردیں۔ عزاداری اتنا مشکل کام نہیں ہے صرف نگاہِ فکر سے ایک مرتبہ میدانِ کربلا کو دیکھ لیجئے آنسو از خود ٹپ ٹپ گرنے لگتے ہیں، خصوصاً جب آپ اس وقت کا تصور کریں جب شہنشاہِ کربلا یکہ و تنہا رہ گیا۔ کوئی نہ رہا۔ اس وقت آپ آخری الوداع کے لئے درِ خیام پر تشریف لائے اور بآوازِ بلند فرمایا۔

یا سکینہ و یا رقیہ یا زینب ۱م کلثوم و یا فضۃ جاریۃ امی الزاھرا علیکن منی السلام۔

اے سکینہ۔ اے رقیہ۔ اے ام کلثوم زینب۔ اے ماں زہرا کی کنیز فضہ میرا آخری سلام ہو۔

تمام مخدرات سرتاپا تصویرِ حیرت بن گئیں کمسن سکینہ بابا کے سامنے آئی۔ بابا کی مجروح تصویر دیکھ کر بیساختہ پیاسی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ بازو پھیلائے بابا کو گلے لگایا اور عرض کیا۔

یا ابتاہ استسلمت للموت۔ بابا جان! کیا واقعاً آپ موت کیلئے آمادہ ہوگئے ہیں۔

فقال کیف لا یستسلم من لا ناصر لہ ولا معین۔

آپ نے فرمایا۔ ایک بے یار و مددگار شخص کا موت کے سوا اور کیا چارہ رہ جاتا ہے۔

بی بی نے عرض کیا۔ یا ابتاہ ردّنا الی حرم جدنا۔

بابا جان کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ ہمیں جدِ امجد کے مدینہ میں پہنچادیں۔

آپ نے فرمایا۔ میری بچی اگر نانا کا مدینہ ہمارے لئے جائے پناہ ہوتا تو ہم وہاں سے کوچ ہی کیوں کرتے۔

تمام مخدرات کو روتا ہوا چھوڑ کر آپ میدان میں آئے اور فوجِ یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ عمر سعد کہاں ہے؟

عمر سعد قریب آیا۔

آپ نے فرمایا۔ دیکھ تین باتیں میں تیرے سامنے رکھتا ہوں ان میں سے ایک جو چاہے چن لے۔

عمر سعد نے پوچھا وہ کونسی ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ پہلی بات یہ ہے کہ۔

تترکنی حتی ارجع الی حرم جدی رسول اللہ

میرا راستہ چھوڑ دے تاکہ میں واپس اپنے جدِ امجد کے حرم مدینہ میں چلا جاؤں۔

عمر سعد نے کہا۔ یہ کام مشکل ہے۔ دوسری بات بتائیے۔

آپ نے فرمایا۔

اسقونی شربۃً من الماءِ فقد نشفت کبدی من الظماء

مجھے پانی کا ایک گھونٹ پلا دو میرا جگر پیاس سے کباب ہوچکا ہے

عمر سعد نے کہا اگر روئے ارض کا پانی میرے قبضہ میں دیدیا جائے تو بھی اس وقت تک آپ کو ایک قطرہ بھی نہ ملے گا جب تک آپ یزید کی بیعت نہ کریں گے۔ تیسری بات کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

وان کان لا بد من قتلی فلمبارز الی رجل بعد رجل۔

اگر مجھے قتل کرنا ہی چاہتے ہو تو پھر شریفوں کی طرح ایک ایک کرکے میرے مقابلہ میں آؤ۔

عمر سعد کہا۔ ذلک لک یہ بات قبول ہے۔

انیسویں مجلس

آنحضور کے لئے جبریل کی پانچ بشارتیں

مروی ہے کہ ایک دن جبریل بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے خاتم الانبیاء ذاتِ احدیت کی طرف سے آپ کے لئے پانچ بشارتیں لایا ہوں۔

پہلی بشارت — ارشادِ قدرت ہے کہ میرے جو بندے میری رحمت کی امید رکھتے ہیں میں ہرگز انہیں نا امید نہیں کروں گا اور انہیں معاف کردوں گا۔

یقین کیجئے رحمتِ الٰہیہ سے مایوسی گناہِ کبیرہ ہے۔ ذاتِ احدیت نے مایوسی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ رحمتِ خدا سے مایوس مت ہونا۔ دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔

لا ییأس من رحمۃ اللہ الا القوم الکافرون۔

رحمتِ خدا سے کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔

جس طرح رحمتِ خدا سے مایوسی گناہِ کبیرہ ہے اسی طرح خوفِ خدا سے بے فکری بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ لہٰذا امیدِ رحمت اور خوفِ عذاب ہر دو میں اعتدال رہنا چاہیئے۔ امام صادقؑ سے منقول ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو جو وصیتیں کی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ۔ اے بیٹے! عذاب خدا سے اتنا ڈرنا کہ اگر تیرے پاس جن و انس کے اعمال کے برابر بھی اعمال ہوں تو بھی سمجھتے رہنا کہ اللہ عذاب دے گا۔ اور رحمتِ خدا پر اتنی امید رکھنا کہ اگر تیرے گناہ جن و انس کے گناہوں کے برابر ہوں تو بھی یہی سمجھنا کہ اللہ بخش ہی دے گا۔

اسحاق ابن عمار نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے

فرمایا۔ اے عمار خدا سے اس طرح ڈرتے رہا کرو کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے نہ بھی دیکھ رہا ہو تو یہ تو مسلم ہے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو کسی وقت بھی یہ سمجھ لے کہ خدا تجھے نہیں دیکھ رہا تو تو کافر ہو جائے گا۔ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا تجھے ہر وقت اور ہر حالت میں دیکھتا ہے اور اس کے دیکھتے ہوئے تو ارتکابِ گناہ کرتا ہے تو گویا تو نے خالق کو مخلوق سے بھی ہیچ سمجھ لیا۔

دوسرے مقام پر امام صادق نے فرمایا ہے کہ۔ جو شخص خدا سے ڈرے ہر چیز اس سے ڈرتی ہے۔ اور جو خدا سے نہ ڈرے وہ ہر چیز سے ڈرتا پھرتا ہے۔

آنحضور سے مروی ہے کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ ان لوگوں کو یہ بتا دے کہ جو لوگ اپنے اعمال کے بل بوتے پر جنت لینا چاہتے ہیں انہیں کبھی نہ ملے گی کیونکہ ان کے تمام اعمال تو دنیا میں میرے ایک گھونٹ پانی کی قیمت بھی ادا نہیں کر سکتے پھر ان اعمال کی بنیاد پر جنت کیسے لیں گے۔ انہیں کہہ دے کہ اعمال کرو لیکن جنت کی امید میری رحمت سے کرو۔

آنحضور سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی قسم! مومن کو صرف اسی وقت اچھائی نصیب ہو سکتی ہے جب وہ اللہ پر حسن ظن رکھے۔

ایک اور مقام پر آپ نے فرمایا کہ ذاتِ احدیت ہر انسان سے اس کے اپنے متعلق ظن کے مطابق عمل کرتا ہے جس کا اللہ کے متعلق

جتنا حسن ظن ہوتا ہے اسے اتنا اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔

قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا۔

انہیں بتا دے کہ اللہ کے فضل و رحمت کی توقع رکھیں اور اسی پر اظہارِ مسرت کریں۔ وہ کتنا کریم ہے فرعون جس نے چار سو برس تک دعوئی خدائی کئے رکھا جب اس کے پاس حضرت موسیٰ کو بھیجا تو فرمایا موسیٰ اسے نرمی سے میری توحید کی دعوت دینا ممکن ہے اسے ہوش آجائے۔

بعض کتبِ حدیث میں تو اتنے تک ہے کہ۔ ذاتِ احدیت نے حضرت موسیٰ کے ذریعہ فرعون کو پیغام دیا کہ۔ چار سو برس تک تو میں کہتا رہا ہے۔ مگر میں نے تجھ سے حکومت نہیں چھینی اب صرف ایک مرتبہ تو خدا نہ ہیں۔ کہہ دے میں چار سو سال اور تجھے حکومت دیئے رکھوں گا۔

حدیث من بکی

ایسا کریم اور رحیم خالق جو مغفرت کی قیمت نہیں بہانہ چاہتا ہے۔ گناہ کا پہاڑ ایک تنکے کے عوض اور بے انتہا غلطیاں ایک آہ کے عوض معاف کر دیتا ہے۔ اسی خالق کی بارگاہِ بے نیاز میں غریبِ کربلا پر رونا۔ رلانا۔ اور رونے کی شکل بنانا بھی ایک بہانہ ہی ہے۔ ارشادِ معصوم ہے۔ من بکی۔ او ابکی۔ او تباکی وجبت لہ الجنۃ۔ جو خود روئے۔ دوسرے کو رلائے۔ یا صرف رونے کی شکل ہی بنا لے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

(ہمارے کچھ ناسمجھ موحدین اور کچھ کم فہم واعظین نے آج کل بے نمازوں کی بے نمازی روزہ خوروں کی روزہ خوری۔ زکوٰۃ نہ دینے والوں کا زکواۃ نہ دینا وغیرہ جیسے تمام جرائم کو عزاداری کے سر تھوپ رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ ہماری عزاداری تمام بداعمالیوں کی جڑ ہے۔ عزاداری میں جنت سستی کر دی جاتی ہے اس لئے دیگر اعمال کی طرف توجہ کوئی نہیں دیتا۔ اگر عزاداری نہ رہے تو ہماری قوم باعمل بن جائے گی۔ حالانکہ یہ ناسمجھ اور کج فکر یہ نہیں سمجھتے کہ عزاداری بھی دیگر اعمال میں سے ایک عمل ہے۔ جس طرح دیگر شرعی واجبات ہیں۔ اسی طرح عزاداری بھی آیۃ مودت کی رو سے اجرِ رسالت ہونے کی وجہ سے واجبات سے ہے۔ اس میں عزاداری کا قصور نہیں ہے۔ کچھ آپ کا قصور ہے۔ اور کچھ چہاردہ معصومین کا قصور ہے (نعوذ باللہ من ذٰلک) آپ کا قصور یہ ہے کہ عزادار جس طرح عزاداری کے فضائل بیان کرکے لوگوں کو ذکرِ حسین کی طرف مائل کرتا ہے آپ اس طرح نماز۔ روزہ۔ اور حج وغیرہ کی اہمیت اور فضائل بیان کرکے لوگوں کو قائل نہیں کر سکتے۔ عزادار دوسروں کو اخلاق سے اپنے قریب کرتا ہے۔ آپ بے دین۔ اور کنجر کہہ کر وعظ فرماتے ہیں۔

چہاردہ معصومین کا قصور (نعوذ باللہ من ذلک) یہ ہے کہ انہوں نے جس قدر عزاداری کی ایک ایک جزئی کے فضائل بیان کئے ہیں اور جس کثرت سے فضائل بتائے ہیں اس کثرت سے دیگر شرعی واجبات کے فضائل نہیں بتائے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ عزاداری اصول سے متعلق ہونے کی بدولت بنیاد ہے اور دیگر شرعی واجبات کی حیثیت فروعی ہے۔

آئیے چند لمحات کے لئے ان بہنوں کو پرسہ دے لیں جنہیں بھائیوں کے سر بریدہ لاشوں سے رسن بستہ گزارا گیا۔ ان بیٹیوں کی بیکسی پر دو آنسو بہا لیں جنہیں شام جاتے ہوئے آخری بوسہ دینے کے لئے بابا کے لاشہ سے کوئی سالم ٹکڑا نہ مل سکا۔

ذرا ایک مرتبہ نگاہ فکر سے دربارِ شام کا منظر دیکھیے۔ وہ پابجولاں جوانسال بیمار قافلہ سالار ہے جو بہتر بے گور و کفن لاشے کربلا کے تپتے ہوئے ریگزار پر خاک و خون میں غلطاں چھوڑ کے سینکڑوں میل کا سفر کرکے رسن بستہ ماؤں، بہنوں۔ اور پھوپھیوں کے ساتھ تنہا دربار میں کمر جھکائے کھڑا ہے۔

یزید نے ان اسیروں کی استقبال کی خاطر شام کے امراء۔ روساء اور سرکردہ افراد کو بلایا ہوا ہے۔ یہ تمام لوگ زریں کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ خوشی کے ترانے گائے جا رہے ہیں۔ جب اہل دربار نے ان اسیروں کی شکستہ حالی کو دیکھا تو سنگدل سے سنگدل شخص بھی آنسو نہ روک سکا، حتیٰ کہ یزید پلید خود آنسو نہ روک سکا۔ تاریخ نے تین مقامات ایسے بتائے ہیں جن میں اس سفاک کی آنکھوں سے مگرمچھ کے آنسو ٹپکے۔

پہلا وہ مقام تھا جب اس نے نبی زادیوں کی یہ بیکسی دیکھی کہ ہر بی بی نے بالوں سے اپنا پردہ بنا رکھا ہے۔

دوسرا مقام۔ جناب سجاد فرماتے ہیں کہ جب ہمیں یزید کے روبرو پیش کیا گیا تو اس وقت ہماری ترتیب کچھ اس طرح تھی کہ۔ ایک رسی کے سترہ پھندے بنا کر ہمارے گلے میں ڈالے گئے تھے۔ اور رسی کا سرا

پیش کنندہ کے ہاتھ میں تھا اگر ایک کو کھینچتا تھا تو بیساختہ تمام کھنچے چلے آتے تھے۔ اگر ایک ٹھوکر کھا کے گرتا تھا تو دوسروں کے لئے کھڑا رہنا ناممکن ہو جاتا تھا۔ اس وقت میں نے یزید سے کہا۔

اگر اجازت دے تو ایک بات کروں؟

یزید نے کہا بشرطیکہ شائستہ بات ہو۔

میں نے کہا بھلا آلِ محمد اور ناشائستہ باتیں؟

اس نے کہا کہہ کیا کہنا چاہتا ہے؟

میں نے کہا میرا صرف ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ۔

یا یزید انشدک باللہ ماظنک برسول اللہ لو رانا بھذہ الصفۃ

تجھے اللہ کی قسم ہے اتنا بتا دے کہ اگر رسول کونین ہمیں اس حالت میں دیکھتے تو تیرا کیا خیال ہے تجھے کیا فرماتے؟

میں نے دیکھا یزید کی آنکھوں سے بیساختہ گرم پانی کے چند قطرے ٹپک پڑے۔

تیسرا مقام جب اس ظالم نے میری کمسن بہن سکینہ کو دیکھا کہ اس نے ایک ہاتھ گلے پر رکھا ہوا ہے اور دوسرے ہاتھ سے اپنا چہرہ چھپایا ہوا ہے۔ اور زار و قطار رو رہی ہے۔ اس ظالم نے پوچھا یہ بچی کون ہے اور اتنا کیوں رو رہی ہے۔

کمسن سکینہ نے جواب دیا۔ ظالم یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کہ میں اتنا کیوں رو رہی ہوں۔ کربلا سے تیرے دربار تک مجھے کسی نے رونے نہیں دیا۔

میں وہ بیٹی ہوں جس کے باپ کا بے گور و کفن لاشہ ریگزار کربلا پر پڑا ہے اور سر تیرے دربار میں نوکِ نیزہ پر ہے۔

میں وہ بہن ہوں جس کے تین بھائیوں میں سے ایک کے سینہ میں برچھی لگی دوسرے کے پیاسے گلے کو سہ شعبہ تیر نے کاٹا۔ ان دونوں کے بے گور و کفن لاشے کربلا کی خاک میں غلطاں ہیں اور سر تیرے دربار میں نوکِ نیزہ پر ہیں۔ اور تیسرا پابجولاں تیرے سامنے کھڑا خون رو رہا ہے۔

میں وہ یتیم ہوں جو کمسنی کی بدولت منہ کو بالوں سے چھپا نہیں سکتی اور چادر تیرے ظالم سپاہیوں نے چھین لی ہے۔

اس نے پھر پوچھا ایک ہاتھ گلے پر کیوں رکھا ہے۔

شہزادی نے فرمایا۔ بازار سے تیرے دربار آنے تک رسی نے گلے کو زخمی کر دیا ہے۔ رسی تنگ ہے گلے میں تکلیف ہوتی ہے۔

اس نے سپاہی کو حکم دیا کہ رسی کھول دے سپاہی آگے بڑھا شہزادی نے سپاہی کو واسطہ دے کر فرمایا رک جا میرے قریب نہ آنا میں رسول زادی ہوں اگر رسی کھولنا ہے تو میرے بھائی کو اجازت دے دو۔ جناب سجاد فرماتے ہیں میری کمسن بہن کی اس گفتگو سے یزید کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے۔

دوسری بشارت — میں مردوں کو زندوں کی دعا سے معاف کر دوں گا۔ حدیثِ نبوی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی میت کے لئے عمل کرے تو خدائے قدوس اس کے ثواب کو دگنا کر دیتا ہے اور جتنا ثواب میت کو عنایت ہوتا ہے اتنا عمل کرنے والے کو عطا کرتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی مردہ مومن کے لئے کوئی صدقہ دے تو ذاتِ احدیت کی طرف سے جبریل کو حکم ہوتا ہے کہ ستر ہزار ملائکہ کو لے کر اس بندہ مومن کی قبر پر جا اور اسے اپنے مومن بھائی کا عطا کردہ پیش کر۔ چنانچہ جبریل ملائکہ کی معیت میں اس مومن کی قبر پر آکر کہتا ہے۔ السلام علیک یا ولی اللہ۔ یہ فلاں مومن نے آپ کے لئے ہدیہ دیا ہے۔ اس کے عوض خداوند عالم صدقہ دینے والے مومن کے لئے جنت میں ایک ہزار مکان تعمیر کرتا۔ ایک ہزار حوریں اس میں معین کرتا ہے۔ ایک ہزار نوری حلہ اس کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اور اس کی ہزار حاجت پوری کی جاتی ہے

شب قدر کے فضائل۔

نبی اکرم سے مروی ہے کہ جو شخص شب قدر دو رکعت نماز پڑھے خلاق عالم جگہ چھوڑنے سے قبل اسے اور اس کے والدین کو معاف کرنے کا اعلان فرما دیتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر کوئی مومن ایک مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھ کر مسلمانوں کے قبرستان کو اس کا ثواب دے دے۔ خداوند عالم از مشرق یا مغرب تمام مومنین کی قبروں کو منور کر دیتا ہے۔ پڑھنے والے کو ساتھ انبیا کی تبلیغ کے برابر اجر عنایت کرتا ہے۔ اور آیۃ الکرسی کے ہر حرف سے ایک ایک ملک پیدا کرتا ہے جو تا قیامت اس کے پڑھنے والے کے لئے مغفرت کرتے رہیں گے۔

ابو قلابہ سے مروی ہے کہ ایک شب عالم خواب میں میں نے ایک قبرستان دیکھا جس کے تمام مردے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر قبروں کے کنارے بیٹھے تھے۔ اور ہر میت کے سامنے نور کا ایک طبق رکھا تھا۔ انہی میں میرا ایک ہمسایہ بھی تھا لیکن اس کے سامنے کچھ نہ تھا وہ سر جھکائے پریشان بیٹھا تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور اس کا کیا سبب ہے کہ ہر میت کے سامنے نور کا ایک طبق ہے لیکن آپ کے سامنے کچھ بھی نہیں اس نے بتایا کہ ان تمام کے پیچھے اولاد اور بھائی ہیں جو ان کے لئے کچھ نہ کچھ دیتے رہتے ہیں وہی جو کچھ دیا جاتا ہے بصورت نور ان کے سامنے ہے۔ ہونے کو تو میرا بھی ایک بیٹا ہے لیکن آج تک اس نے میرے لئے دیا کچھ بھی نہیں۔ اس لئے میں خالی ہاتھ بیٹھا ہوں۔ میں جب خواب سے بیدار ہوا۔ صبح ہوئی تو اس کے بیٹے سے جا کر ملا۔ باتوں باتوں میں اس سے باپ کے متعلق پوچھا۔ اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ خواب میں جو کچھ مجھے بتایا گیا تھا وہ درست تھا چنانچہ میں نے اسے اپنا خواب اور اس کے باپ کی پریشانی بیان کی۔ اس نے اپنی غفلت کا اقرار کیا اور مجھ سے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ ایسی غفلت نہیں کرے گا۔

کچھ عرصہ بعد ابو قلابہ نے خواب میں پھر وہ منظر دیکھا تو اپنے اس ہمسایہ کو خوش و خرم دیکھا۔ اس نے ابو قلابہ کو دور سے دیکھ کر کہا۔ یا ابا قلابہ جزاک اللہ خیراً۔

تیری معمولی سی کوشش نے میرے بیٹے کو ناراضگی رب سے اور مجھے اپنے ساتھیوں میں شرمندگی سے بچا لیا ہے۔

دخترِ مردہ ماں کا واقعہ۔

ریاض الاذہان میں ہے کہ ایک عورت کی نوجوان لڑکی فوت ہوگئی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ عالم خواب میں اپنی لڑکی کو انتہائی سنگین عذاب میں مبتلا دیکھا۔ جب بیدار ہوئی تو اس نے ذاتِ احدیت سے بڑی عاجزی کے ساتھ آہ وزاری کر کے دعا مانگی۔ دوسرے تیسرے دن پھر اس نے خواب میں اپنی لڑکی کو دیکھا مگر اب وہ بہت زیادہ خوش وخرم تھی۔ ماں نے پوچھا بیٹی یہ خوشحالی کیسے آگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ میں کیا ہم تمام اہل قبور اپنے اپنے گناہوں کی سزا بھگت رہے تھے۔ کل ہی ایک شخص اس قبرستان میں آیا اس نے چند مرتبہ محمد و آلِ محمد پر درود پڑھا اور اس کا ثواب اہلِ قبور کو دیدیا۔ خداوند عالم نے اس درود کے صدقہ تمام قبرستان سے عذاب ختم کر دیا ہے۔

علامہ حلی نے منتہیٰ میں روایت کی ہے کہ امام صادق کے زمانے میں ایک عورت فوت ہوئی جب اسے غسل وکفن دے کر قبرستان لیجایا گیا اور قبر میں اتارا گیا تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا کئی مرتبہ ایسا ہوا بالآخر لوگ تنگ آگئے۔ امام صادق کی خدمت میں آئے آپ کو تمام ماجرا سنایا۔ آپ نے اس کی ماں کو بلا کر اس سے حقیقتِ حال دریافت کی اس کی ماں نے بتایا کہ میری یہ بیٹی از حد فاجرہ تھی اور زنا سے پیدا ہونے والے ہر بچہ کو دفن کرنے کے بجائے آگ میں جلا ڈالتی تھی۔

امام صادق نے فرمایا کہ اس کے کفن کے ایک کونہ میں تھوڑی سی خاکِ شفا باندھ دو پھر دفن کرو خاکِ شفا کے حیار میں زمین اسے قبول

کرلے گی۔ جب ایسا کیا گیا تو زمین نے پھر باہر نہ پھینکا۔

یہ درست ہے کہ زمین تربتِ حسین کا حیا کرتی ہے، کیونکہ تربتِ حسین میں خونِ حسین کی آمیزش ہے۔ تربتِ کربلا نے جسم حسین کے بوسے لئے ہوئے ہیں، جن زخموں سے چور لختِ دل زہرا زینِ ذوالجناح سے خاکِ کربلا پر تشریف فرما ہوا۔ خاکِ کربلا نے اٹھ اٹھ کر ایک ایک زخم کا بوسہ لیا۔ شدتِ پیاس سے آپ ماہی بے آب کی طرح کبھی دائیں کبھی بائیں کروٹیں بدلنے لگے کہ مالک ابن لیسر نے سر مبارک پر تلوار کا وار کیا۔ اس وار سے جبینِ مبین دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔

علامہ مجلسی کی روایت کے مطابق عمامہ خون سے تر بتر ہوگیا۔ آپ نے عمامہ کو سر سے اتارا۔ عمامہ سے ایک پٹی نکالنے کی کوشش کی لیکن عمامہ ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا۔ پٹی نہ نکل سکی۔ ناچار اٹھے کبھی رکوع اور کبھی سجود کرتے ہوئے درِ خیمہ پر آئے۔ ریشِ مبارک خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔ درِ خیمہ پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

یا اختاہ یا زینب ائتینی بثوب۔ زینب بہن ایک کپڑا لا کے دو۔

بی بی جب کپڑا لے کے آئی بھائی کا سر اور چہرہ دیکھا عرض کیا بھیا کپڑا کیا کرو گے؟ فرمایا بہن میرے سر کے زخم پر باندھ دو۔ جونہی سر کے دو حصوں پر نظر پڑی گلے لگایا۔ خون آلود پیشانی کا بوسہ لیا۔ سر پر پہلے ٹوپی رکھی پھر عمامہ سے سر کو باندھ دیا۔

پھر پوچھا بھیا کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ شہید ہو جائیں گے؟

آپ نے فرمایا۔ بہن زینب کیا ابھی تک تجھے توقع ہے کہ تیرا

بھائی بچ جائے گا۔

بی بی نے عرض کیا۔ پھر یہ مخدراتِ عصمت کہاں جائیں گی۔ ان کا کیا بنے گا۔؟

آپ نے فرمایا۔ بس تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے، میں وہ وقت دیکھ رہا ہوں جب تمام ذریتِ رسول کی مستورات کے خیام کو تاراج کر دیا جائے گا۔ خیام نذرِ آتش ہو جائیں گے۔

بی بی نے وامحمداہ واعلیاہ کے بین کئے۔

آپ نے فرمایا۔ مہلاً یابنت المرتضیٰ ان البکاء طویل۔

اے بنتِ مرتضیٰ میری زندگی میں نہ رو، تیرے سامنے رونے کے لئے بہت وقت پڑا ہے۔ آپ نے واپس میدان میں پلٹنا چاہا بی بی نے آگے بڑھ کر ایک مرتبہ گلے لگایا اور عرض کیا۔

مہلاً یااخی حتی ازدد من نظری فھذا وداع لا تلاقی بعدہ۔

بھیا ذرا سی دیر کو رک جائیے میں اپنی نگاہوں میں آپ کی یہ آخری تصویر اتار لوں کیونکہ پھر تو قیامت میں ملاقات ہوگی۔

تیسری بشارت۔ اگر دنیا میں کسی نے اپنے مومن بھائی کے عیب کو چھپایا تو قیامت میں میں اس کے عیوب کو چھپاؤں گا اور اسے عرصہ محشر میں رسوا نہیں کروں گا۔

نبی اکرم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی عیب پوشی کرے گا اللہ یوم قیامت اس شخص اور جہنم کے درمیان سات ایسی خندقوں کی مسافت پیدا کر دے گا کہ ایک خندق سے دوسری خندق تک

ارض و سما جیسا فاصلہ ہوگا۔

امام محمد باقرؑ اور امام صادقؑ سے مروی ہے کہ۔۔۔ وہ شخص کفر کے زیادہ قریب ہوتا ہے جو کسی مومن کے ساتھ رشتہ ایمان کی بنیاد پر دوستی کرے اور پھر اس کے عیب جمع کرتا رہے تاکہ کسی دن اسے رسوا کرے۔

آنحضور نے اپنے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگوں میں سے جن لوگوں نے زبان سے کلمہ پڑھ لیا ہے لیکن تمہارے دل تمہاری زبان کی تصدیق نہیں کرتے، تم مسلمانوں کی عیب جوئی نہ کیا کرو۔ ورنہ اللہ تمہارے وہ عیب طشت از بام کر دے گا جنہیں تمہارے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔

نبی اکرم نے فرمایا ہے کہ کسی کی مذمت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ انسان دوسروں کے عیوب کو اچھالے جو خود اس میں موجود ہیں۔ ایسے امور کے ترک پر لوگوں کی مذمت کرے جنہیں اس نے خود ترک کر رکھا ہو۔ ایسے شخص کے درپئے آزار ہو جس کے ساتھ اس کا اٹھنا بیٹھنا ہو۔ ذاتِ احدیت کا ارشاد ہے کہ تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔۔۔ ایسے لوگوں کی مثال اس عالم جیسی ہے جو دوسروں کو نیکی کا حکم دے مگر خود نہ کرے۔ یا دوسروں کو ایک برائی سے روکے لیکن خود نہ رُکے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ انسان دوسرے کو وہی بات کرنے کی ہدایت کرے جس پر وہ خود عامل ہو۔ دوسرے کو اسی بات سے روکے جس سے وہ خود رکا ہوا ہو تاکہ

اس کی بات میں اثر ہو۔

بے عمل کی تبلیغ اور بے علم کا عمل

مروی ہے کہ ایک دن ایک عورت آنحضور کی خدمت میں اپنے بچہ کو لائی اور عرض کیا حضور اسے نصیحت فرمائیں یہ کھجور بہت زیادہ کھاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کل لانا۔ دوسرے دن وہ عورت بچہ کو لائی آپ نے اسے کھجور سے منع فرمایا۔ بچے نے بات مان لی اور پھر کبھی کھجور نہ کھائی۔ صحابہ نے عرض کیا بات تو صرف اتنی تھی کل ہی فرما دیتے۔ آپ نے فرمایا۔ کل میں خود کھجور کھا چکا تھا۔ جب میں خود ایک کام کر چکا تھا دوسرے کو اسی کام سے کیسے منع کرتا۔ آج میں نے کھجور نہیں کھائی۔ آج اس بچے کو کھجور کھانے سے منع کیا ہے مجھے معلوم ہے کہ آج اس کا اثر ہوگا۔

امام صادق سے مروی ہے کہ جو شخص بے علمی میں کوئی عمل کرتا ہے وہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص رات کی تاریکی میں بھٹکتا ہے۔ اسے راستہ نہیں ملتا۔ اور ٹھوکر پر ٹھوکر کھاتا ہے۔

امام صادق نے فرمایا ہے کہ میں تمہیں دو چیزوں سے باز رہنے کی بالخصوص نصیحت کرتا ہوں کیونکہ ان دو امور کے ارتکاب میں آخرت ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔

پہلی چیز یہ ہے کہ کسی کو اپنی طرف سے کوئی فتویٰ نہ دو۔

دوسری چیز ہے کہ اللہ کی ایسی عبادت نہ کرو جس میں تمہیں یقین

نہ ہو کہ اس میں اللہ کی رضا ہے یا نہیں۔

امام باقرؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص جاہل ہونے کے باوجود فتویٰ دے اس پر اللہ اور ملائکہ لعنت کرتے ہیں اور جتنے لوگ اس کے فتویٰ پر عمل کرتے ہیں ان کے اس گناہ میں وہ بھی برابر کا شریک ہوگا۔

جس طرح بے علمی کا فتویٰ دینا موجب ہلاکت ہوتا ہے اسی طرح بے علم امام کی اتباع بھی موجب ہلاکت ہوتی ہے۔ علم نبوی اس حد تک ماند کر دیا گیا۔ اور حق و صداقت کو اس حد تک دبا دیا گیا کہ جوانان جنت کے سرداروں میں سے ایک سے مطالبہ کیا گیا کہ جب تک یزید کی بیعت نہیں کرو گے اس وقت تک پانی نہیں ملے گا۔

عزادارو! وہ کیسا وقت ہوگا جب دل بند زہرا یکہ و تنہا تین دن کا پیاسا فرما رہا ہوگا

- لوگو! میں اس نبی کا نواسہ ہوں جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو۔
- میں دختر نبی کا بیٹا ہوں۔
- میں نے عید کے دن دوش نبی کی سواری کی ہے۔
- میرے لئے جنت سے اللہ نے لباس بھیجا ہے۔
- کیا میں نے کسی کو قتل کیا جس کا بدلہ مجھ سے لینا چاہتے ہو؟
- کیا میں نے کسی کا مال چھینا ہے جس کی سزا مجھے دے رہے ہو؟
- کیا میں نے دین میں کوئی تبدیلی کی ہے؟
- کیا میں نے سنت نبویہ کو بدلا ہے؟
- کیا میں نے شریعت کی مخالفت کی ہے؟

○ کیا میں نے حلالِ محمد کو حرام کیا ہے؟
○ کیا میں نے حرام محمد کو حلال کیا ہے؟
کچھ لوگوں نے کہا۔ حسین تو جو کچھ کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے۔
آپ نے فرمایا۔ پھر کس بنیاد پر مجھے قتل کرنے کے درپئے ہو۔؟
کس لئے تین دن سے پانی بند کر رکھا ہے؟
کیوں میرے جانثار بچوں کو خاک و خون میں غلطاں کر دیا ہے؟

چوتھی بشارت:۔ یہ ہے کہ میں کسی کے سامنے درِ توبہ بند نہیں کروں گا اور تا دمِ مرگ درِ توبہ کھلا رکھوں گا۔

کون نہیں جانتا کہ توبہ فوراً واجب ہوتی ہے کیونکہ گناہ کی حیثیت روح سے وہی ہوتی ہے جو زہر کی حیثیت جسمِ انسان سے ہوتی ہے زہر جتنی دیر جسمِ انسان میں رہے گا پورے جسم کو ناکارہ کر دے گا اسی طرح گناہ جتنی دیر تک رہے گا اتنی دیر تک تمام نظامِ روح میں فساد مچائے رکھے گا۔ غالباً اسی لئے رسولِ عالمین نے فرمایا ہے کہ۔ زانی بوقتِ زنا مومن نہیں ہوتا۔

بعض محققین نے فرمایا ہے کہ جو شخص گناہ کے بعد توبہ نہیں کرتا وہ دو عظیم خطرات میں گھرا رہتا ہے۔ پہلا خطرہ تو موت کا ہوتا ہے۔ کیا معلوم کس وقت موت آجائے اسے توبہ کی مہلت نہ ملے۔ دوسرا خطرہ گناہوں میں اضافہ کا ہوتا ہے۔ توبہ نہ کرنے سے احساسِ گناہ ختم ہو جاتا ہے جب احساسِ گناہ ختم ہو جائے تو رفتہ رفتہ انسان گناہوں کی دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ اور آخر اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اسے نہ کوئی نصیحت

فائدہ دیتی ہے اور نہ وعظ اثر کرتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت آدم نے بارگاہِ خالق میں عرض کیا۔ بارِ الٰہا تو نے شیطان کو میری ذریت پر اس طرح مسلط کر دیا ہے کہ شیطان میری ذریت کی نس نس میں داخل ہو کر تیری نافرمانی پر آمادہ کرتا رہے گا۔ اس کے مقابلہ میں دفاع کے لئے بھی میری اولاد کو کچھ دیا ہے یا نہیں؟

ذاتِ احدیت نے ارشاد فرمایا۔ آدم! میں نے تیری ذریت کو بہت کچھ دیا ہے۔ پہلی بات یہ دی ہے کہ جب تیری اولاد گناہ کا ارادہ کریگی تو میں اسے گناہ شمار نہ کروں گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب تیری اولاد گناہ کا ارتکاب کرے گی تو صرف ایک گناہ لکھوں گا۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب تیری اولاد نیکی کا ارادہ کرے گی تو میں نیکی درج کر دوں گا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جب تیری اولاد نیکی کرے گی تو ثواب دس گنا لکھوں گا۔ پانچویں بات یہ ہے کہ تا دمِ مرگ تیری اولاد کی توبہ قبول کرتا رہوں گا۔

فضیلتِ توبہ:۔

امام صادق نے فرمایا ہے کہ ذاتِ احدیت نے توبہ کرنے والوں کو تین ایسی خصوصیات عطا کی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی تمام اہلِ ارض و سما کو مل جائے تو ان کے تمام گناہ معاف ہو جائیں۔

پہلی خصوصیت یہ ہے کہ توبہ کرنے والا محبوبِ خالق ہوتا ہے۔ اور کوئی دوست اپنے دوست کو سزا نہیں دیتا۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ خلاقِ عالم نے حاملینِ عرش اور ملائکہ مقربین کو حکم دے رکھا ہے کہ توبہ کرنے والے کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ ظاہر ہے جس کے لئے دعائے مغفرت کرنے والے حاملینِ عرش اور ملائکہ مقربین ہوں ان کی دعا کب مسترد ہوتی ہے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ذاتِ احدیت نے توبہ کرنے والوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

التائب من الذنب کمن لا ذنب له۔ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کا ارتکاب ہی نہ کیا ہو۔

امام صادق نے محمد ابن مسلم سے فرمایا ہے کہ مومن جب بھی توبہ کرتا ہے اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ توبہ صرف اہلِ ایمان کے لئے ہے۔

محمد نے عرض کیا۔ حضور! اگر ایک شخص توبہ کے بعد پھر گناہ کرتا ہے تو۔ آپ نے فرمایا اللہ معاف کرتا ہے۔ محمد نے عرض کیا اگر ایک شخص توبہ اور گناہ کا تکرار کرتا ہے تو؟

آپ نے فرمایا انسان جتنی مرتبہ کرے اللہ اتنی مرتبہ قبول کرتا ہے۔

نبی اکرم نے فرمایا کہ اگر کوئی مومن اتنے گناہ کرے کہ وہ اپنے گناہوں میں غرق ہو جائے پھر بھی وہ توبہ کرے خداوندِ عالم اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

برادرِ عزیز! یہ خیال رکھنا کہ وقت توبہ وسیلہ توبہ مضبوط اور مستحکم ہونا چاہیئے اور میں سمجھتا ہوں کہ خمسۂ نجباء سے زیادہ مضبوط وسیلہ کوئی نہیں

کیونکہ جب تاریخ اسلام اور تفسیر قرآن دیکھتے ہیں تو حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک جس نبی نے بھی جس کام کے لئے ذاتِ احدیت کو خمسۂ نجباء کا واسطہ کا اس کی استدعا، فوراً قبول کر لی گئی۔

لیکن کیسے مقدر ہیں خمسۂ نجباء کے کہ ہر ایک کو اپنے دَور میں ایسے مصائب سے واسطہ پڑا جن کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ پھر ان تمام میں سے مصائب کا جو حصہ شہزادہ کربلا کو ملا وہ کسی اور کو نہ ملا کیونکہ ہر ایک کے غم میں حسین شریک رہا لیکن حسین کے غموں میں ثانیہ زہرا کے سوا کوئی بھی شریک نہ ہوا۔

جب نواسہ رسول مخدراتِ عصمت کے ساتھ میدانِ کربلا میں آیا۔ اہلِ غاضریہ سے زمین کربلا خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے عرض کیا۔ حضور آپ کا ترکہ ہے۔ آپ فرزندِ رسول ہیں بھلا آپ کو خریدنے کی کیا ضرورت ہے؟

آپ نے فرمایا۔ نہیں اگر فروخت کرو تو میں لوں گا ورنہ نہیں۔ جب آپ نے اصرار کیا تو انہوں نے قیمت وصول کر لی۔ جب خرید و فروخت ہو گئی لین دین ہو گیا۔ تو فرمایا۔ دیکھو اب یہ زمین میری ہے لیکن میں اس زمین کی تولیت تمہیں نہیں دیتا ہوں۔ اس پر نگرانی بدستور تمہاری رہے گی۔ البتہ میری چند وصیتیں سن لو۔ انہیں یاد کر لو۔ ان پر عمل کرنا دنیا اور آخرت کی ہر اچھائی تمہیں ملے گی۔

۱۵۔ اسی ماہ کی دسویں تاریخ کو کوفی اور شامی لشکر۔ مجھے میرے انصار و اقرباء کے ساتھ تین دن کا بھوکا اور پیاسا رکھ کے

شہید کر دیں گے۔ میرے اہل حرم کو رسن بستہ کر کے لیجائیں گے۔ اور کوفہ سے شام شہر بشہر تشہیر کریں گے۔ میری شہادت کے دو دن بعد یعنی بارہ محرم کی شام کو میدان میں آ کر میرے پارہ پارہ جسم کو جمع کر کے دفن کر دینا۔ اور میری تربت پر کوئی نشانی رکھ دینا۔

○ ب۔ میرے بعد میری مظلومی پر آنسو بہانے والے میرے دوست اس سرزمین پر میری زیارت کو آئیں گے۔ تم آنے والوں کا استقبال کرنا۔ رہنے والوں کی میزبانی کرنے جانیوالوں کی مشایعت کرنا۔ بیماروں کی تیمارداری کرنا۔ اور فوت ہونیوالوں کو میرے جوار میں دفن کرنا۔

○ ج۔ مستوراتِ بنی اسد سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ہماری شہادت کے بعد ہمارے اوپر رونے والیوں کو رسن بستہ کر کے لیجایا جائے گا۔ تم ایسا کرنا ہماری لاشوں پر آ کر ہمارے لئے رو لینا۔

○ د۔ جوانانِ بنی اسد سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اولاد والدین کی نگاہ میں بہت عزیز ہوتی ہے اگر تمہارے والدین اور بزرگ میری وصیت پر کسی وجہ سے عمل کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو تم میری ان باتوں کو یاد رکھنا پہلے تو اپنے بزرگوں کو میری وصیتوں پر عمل کرنے پر آمادہ کرنا اگر یہ آمادہ نہ ہوں تو پھر خود عمل کرنا۔

تاریخ میں ہے کہ بنی اسد نے جب کربلا میں فوجوں کی آمد دیکھی تو اپنے خیمے وہاں سے اٹھا کر کچھ دور فاصلہ پر جا کر نصب کر دیئے۔ بارہ محرم کو بنی اسد کے بزرگوں نے اپنے کچھ آدمی میدانِ کربلا میں بھیجے تاکہ وہاں

کے حالات معلوم کر کے آئیں۔ جب یہ لوگ واپس آئے تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ جو مظلومی ہم نے وہاں دیکھی ہے شاید چشمِ آسمان نے روئے ارض کے کسی خطہ پر نہ دیکھی ہوگی۔ انہوں نے تمام حالات سنائے۔

جن لوگوں نے نواسۂ رسول کی وصیتیں سُنی تھیں وہ ایک جگہ بیٹھ کر رونے لگے۔ تمام مستورات جمع ہو گئیں اور انہوں نے کہا۔ اب بیٹھے رو کیوں رہے ہو۔ جاتے کیوں نہیں اور نواسۂ رسول کی وصیت پر عمل کیوں نہیں کرتے۔

انہوں نے جواب دیا حکومتِ وقت کے ڈر سے نہیں جا سکتے کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں پتہ چل جائے اور ہمارا بھی وہی حشر کریں جو ذریتِ رسول کا کر چکے ہیں۔

اس وقت کمسن بچے قریب آئے اور انہوں نے اپنی معصوم زبانوں سے اپنی ماؤں اور بہنوں سے کہا۔ یہ تو مرد ہیں انہیں حکومت سے خطرہ ہے آپ تو عورتیں آپ کو تو کوئی خطرہ نہیں۔ اگر یہ نہیں جاتے تو نہ جائیں آپ چلی جائیں ان کی وصیت کے مطابق آپ تو ان بیکسوں کی مظلومی پر نوحہ کریں۔

عورتوں نے کسیاں اور بیلچے اٹھائے میدانِ کربلا کا رُخ کیا۔ ان کے عقب میں بچے بھی روانہ ہو گئے۔

جب مردوں نے دیکھا کہ بچے اور عورتیں جا رہے ہیں تو انہیں ضمیر نے ملامت کی۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

آؤ چلیں نواسۂ رسول ہے آخر روزِ حشر اگر نبی اکرم نے پوچھ لیا کہ تمہارے
پڑوس میں میرا لال تین دن کا پیاسا شہید ہوا، تم نے مدد نہ کی، پھر
اس نے تمہیں دفن کی وصیت کی تم نے دفن بھی نہ کیا۔ تو کیا جواب
دو گے۔ چنانچہ بنی اسد کے تمام مرد بھی میدان کی طرف روانہ ہو گئے۔
ابھی تک مقتل میں نہ پہنچے تھے کہ عنبر و کستوری کی خوشبو نے ان کا استقبال
کیا، جب قریب آئے دیکھا تو پرندگانِ صحرا نے اپنے اپنے پروں کو
ایک دوسرے سے ملا کر مظلوموں کی لاشوں پر سایہ بنا رکھا ہے نظر تو
کوئی نہیں آتا تھا لیکن نوحہ اور گریہ کی آواز ہر طرف سے آ رہی تھی۔
ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کسی کو سر کے بغیر پہچاننا ناممکن ہوتا
ہے۔ یہاں کسی لاش کے ساتھ نہیں ہے ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ یہ کس
کا لاشہ ہے۔

ایک نے مشورہ دیا آؤ پہلے قبریں تیار کر لیں پھر دوسری باتیں
سوچیں گے۔ تمام نے قبریں کھودنا شروع کیں۔ جب قبریں مکمل ہو گئیں
تو دیکھا کہ کوفہ کی طرف سے ایک بیمار ریا بجولاں آنسو بہاتا ہوا قریب
آیا، سلام کیا۔ اور کہا۔ اللہ تمہیں جزائے خیر دے میں ان کو پہچانتا
ہوں کہ یہ کون کون ہیں۔

انھوں نے پوچھا آپ کون ہیں جناب سجاد نے جواب دیا میں ہی
ان سترکا ماتم دار ہوں یہ میرا ہی اُجڑا ہوا گھر اور لٹا ہوا باغ ہے میں
نواسہ رسول کا بڑا فرزند ہوں میں پھوپھیوں کو کوفہ کی راہ میں چھوڑ کر
تمہارے ساتھ دفن میں تعاون کرنے آیا ہوں۔

پانچویں بشارت :۔ جو شخص یوم حشر میری بارگاہ میں میری
توحید لے کر آئے گا اگر اس نے کسی کو میرا شریک نہ بنایا ہو گا تو میں
اس کے تمام گناہ معاف کر دوں گا۔

انی غفار لمن تاب وامن وعمل صالحاً ثم اهتدیٰ

جس نے توبہ کی۔ ایمان لایا۔ اعمالِ صالحہ کئے۔ پھر ہدایت یافتہ
ہوا میں اسے بخش دوں گا

شرک کیا ہے۔

غیر اللہ کو معبود سمجھ کر اس کی اطاعت اور عبادت کرنے کا نام
شرک ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص غیر اللہ کو معبود نہیں سمجھتا
بلکہ غیر اللہ کی اس طرح اطاعت کرتا ہے کہ اطاعت میں رضائے الٰہی
کو پیش نظر نہیں رکھتا تو اسے شرک فی الاطاعت کہا جاتا ہے اصطلاحاً
شرک کی پہلی قسم کو شرکِ جلی اور دوسری قسم کو شرکِ خفی کہا جاتا ہے۔
اسی شرکِ خفی کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

مایعرض اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون۔ مومنین کی
اکثریت مشرک ہے۔

یہ ایک مسلمہ ہے کہ شرک ہر گناہ سے بدتر گناہ ہے۔ شرک دائمی
جہنم کے اسباب میں سے عظیم تر سبب ہے

اس تقسیم کے علاوہ شرک کی تین اقسام ہیں۔ شرک فی التوحید،
شرک فی الرسالۃ اور شرک فی الولایۃ۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء۔

اللہ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور شرک کے علاوہ جسے چاہے ہر گناہ معاف کر دے گا۔ کی تفسیر میں امام محمد باقرؑ نے جابر سے فرمایا ہے کہ جو شخص ولایتِ علیؑ میں شرک کرے گا اللہ اسے کبھی معاف نہیں فرمائے گا۔

صاحب کنز نے ۔ لئن اشرکت لیحبطن عملک۔ اگر شرک کیا تو تمام اعمال ضبط کر لئے جائیں گے کی تفسیر میں لکھا ہے کہ

جب ذاتِ احدیت نے نبی اکرمؐ کو حکم دیا کہ جب حج سے فارغ ہو تو نصب امامت کا فریضہ انجام دے۔ معاذ ابن جبل نے آنحضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ علیؑ کے ساتھ کچھ اور افراد کو بھی شریک امامت فرما دیجئے تاکہ خلافتِ علیؑ کا معاملہ آسان ہو جائے۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ جس کے بعد یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک کا حکم نازل ہوا اور آپؐ نے مقامِ غدیرِ خم پر خلافت و امامتِ علیؑ کا کھلے عام اعلان کر دیا۔

معنائے توحید:

توحید شرک کی ضد ہے۔ توحید کے اعلیٰ مراتب میں سے یہ مرتبہ ہے کہ انسان اپنے تمام امور اللہ کے سپرد کر دے جیسا کہ آئمۂ اہلبیتؑ نے اپنے ہر دور میں اپنے تمام معاملات ذاتِ احدیت کے سپرد کئے ہوئے تھے۔

جب معاویہ اپنا وقت ختم کر چکا اور یزید نے تختِ حکومت سنبھال لیا۔ تو اس نے اپنے چچا زاد ولید ابن عتبہ عاملِ مدینہ کو خط لکھا کہ

حسین ابن علیؑ سے میری بیعت لے۔

آپؑ کو دربار میں بلایا گیا۔ جب آپؑ نے دربارِ ولید کا رنگ دیکھا تو آپؑ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ بیعت سے کم کسی بات پر راضی نہ ہوں گے۔ چنانچہ آپؑ نے ارادہ سفر کر لیا۔ روضۂ رسولؐ پر تشریف لائے چند رکعت نوافل پڑھے۔ اور یوں دُعا کی۔

اللھم ھذا قبر نبیک وانا ابن بنت نبیک وقد حضرنی من الامر ما قد علمت۔

بارِ الٰہا۔ یہ تیرے نبیؐ کا مزار ہے اور میں تیرے نبیؐ کی دختر کا فرزند ہوں۔ جو حالات مجھے درپیش آ رہے ہیں تو بہتر جانتا ہے۔

پھر آپؑ نے قبرِ نبیؐ کو گلے لگایا۔ رو رو کے عرض کی نانا کیا حسینؑ کے لئے تیرے مدینہ میں قبر کی جگہ نہیں ہے؟ روتے روتے آنکھ لگ گئی عالمِ خواب میں دیکھا۔ سرورِ انبیاءؐ بحالِ پریشاں بیٹے کے قریب آئے۔ سینہ سے لگایا۔ پہلے لبوں کا بوسہ لیا۔ پھر گلے کا بوسہ لیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ فرمایا۔

حبیبی یا حسین کانی اراک عن قریب مرملاً بدماک مذبوحاً بارض کرب وبلا بین عصابۃ من امتی وانت مع ذلک عطشان لا تسقی وظمان لا تروی۔

میرے پیارے حسینؑ! عنقریب میں تجھے سرزمینِ کرب و بلا میں خون میں غلطاں اور مذبوح دیکھ رہا ہوں۔ میری اُمت کا ایک گروہ تجھے شہید کرے گا اور تجھے پینے کو پانی تک نہ دیا جائے گا۔

حبیبی یا حسین ان اباک وامک واخاک قدموا علی وھم مشتاقون الیک ۔

میرا پیارا حسین تیرا بھائی، تیرا باپ، تیری ماں جنت میں تیری ملاقات کے مشتاق ہیں۔

وان لک فی الجنات درجات لن تنالھا الا بالشھادۃ ۔

جنت میں شہادت کے بعد مدارج اور مراتب تیرے منتظر ہیں۔

شہزادہ کونین نیند سے بیدار ہوئے گھر تشریف لائے۔ جصہ دارِ کربلا بہن کو علیحدہ بلاکر تمام خواب بیان کیا۔ اور تیاری کا حکم دیا۔ بی بی نے گلوگیر آواز سے کہا۔ بھیا۔ میں بھی کیسے نصیب لے کر آئی ہوں اگرچہ میں بھی حالاتِ کربلا جانتی ہوں لیکن بھلا کبھی کسی بھائی نے اپنی بہن کو اپنی شہادت سے قبل از وقت آگاہ کیا ہے۔

اس کے بعد آپ آخری الوداع کے لئے اپنی ماں جناب زہرا کے مزار پر تشریف لائے اور مزار کو گلے لگا کر عرض کیا۔ السلام علیکِ یا اماہ۔ ماں مدینہ میں حسین کا آخری سلام سن لے پھر کبھی تیرا حسین تیری مزار پر حاضری نہ دے سکے گا۔ میری آخری زیارت اور آخری سلام ہے۔ مزارِ جناب زہرا سے آواز آئی۔

وعلیک السلام یا مظلوم الام۔ وعلیک السلام یا شہید الام۔ وعلیک السلام یا غریب الام

اے محرومہ ماں کے مظلوم حسین میرا بھی سلام ہو۔ اے شکستہ پہلو ماں کے شہید حسین میرا بھی سلام ہو۔ اے محرومہ ماں کے مسافر حسین

میرا بھی سلام ہو۔

ماں سے وداع کے بعد امام حسن کے مزار پر آئے اور کہا۔ اے نانا کے شہر میں سونے والے بھائی غریب الدیار حسین کا سلام ہو۔

اے ماں کے پہلو میں سونے والے بھائی مسافرِ کربلا کا آخری سلام ہو۔

بیسویں مجلس

پانچ صفات کی بدولت وقواق نامی شہر سے رفع عذاب

کعب الاحبار سے روایت ہے کہ ذاتِ احدیت نے حضرت عیسٰی پر وحی کی کہ۔ وقواق۔ نامی شہر میں جاکر انہیں میری توحید کی دعوت دے وہ لوگ رزق میرا کھاتے ہیں لیکن عبادت میرے غیر کی کرتے ہیں۔ اگر ان میں پانچ صفات نہ ہوتے تو میں انھیں کبھی کا معذب کر چکا ہوتا۔

حضرت عیسٰی نے عرض کیا۔ مجھے ان پانچ صفات سے تو مطلع فرما۔ ذاتِ احدیت نے فرمایا۔

پہلی صفت :۔ یہ ہے کہ وہ بڑے بوڑھوں سے محبت کرتے ہیں۔ اور ان کا کماحقہ احترام ہیں جو شخص بھی بزرگوں کی عزت کرے میں اس کا خاتمہ بالایمان کرتا ہوں۔

دوسری صفت :۔ یہ ہے کہ اس شہر کی بیویاں اپنے شوہروں سے محبت کرتی ہیں اور اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرتی ہیں۔ جس عورت کا بھی یہ عمل ہوگا میں اسے بحالتِ کفر نہیں مرنے دوں گا۔

تیسری صفت :۔ یہ ہے کہ اس بستی والے امانت میں خیانت نہیں کرتے اور جو شخص بھی امانت میں خیانت نہ کرے میں اس کا ایمان پر خاتمہ دیکھنا چاہتا ہوں۔

چوتھی صفت :۔ یہ ہے کہ اس بستی کے لوگ اخلاقِ حسنہ کے مالک ہیں جو شخص اخلاقِ حسنہ کے حامل ہوں میں ان کا خاتمہ بالایمان کروں گا۔

پانچویں صفت :۔ یہ ہے کہ یہ لوگ ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے۔

جو آج مل جائے اِسی پر اکتفا کرتے ہیں کل کی فکر نہیں کرتے، میں چاہتا چاہتا کہ یہ لوگ ان صفات کے ہوتے ہوئے میرے عذاب میں مبتلا ہوں۔

حضرت عیسٰی اٹھے اور انہوں نے اس شہر میں جانے کا ارادہ کیا ابلیس پہلے ہی اس بستی میں پہنچا اور بستی والوں کو بتایا کہ حضرت عیسٰی تمہارے شہر میں آ رہا ہے وہ چاہتا ہے کہ تم اپنے موجود معبود کو چھوڑ کر ایک نادیدہ خدا کی عبادت کرو۔

وہ لوگ مسلح ہو گئے۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے باہر آ گئے تاکہ حضرت عیسٰی کو شہر میں داخل ہی نہ ہونے دیں اور انہیں راستہ میں روک لیں۔

لیکن حضرت عیسٰی قدرتِ خدا کی بدولت ان کی ناکہ بندی کے باوجود داخلِ شہر ہو گئے۔ انہیں پتہ تک نہ چلا کہ حضرت عیسٰی کب داخلِ شہر ہوئے اور کیسے داخل ہوئے۔ آپ ایک بڑھیا کے گھر آئے۔ چونکہ آپ اجنبی تھے۔ اس لئے بڑھیا آپ کو پہچان گئی اور کہنے لگی کیا تو وہی عیسٰی جادوگر ہے جو لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر داخلِ شہر ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں ہوں تو وہی عیسٰی لیکن جادوگر نہیں ہوں۔ میرا ایک رب ہے جو ہر چیز پر قادر ہے حتیٰ کہ اگر میں اس سے دعا کروں تو وہ تجھ جیسی بڑھیا کو ایک مرتبہ پھر جوانی دے سکتا ہے۔

اس نے فوراً کہا۔ اگر تو سچا ہے تو ذرا دعا مانگ میں دیکھوں کہ تیرا خدا کیسے مجھے جوان کرتا ہے۔ حضرت عیسٰی نے فرمایا۔ میں دعا تو مانگتا ہوں۔ میرا اللہ تجھے جوانی بھی عنایت فرمائے گا لیکن ایک شرط

ہے، اور وہ یہ کہ تو وعدہ کر کہ جوان ہونے کے بعد میرے رب کو معبود اور مجھے رسولِ رب ماننے کا اعلان کرے گی۔

اس نے کہا کہ جب میں اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لوں گی تو پھر کیسے نہ مانوں گی۔

حضرت عیسٰی نے فرمایا، منہ دوسری طرف کر۔

جب اس نے منہ دوسری طرف کیا، تو آپ نے فرمایا اب جا کے آئینہ دیکھ۔

وہ اندر گئی۔ اور آئینہ دیکھا۔ وہ حیران رہ گئی، وہ نوخیز اور خوبرو حسینہ تھی۔ فوراً کہا یا رسول اللہ، میں اللہ کی وحدانیت اور تیری رسالت پر ایمان لاتی ہوں۔ اب مجھ پر یہ احسان کر کہ مجھے اپنا خدا دکھا تاکہ اس کا سجدہ کر لوں۔

آپ نے فرمایا تو جہاں بھی سجدہ کرے اللہ اسے جانتا ہے۔ اللہ نظر آنے والا نہیں ہے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ وہ ہر ایک کو دیکھتا ہے۔

وہ عورت اسی وقت سجدہ ریز ہو گئی۔ کافی دیر کے بعد اٹھی، اور اٹھ کر رونے لگی۔ حضرت عیسٰی نے پوچھا۔ اب کیا ہوا۔؟

وہ کہنے لگی کہ میرا بیٹا ہے جو بہت ہی بدصورت ہے۔ اور بداخلاق ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ ابھی آئے گا اور آپ کو قتل کر دیگا۔

آپ نے فرمایا۔ تو میرا غم نہ کر۔ میرے ساتھ میرا اللہ ہے۔ تیرا ایک بیٹا تو کیا سارا شہر مل کر بھی مجھے قتل نہیں کر سکتا۔

یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اس عورت کا بیٹا تلوار بدست حاضر ہوا۔
حضرت عیسٰی نے فرمایا۔ بندہ خدا تو کیوں بھٹکتا پھر رہا ہے تو کیوں ایسے
خدا کی عبادت نہیں کرتا جو تیرے بائیں شل شدہ ہاتھ کو درست کر دے؟

اس نے کہا۔ کیا تیرا خدا میرا ہاتھ درست کر سکتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ذرا اپنی ماں کو دیکھ جسے میرے اللہ نے بڑھاپے
کے بعد جوانی عطا کی ہے۔

اس نے جب ماں کو دیکھا تو پوچھا اے ماں! کیا تو سچ مچ میری
ماں ہے۔؟ اور کیا تو اسی کی دعا سے دوبارہ جوان ہو گئی ہے۔

اس نے کہا ہاں میں ہی تیری ماں ہوں اور اسی کی دعا سے
جوان ہوئی ہوں۔

اس نے حضرت عیسٰی کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ اپنے اللہ
سے دعا کریں کہ میرا ہاتھ درست کرے۔

حضرت عیسٰی نے فرمایا۔ میں دعا کرتا ہوں بشرطیکہ ہاتھ درست
ہونے کے بعد تو میرے اللہ کو معبود اور مجھے اس کا رسول تسلیم کرے۔

اس نے کہا۔ میں ضرور اللہ کو واحد اور آپ کو اس کا نبی مان لوں گا۔

آپ نے دعا کی۔ اس کا ہاتھ بھی صحیح ہو گیا اور بدصورتی بھی
خوبروئی میں بدل گئی۔

آپ نے فرمایا۔ اب ایسا کر۔ حاکم شہر کے پاس جا۔ اور اسے
دعوتِ توحید دے۔ اور بلا خوف اسے کہہ دے کہ اگر تو نے اللہ کو واحد
نہ مانا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ تیری یہ بات سن کر وہ تجھے قتل کریگا۔

میں تجھے زندہ کروں گا۔ اسی طرح تین مرتبہ وہ تجھے قتل کرے گا اور
میں تین مرتبہ تجھے زندہ کروں گا۔ تیسری مرتبہ کی زندگی کے بعد
وہ تجھے اپنی بیٹی بیاہ دے گا۔

وہ تلوار بدست چلا گیا۔ راستہ میں جب لوگوں نے اسے صحیح
اور خوبرو دیکھا تو کہنے لگے کہ جادوگر عیسٰی نے اسے ایسا کر دیا ہے
اس نے کسی کی بات پر کان نہ دھرے اور سیدھا دربار میں داخل ہوا
اور بادشاہ سے کہا۔ اللہ کو ایک مان۔ اور حضرت عیسٰی کو اس کا نبی برحق

بادشاہ نے کہا۔ جادوگر عیسٰی نے تیری حالت ایسی کر دی ہے
کچھ دنوں بعد تو درست ہو جائے گا۔

اس نے کہا۔ تو یہ فضول باتیں چھوڑ اور میری بات کا جواب دے۔
کیا تو اللہ کو ایک مانتا ہے یا میں تجھے قتل کروں۔

حکمران نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ جلاد نے قتل کر دیا۔ اس
کی ماں کو جب اطلاع ملی تو وہ رونے لگی۔

حضرت عیسٰی نے فرمایا۔ رو مت۔ جا اور اس کے پہنے ہوئے
کپڑوں سے کسی ایک کپڑے کا ٹکڑا لا کے مجھے دے۔ وہ کپڑے کا
ٹکڑا لائی۔ آپ نے ایک تعویذ لکھا۔ لڑکے کی لاش پر رکھا وہ زندہ
ہو کر اٹھ بیٹھا؟

اس نے کہا۔ کاش میں زندہ نہ ہوتا۔ اور جو کچھ میں دیکھ رہا تھا
اس سے مجھے نہ نکالا جاتا۔

حضرت عیسٰی نے فرمایا۔ اب پھر جا اور اسے دعوتِ توحید دے

وہ گیا حکمران نے پھر اسے قتل کرا دیا۔ اب کی بار حکمران نے اس کی لاش کو جلانے کا حکم بھی دیا۔ حضرت عیسیٰ نے اس کی راکھ جمع کی اس پر دم کیا۔ وہ پھر زندہ ہو گیا۔ آپ نے پھر اسے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ اس نے پھر قتل کرا دیا۔ آپ نے پھر زندہ کیا۔ جب تیسری مرتبہ زندہ ہوا تو اس نے اپنے پہلے مطالبہ پر ایک اور مطالبے کا اضافہ کیا۔ جو یہ تھا کہ اپنی لڑکی میرے عقد میں دے۔

بادشاہ نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کریں؟

انہوں نے مشورہ دیا کہ اس سے کہو ایک ہزار اونٹ جو سونے سے لدا ہو اگر لا کر دیدے تو میں تجھے اپنی بیٹی بیاہ دوں گا۔

وہ حضرت عیسیٰ کے پاس آیا۔ اور بتایا۔ آپ نے فرمایا۔ جا بادشاہ سے کہہ اپنے آدمی میرے ساتھ بھیج تاکہ تیرا مطالبہ پورا کروں۔

بادشاہ نے سمجھا یہ کیا مسخرا ہے اس نے بطور مذاق اپنے دس آدمی اس کے ساتھ کر دیئے۔ وہ انہیں لے کے حضرت عیسیٰ کے پاس آ گیا۔

آپ نے فرمایا۔ یہ میرا عصا لے لے اور انہیں ساتھ لے جا۔ میں تمہارے عقب میں آؤں گا۔ تم مجھے نہ دیکھ سکو گے۔ فلاں پہاڑ پر جا کر میرا یہ عصا پہاڑ پر مارنا اور کہنا۔ اگر عیسیٰ برحق نبی ہے تو میرے لئے ایک ہزار سفید اونٹ جو سونے سے لدا ہو باہر نکال۔ وہ چلے گئے۔ ایک ہزار اونٹ برآمد ہوا۔ بادشاہ کے پاس کوئی چارہ کار نہ رہا۔ اس نے حضرت عیسیٰ کو نبی بھی مان لیا۔ اور اسے اپنی لڑکی بھی

بیاہ دی۔

محترم قارئین! اندازہ کیجئے کہ اگرچہ یہ لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے لیکن ذاتِ احدیت نے ان پر صرف اس لئے عذاب نازل نہیں فرمایا کہ ان میں معاشرتی لحاظ سے پانچ صفات ایسے تھے جن کی بدولت معاشرہ میں کسی قسم کا زہر نہیں پھیلتا تھا۔ صرف انہی پانچ صفات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجا۔

آئیے ذرا ایک نگاہ میں ان پانچ اوصاف کو نگاہِ اسلام سے بھی دیکھ لیں۔

۱۔ بزرگوں کا احترام:۔

نبی اکرم کا ارشادِ گرامی ہے۔ بزرگوں کا احترام کرو ان کی تعظیم تعظیمِ خالقِ عالم ہے۔ امام صادق فرمایا کرتے تھے کہ تین صفات ایسے ہیں کہ وہ جس میں بھی ہوں ان کے احترام کی بدولت اللہ ایسے شخص کو جاہل نہیں رکھتا بشرطیکہ منافق نہ ہو۔ ان میں سے ایک صفت یہ ہے کہ سفید ریش کا احترام کرتا ہو۔

ایک اور مقام پر امام صادق نے فرمایا ہے کہ خلاق عالم ستر سالہ بوڑھے پر اس کی سن رسیدگی کے احترام میں عذاب نہیں کرتا۔

۲۔ بیویوں کا اپنے شوہر سے محبت کرنا:

یہ حقیقت ہے کہ اگر بیوی کو شوہر سے محبت ہو تو وہ شوہر

کی نافرمانی نہیں کرتی۔ دوسرے گھر خوشی اور خوشحالی کا گہوارہ رہتا ہے تیسرے اولاد کی تربیت اچھی ہوتی ہے۔ چوتھی اولاد میں باہمی محبت مثالی ہوتی ہے۔

اسلام میں عورت کی اپنے شوہر سے محبت اور اطاعت شوہر کو عورت کے لئے افضل العبادات سے شمار کیا گیا ہے۔

نبی اکرم فرمایا کرتے تھے، جو عورت شوہر کو ذہنی پریشانی میں مبتلا نہ کرے۔ جو کچھ شوہر کے گھر میں مل جائے اسے بخوشی قبول کرلے اپنی عفت اور پاکدامنی کو ضائع نہ کرے۔ خلاقِ عالم کی طرف سے جنت میں اسے ستر حلہ ہائے بہشتی بطور خاص انعام ملے گا، تمام حورانِ جنت سے برتر مقام اسی کو ملے گا۔ ہر شب و روز کی اطاعتِ شوہر کا ثواب ایک ہزار شہید کے برابر اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔

آپ نے اپنی معصوم بیٹی سے فرمایا۔

یا فاطمة لو کانت السجدة لغیر اللّٰہ لامرتھن بھا للزوج

اے فاطمہ! اگر غیر اللہ کے لیے سجدہ جائز ہوتا تو میں اپنی امت کی عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔

جو عورت شوہر سے روگردانی کرے گی یوم حشر روسیاہ محشور ہوگی۔

اولاد کو تربیت دینا عورت کے لئے انتہائی اہم معاملہ ہوتا ہے، یہ خیال رہے کہ تربیت اولاد کے بڑے ہونے کے بعد شروع نہیں ہوتی بلکہ تربیت کا پہلا مرحلہ اس وقت سے شروع ہو جاتا ہے جب عورت حاملہ ہوتی ہے۔ اس وقت سے تا ولادت عورت کے لئے ضروری

ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو جسمانی لحاظ سے پاک وصاف رکھے اور ذہنی اعتبار سے برے خیالات، گندے تفکرات اور خلافِ اسلام امور کو فکر و ذہن میں جگہ نہ دے، ہر وقت اچھے خیالات اور عمدہ نظریات کی حامل رہے، کیونکہ اس دور میں بچہ کی غذا ماں ہی کا خون ہوتا ہے اور خون تمام ان افکار کا حامل ہوتا ہے جو ماں کے ذہن میں ہوتے ہیں، دوسرا مرحلۂ تربیت بچے کی ولادت کے بعد سے شیر خوارگی کے دور تک رہتا ہے اس عرصہ میں ماں کے لئے سابقہ مرحلہ کی تدابیر کے علاوہ پاک غذا، حلال غذا۔ اور پاکیزہ ماحول رکھنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس عمر میں بچہ اگرچہ مقام شعور سے نیچے ہوتا ہے لیکن بچے کا لاشعور خوابیدہ نہیں ہوتا۔ جو کچھ دیکھتا ہے اور سنتا ہے وہ غیر شعوری طور پر اس کے ذہن میں منقش ہوتا رہتا ہے، اور ماں کے سینے سے اسے جو غذا ملتی ہے اس کے اثرات بچے کے خون میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ چونکہ دماغ بھی خون ہی سے پرورش پاتا ہے اس لئے دماغ کو جیسی غذا ملے گی اس میں ویسے ہی خیالات جنم لیں گے۔

تیسرا مرحلہ جو آخری مرحلہ ہے وہ ہے۔ اچھے آداب، کھانے کے آداب، بولنے کے آداب، بیٹھنے کے آداب، اٹھنے کے آداب، کم خوری کی عادت، بسم اللہ سے شروع کرنے کی عادت وغیرہ جیسے امور۔ اچھے اور نیک استاد کی خدمت میں حاضر کرنا، بزرگوں کا احترام، قرآن کی تعلیم، لہو و لعب سے اجتناب، خوفِ خدا، امیدِ رحمتِ الٰہیہ، ماں باپ کا احترام وغیرہ جیسی تعلیمات سے بہرہ ور کرے۔

۳۔ حفظِ امانت :۔

ارشادِ قدرت ہے ۔ والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون
مومن وہ ہیں جو امانت میں خیانت نہیں کرتے اور وعدہ خلافی کا ارتکاب نہیں کرتے ۔ سرورِ انبیاء کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو شخص امانت میں خیانت نہیں کرے گا اگر امیر ہوگا تو امیر تر ہوتا چلا جائے اور اگر غریب ہوگا تو خوشحال بن جائے گا۔ امانت رزق کو اس طرح کھینچتی ہے جس طرح مقناطیس لوہے کو۔

بلا تفریقِ مذہب و ملت ہر فرقہ میں امانت ممدوح اور خیانت مذموم ہے ۔ امام صادق نے فرمایا ہے کہ صاحبِ امانت خواہ مجوسی ہی کیوں نہ ہو اسے اپنی امانت بہر طور واپس کردو اس میں خیانت نہ کرو۔

اہمیتِ امانت کے پیشِ نظر ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اگر میرے جدِ امجد حضرت علی یا امام حسین کا قاتل بھی مجھے بطور امانت کوئی چیز رکھنے کو کہے اور میں اسے قبول کرلوں تو میں بہر صورت اسے واپس کروں گا۔

اخلاقِ حسنہ :۔

حسنِ خلق کے مقابلہ میں بد خلقی ہوتی ہے ۔ کون نہیں جانتا کہ بد اخلاقی نہ صرف بد اخلاق کے لئے مصیبت ہوتی ہے بلکہ پورے معاشرے کے لئے سم قاتل ہوتی ہے ۔ حسنِ خلق کے متعلق ارشادِ معصوم ہے کہ اخلاقِ حسنہ کا حامل اپنے مراتب میں اس مقام پر فائز ہوتا ہے جس پر عابدِ شب زندہ دار

اور دن کا روزہ دار فائز ہوتا ہے ۔
امام صادق سے مروی ہے کہ اخلاقِ حسنہ سے گناہ اس طرح پگھلتے ہیں جس طرح تمازتِ آفتاب سے برف پگھلتی ہے ۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دن سرورِ دو عالم راستہ میں جا رہے تھے کہ عقب سے ایک عرب نے آپ کی عبا کو پکڑ کر اتنا سختی سے کھینچا کہ عبا کی خراشیں آپ کے گلوئے نازنین پر پڑ گئیں اور کہا ۔ اے محمد مجھے کچھ دے ۔ آپ نے مڑ کے دیکھا مسکرا دیئے اور فرمایا ۔ آ میں تجھے دوں ۔ اسے ساتھ لائے اور اس کی خواہش کے مطابق اسے دیا ۔ ذاتِ احدیت کو یہ عطا اتنی پسند آئی کہ اسی وقت ۔ انک لعلی خلق عظیم کے تمغہ سے نواز دیا ۔

کون نہیں جانتا کہ قریشِ مکہ نے آپ کو کتنی ایذائیں دیں ۔ شب و روز کی زندگی دوبھر کئے رکھی ۔ حتیٰ کہ جب آپ نے مکہ سکونت چھوڑ دی ۔ ہجرت کر کے مدینہ آگئے پھر بھی قریشِ مکہ کے رویہ میں کوئی فرق نہ آیا ۔ اور مدینہ میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا ۔ لیکن جب آپ فاتح کی حیثیت سے داخلِ مکہ ہوئے تو آپ نے درِ کعبہ پر کھڑے ہو کر فرمایا ۔ اس اللہ کی حمد ہے جس نے میرے ساتھ کیا گیا وعدہ پورا کیا اور اپنے دین کی نصرت فرمائی ۔ اے قریش بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے ۔

قریش جنہوں نے بامر مجبوری ہتھیار ڈالے تھے شکست تسلیم کی تھی ۔ کہنے لگے ۔ اے محمد ! ہمیں معلوم ہے تو ہمارا کریم بھائی ۔ اور کریم بھائی ۔

اور کریم بھائی کا بیٹا ہے۔ آج تو فاتح ہے ہم مفتوح ہیں۔ تو قادر ہے ہم عاجز ہیں۔ اگر تو انتقام لے تو ہم اس کے اہل ہیں اور اگر معاف کردے تو یہ تیری عادت ہے۔

یہ اخلاق تو معلمِ کونین کا تھا ذرا اس استاد کے ایک شاگرد کا اخلاق بھی ملاحظہ فرمایئے۔ دلائل المعجزات میں ہے کہ جب حضرت علی مملکتِ اسلامیہ کے پاور فل حکمران تھے کوفہ دارالحکومت تھا۔ ایک کوچہ سے گزر رہے تھے ایک کنیز کو بیٹھے دیکھا جو رو رہی تھی آپ قریب گئے اور پوچھا کیا بات ہے؟

اس نے کہا۔ مجھے میری مالکہ نے گوشت خریدنے کے لئے پیسے دیئے میں جا کر قصاب سے گوشت خرید لائی۔ میری مالکہ نے گوشت قبول نہ کیا۔ مجھے دوسرا گوشت لانے کو کہا۔ میں پھر گوشت لائی اسے پسند نہ آیا۔ میں تیسری دفعہ قصاب کے پاس گئی تو اس نے مجھے اور گوشت تو دے دیا مگر ساتھ قسم کھائی کہ اب اگر گوشت واپس کیا تو میں واپس نہیں لوں گا۔ اب جب اپنی مالکہ کے پاس آئی تو اس نے گوشت دیکھ کر قسم کھائی کہ اگر اب کے اچھا گوشت نہ لائی تو تجھے سزا دوں گی اب میں نہ تو قصاب کے پاس جا سکتی ہوں اور نہ واپس مالکہ کے پاس۔

آپ نے فرمایا۔ زمین سے اٹھ۔ میں تیری سفارش کرتا ہوں۔ اگر کہے، تو تیری مالکہ سے تیری سفارش کرتا ہوں اور اگر کہے تو قصاب سے سفارش کرتا ہوں۔

اس نے کہا اگر مالکہ کو سفارش کریں گے تو وہ اور اذیت دیگی کہ

تو سفارشی ساتھ لائی ہے بہتر ہے آپ قصاب سے مجھے گوشت دلوا دیں۔

آپ اس کنیز کو ساتھ لے کر قصاب کے پاس آئے۔ یہ قصاب مخلص ترین شیعیان علی تھا۔ مدائن کا باشندہ تھا۔ اور مدائن سے کوفہ میں صرف حضرت علی کی زیارت کو آیا تھا۔ لیکن جب یہ کوفہ میں آیا اس وقت حضرت جنگِ صفین کو تشریف لے جا چکے تھے۔ چنانچہ اس نے واپس گھر جانے کی بجائے کوفہ میں انتظار کرنا شروع کیا۔ انتظار کے دن گذار کی خاطر قصابی شروع کردی۔ اس نے حضرت علی کو دیکھا ہوا نہیں تھا۔

جب قصاب نے دیکھا کہ پھر وہی کنیز چوتھی مرتبہ ایک عرب کو ساتھ لا رہی ہے، اس کا پارہ چڑھ گیا۔ جب آپ دکان پر آ گئے تو آپ نے فرمایا۔ بندۂ خدا۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ خداوندِ عالم ہر اس شخص سے محبت رکھتا ہے جو کسی مومن کے دل کو خوش کرے میں سفارش کرتا ہوں کہ اس مجبور کنیز سے گوشت لے کر اچھا سا گوشت دیدے۔

اس نے کہا۔ مجھے کیا معلوم۔ یہ تین مرتبہ پہلے گوشت لے گئی ہے۔ اب میں قسم کھا چکا ہوں کہ واپس نہیں لوں گا۔

آپ نے فرمایا۔ تیری قسم کی میں ضمانت دیتا ہوں کہ اللہ تجھ سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ اس نے آپ کے سینہ پر بڑے زور سے ہاتھ مارا اور پیچھے دھکیل کر کہا۔ چل دور ہٹ میری دکان ہے۔ پھر میرے معاملہ میں ٹانگ اڑانے کی کوشش نہ کرنا۔

اس منبع حلم اور معدن بردباری نے سر جھکا لیا۔ خاموشی سے پیچھے ہٹے اور کنیز سے فرمایا۔ اس شریف نے تو میری سفارش قبول نہیں کی۔ اب آ

تیری مالکہ کے پاس جاتے ہیں ممکن ہے وہ میری سفارش مان لے۔

جب آپ کنیز کے ساتھ اس کی مالکہ کے دروازہ پر آئے کنیز نے دق الباب کیا۔ مالکہ دروازہ پر آئی۔ یہ کوفہ کی رہنے والی تھی حضرت علیؑ کو پہچانتی تھی جب اس نے دروازہ کھولا اور حضرت علیؑ کو کنیز کے ساتھ کھڑے دیکھا۔ دوڑی اور آپ کے قدموں پر گر گئی۔

آپ نے فرمایا۔ اے کنیز خدا! کیا تو نے سنا ہے کہ اللہ نے جہنم میں ایک وادی بنائی ہے جس کا نام غضبان ہے اور یہ فقط ان لوگوں کے لئے جو اپنے غلاموں اور کنیزوں پر ظلم کرتے ہیں۔ کیا اس بیچاری کے لئے یہ کم ہے کہ بیک وقت دو غلامیوں کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے۔ ایک خالق کی غلامی اور دوسری مخلوق کی غلامی۔

اس نیک نصیب نے آپ کے قدموں پر سر رکھے ہوئے عرض کیا۔ آقا! آج سے یہ میری کنیز نہیں ہے۔ اس کے طفیل آپ میرے دروازہ پر تشریف لائے ہیں میں آپ کو پسند کرتی ہوں۔ آپ اندر تشریف لائیں اور میری سعادت کو اور دو بالا فرما کے ایک گھونٹ پانی ہی نوش فرمائیں۔

آپ نے فرمایا۔ کہ اگر تو نے یہ کنیز مجھے بخشی ہے تو میں اس کنیز کو راہِ خدا میں آزاد کرتا ہوں ــــ اس کے بعد آپ نے اس کی درخواست قبول فرمائی اور اندر تشریف لے گئے۔ وہ کچھ تیار کرنے میں مصروف ہوئی اتنے میں اس کا شوہر احمد گھر میں آیا۔ بیوی نے اسے حضرت علیؑ کے تشریف فرما ہونے کی اطلاع دی ساتھ ہی کنیز کا واقعہ بھی سنایا۔ اس نے پوچھا پھر کنیز کو کچھ نہیں کہا۔ اس نے جواب دیا۔ کہنا کیا تھا۔ میں نے وہ کنیز

مولا کو بخش دی اور آپ نے اسے آزاد بھی کر دیا۔

آپ احمد کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرمانے لگے۔ ادھر نماز ظہر کا وقت قریب ہونے لگا۔ جناب حذیفہ یمان آپ کی تلاش میں اس قصاب کی دکان پر آئے اور اس سے پوچھا امیر المومنین تیری دکان پر تشریف لائے تھے کچھ معلوم ہے پھر کہاں گئے؟

اس نے کہا۔ میاں کہاں ہیں اور کہاں یہ فیضِ عظیم۔ میں عرصہ سے آپ کے انتظار میں مدائن سے چلا ہی صرف آپ کی زیارت کے لئے ہوں آپ کو ہدیہ پیش کرنے کی خاطر کچھ عطر بھی ساتھ لایا ہوں۔ سنا ہے جنگ سے تو واپس تشریف لائے ہیں۔ اب جمعہ کے انتظار میں ہوں زیارت بھی کروں گا اور ہدیہ بھی پیش کروں گا۔

حذیفہ نے بتایا کہ وہی عرب جس نے کنیز کی سفارش کی تھی امیر المومنین ہی تو تھے جونہی اس نے یہ بات سنی سر پیٹ لیا۔ اور پوچھا ان کا لباس کیسا تھا؟

حذیفہ نے بتایا۔ اونی قمیص تھی اور بٹن کی جگہ کھجور کے پتہ سے گرہ لگا رکھی تھی۔ چہرہ مبارکہ سے نورِ ولایت نمایاں تھا۔

اب جب قصاب کو یقین ہو گیا۔ دکان چھوڑ دی۔ اور فقراء کو آواز دی آؤ میری دکان لوٹ لو اب میرے پاس کیا رہ گیا ہے۔ مجھ سا بدنصیب کون ہو گا۔ لمحہ میں دکان خالی ہو گئی۔ اس نے گوشت کاٹنے کا چھرا اٹھایا جو حضرت علیؑ کے سینہ پر مارا تھا۔ اس ہاتھ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ـــ تجھ جیسا ہاتھ جس نے امیر کائنات کی گستاخی کی ہو اس بدنصیب

جسم کے ساتھ لگا رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ گوشت کاٹنے کی لکڑی پر ہاتھ رکھا دوسرے ہاتھ میں ٹوکا پکڑا اور ایک ہی وار سے وہ ہاتھ کاٹ کر اٹھایا اور کوفہ کے گلی کوچوں میں دوڑ دوڑ کر فریاد کرنے لگا۔ لوگو! دیکھو مجھ جیسا بدنصیب کون ہوگا۔ خون کثرت سے بہہ جانے کی وجہ سے ایک جگہ نڈھال ہو کر گر گیا اپنے خون میں غلطاں پڑا رو رہا تھا لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ بھی اس پر ترس کھا کے رونے لگے

امام حسن فرماتے ہیں کہ جب مولائے کائنات نمازِ ظہر سے فارغ ہوئے میں نے دیکھا آپ کے چہرہ کا رنگ زرد تھا۔ مجھے فرمایا حسن بیٹے میرے ایک مخلص دوست نے میری محبت میں اپنا ہاتھ کاٹ دیا۔ جا میری یہ چادر لے جا۔ فلاں کوفہ میں پڑا رو رہا ہے۔ یہ چادر اس پر ڈال دینا اور اسے میرے پاس لے آ۔

میں جب گیا تو دیکھا رو رہا تھا اس نے دور سے مجھے دیکھا لوگوں سے پوچھا یہ نورانی چہرے والا شہزادہ کون آ رہا ہے؟ لوگوں اسے میرے متعلق بتایا۔ وہ گھسٹ کر آگے بڑھنے لگا۔ جب میں اس کے قریب گیا تو اس نے اپنا منہ میرے قدموں پر رکھ دیا میں نے اس پر چادر ڈالی اور اسے بتایا کہ جلدی چل آپ کا آقا آپ کے غم میں مغموم اور پریشان حال منتظر ہے۔

وہ رو کے کہنے لگا۔ کاش میری آنکھیں نہ ہوتیں میں کتنا رسوا ہوں کس منہ سے آقا کے سامنے جاؤں گا۔

امام حسن کے سہارا سے کچھ لوگوں نے اسے سہارا دیا۔ جب

مسجد کے قریب آئے تو دیکھا کہ امیرالمومنین درِ مسجد پر موجود ہیں آپ آگے بڑھے قصاب کو گلے لگایا اور فرمایا۔ بندہ خدا تو نے ہاتھ کیوں کاٹ لیا قسم بخدا! جب تو نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا تھا میں نے اسی وقت تیرے لئے اللہ سے استغفار کیا۔ تو نہیں پہچانتا تھا پھر آپ نے اس کا کٹا ہوا ہاتھ اٹھایا۔ لعابِ دہن لگایا اور کٹی ہوئی جگہ پر رکھ دیا۔ ہاتھ فوراً جڑ گیا۔

محترم قارئین! میرا جی چاہتا ہے۔ میرے آقا یہ مخلص شیعہ تو مدائن سے آیا تھا اس نے آپ کی محبت میں اپنا ہاتھ کاٹا۔ آپ کو علمِ امامت سے معلوم ہوا آپ کا رنگ زرد ہو گیا۔ آپ نے فوراً امام حسن کو بھیجا۔ آقا کاش! آپ میدانِ کربلا میں ہوتے۔ کاش آپ اپنے دلبند کو اس وقت دیکھتے جب دونوں ہاتھ کٹ چکے تھے اور گھوڑے پر سنبھل نہیں رہے تھے۔ کاش آپ اس وقت شہزادہ وفا کو سہارا دیکر گھوڑے سے ہی اتار لیتے۔ کاش آپ اپنے پیارے وفادار کا وہ وقت دیکھتے جب مشک کا دہانہ دانتوں میں لئے کبھی دائیں کبھی بائیں فوجِ یزید کا حصار توڑ کر اس امید میں گھوڑا دوڑا رہے تھے کہ پانی خیام تک پہنچ جائے۔ کہ اچانک ایک تیر مشک پر آ کر لگا اور پانی بہہ گیا پھر دوسرا تیر آیا جو آپ کے باوفا کے سینہ سے پار ہو گیا۔

عزادارو! آیئے عرض کریں۔ مولا حسین تیر تو آپ کے سینہ میں بھی آ کے لگا تھا لیکن آپ کے دونوں ہاتھ موجود تھے آپ نے ہاتھوں کی مدد سے تیر نکال لیا تھا۔ آیئے اپنے سقہ کو دیکھئے جس کے

سینہ پر تیر لگا ہے لیکن نکال نہیں سکتا۔

جب سلطانِ وفا گھوڑے سے نیچے آیا۔ تو یہی آواز دی۔ علیک منی السلام یابن رسول اللہ۔ فرزندِ رسول غلام کا آخری سلام

جب آپ نے سلام سُنا۔ آپ کے منہ سے بیساختہ نکلا۔

واخاہ۔ واعباساہ۔ وامہجۃ قلباہ۔ الان انکسری ظہری وقلت حیلتی۔

ہائے بھیا۔ ہائے عباس۔ ہائے میرا سہارا۔ اب میری کمر ٹوٹ گئی اور امیدیں ختم ہو گئی ہیں۔ لاشہ عباس پر آئے۔ ابھی رمقِ جان باقی تھی۔ سر کو گود میں رکھا۔ جھکے زخمی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا۔ عباس کوئی آرزو۔ کوئی خواہش؟

عرض کیا۔ بس دو خواہشیں ہیں۔

عباس جلدی بتاؤ۔

میرے آقا پہلی خواہش تو یہ ہے کہ اس دنیا سے رخصت ہوتے آپ کی آخری زیارت کرنا چاہتا ہوں لیکن معذور ہوں پیشانی پر تیر لگنے کی وجہ سے آنکھیں خون سے بھر گئی ہیں۔ کھل نہیں سکتیں اور میرے ہاتھ نہیں جن سے خون صاف کروں۔ اگرچہ بے ادبی ہے لیکن معذرت کے ساتھ گذارش ہے اپنے دستِ امامت سے خون صاف فرمالیجیے تاکہ آخری مرتبہ اتنا تو دیکھ لوں کہ بے سہارا آقا کا چہرہ کیسے ہوتا ہے۔

آپ نے خون صاف کیا۔ جناب عباس نے آنکھیں کھولیں جونہی چہرہ پر نظر پڑی فوراً آنکھ بند کر لی۔ مولا نے پوچھا عباس کیا ہوا

آنکھیں کھول کے بند کیوں کرلیں؟ عرض کیا میرے آقا تکلیف دینے کی معذرت ہوں۔ عباس میں طاقت نہیں ہے کہ بے سہارا فرزندِ رسول اور برادرِ زینب کا غمگسار چہرہ دیکھ سکوں۔

مولانا نے فرمایا عباس دوسری خواہش بتاؤ۔

سرکارِ وفا نے عرض کیا۔ آقا دوسری خواہش صرف اتنی ہے کہ مجھے خیام میں نہ لے جائیں نہ تو میں پیاسے بچوں کے ہاتھ میں پانی کے خشک جام دیکھ سکتا ہوں اور نہ ہی سکینہ کو کوئی جواب دے سکتا ہوں۔ اگر میری شہزادی نے مجھ سے پوچھ لیا تو میں کیا جواب دوں گا۔

اب ذرا نواسہ رسول کا حلم ملاحظہ فرمائیے۔ اور وہ بھی ان لوگوں کے لئے جو آپ کے بھائیوں، بیٹیوں، بھتیجوں اور بھانجوں کو شہید کر کے آپ کا سر کاٹنے کے منتظر تھے۔ ایسے بدنصیبوں کے لئے بھی بددعا نہیں فرمائی۔

ایک روایت کے مطابق آپ کے تنِ نازنین پر تین صد ساٹھ زخم تھے۔

ایک اور روایت کے مطابق ایک ہزار نو سو زخم تھے اور ایک روایت کے مطابق ایک سو اسی زخم تلوار کا۔ تین سو ساٹھ زخم نیزہ کا۔ اور چار ہزار زخم تیروں کا تھا۔

ان زخموں کے باوجود جب ایک ایک کر کے یہ لوگ آپ کا سر کاٹنے کو آنے لگے اور واپس ہونے لگے انہی میں سے ایک شخص

آیا تو آپ نے اسے فرمایا۔

ارجع لست انت قاتلی۔ واپس پلٹ جا تو میرا قاتل نہیں ہے،
میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تو آتش جہنم میں چلے۔

جب اس شخص نے یہ بات سنی تو بیساختہ رو دیا۔ اور عرض کیا۔
یا ابن رسول اللہ اس حالت میں آپ کو ہمارے جہنم میں جانے کا ڈر ہے۔

آپ نے فرمایا۔ میں جانتا ہوں میرے نانا نے کتنی قربانیوں
سے اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ اس شخص کی آنکھوں کے سامنے سے گمراہی
کی تاریکی چھٹ گئی۔ اپنی برہنہ تلوار لے کے واپس آیا۔ عمر سعد نے پوچھا
کیا کام ہو گیا؟ اس نے کہا نہیں اب ہو گا۔ اور تلوار لے کر عمر سعد کی
طرف بڑھا۔ سپاہیوں نے گرد گھیرا ڈال کر اسے گرفتار کر لیا۔ اور ہر طرف
سے وار کرنے لگے۔ جب زندگی سے مایوس ہو گیا۔ تو اس مجروح امام کی
طرف منہ کر کے عرض کیا۔ میرے آقا! گواہ رہنا میں نے لشکر یزید سے
توبہ کر لی ہے اور آپ کی محبت میں مارا جا رہا ہوں۔ مجھے اپنی شفاعت
سے محروم نہ رکھنا۔

---

۲۱ ویں مجلس

جہنم کا آتشین بچھو ۵ قسم کے افراد کو کاٹے گا

سردار انبیاء سے منقول ہے کہ روزِ قیامت قعرِ جہنم سے ایک بچھو برآمد جس کا سر آسمان سے ٹکرا رہا ہوگا۔ دُم ساتویں زمین تک پہنچ رہی ہوگی۔ از مشرق تا بمغرب مُنہ کھُلا ہوگا۔ وہ سوال کرے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو خدا اور رسول سے جنگ کرتے رہے؟

جبریل پوچھے گا۔ تیری نظر میں وہ لوگ کون ہیں؟

بچھو جواب دے گا یہ پانچ گروہ ہیں۔

پہلا گروہ۔ بے نمازوں کا ہے۔

نماز کیا ہے۔ نماز ایک آسمانی ترکیب ہے۔ جس میں جسم انسان کی طرح اعضاء بھی ہیں اور روح بھی ہے جس طرح انسانی جسم روح کے بغیر مردہ ہوتا ہے۔ اسی طرح نماز کی روح ہوتی ہے جس کے بغیر نماز بے جان ہوتی ہے اور وہ خلوص نیت مع ولائے آلِ محمدؐ ہے۔ جس طرح جسم انسانی میں اعضائے رئیسہ ہوتے ہیں اسی طرح نماز کے ارکان ہوتے ہیں۔ جسم طرح جسم انسان کے ہاتھ پاؤں۔ آنکھ، ناک، کان اور زبان وغیرہ ہوتے ہیں اسی طرح نماز کے واجبات اعضائے نماز ہیں۔

اہلِ ارض کی طرف سے نماز ایک تحفہ ہے جو دن میں پانچ مرتبہ بارگاہ رب الارباب میں بھیجا جاتا ہے۔ اس لئے انسان کو چاہیئے کہ اپنے اس تحفہ کو آراستہ اور پیراستہ کرکے بارگاہِ خالق میں بھیجے۔

یوم حشر اصول کے بعد فروع میں سے سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا جو لوگ نماز کو تاوان سمجھ کر گلے سے اُتارنے کی کوشش کرتے ہیں یوم حشر

نماز اُن کا شکوہ کرے گی اور بارگاہِ خالق میں عرض کرے گی بارالٰہا! اس نے دنیا میں مجھے ضائع کیا ہے آج تو اس کی پروا نہ کر۔

آنحضور فرمایا کرتے تھے بدترین انسان وہ ہے جو چوری کرتا ہو اور بدترین چور وہ ہے جو نماز سے کچھ چرا لے۔ یعنی رکوع و سجود اور قیام وغیرہ صحیح طریقے سے نہ کرے۔

ابن عباس نے فسوف یلقون غیا کی تفسیر میں آنحضور سے روایت کی ہے کہ غی جہنم میں ایک وادی کا نام ہے جس میں ایک ایسا سانپ ہے جس کا طول اگر ناپا جائے تو سر سے لے کر آخر دم تک ساٹھ برس تک چلتا ہوگا۔ جس دن سے پیدا ہوا ہے اس دن سے اس کا مُنہ بند ہے۔ یوم حشر اس کا مُنہ کھلے گا اور وہ صرف شرابخوروں اور بے نمازوں کو اپنے پیٹ میں بھرے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ ایک دن دریائے نیل عبور کر رہے تھے کہ دیکھا تو تمام مچھلیاں معذب نظر آئیں۔ بارگاہِ خالق میں عرض کیا۔ بارالٰہا! ان مچھلیوں کے معذب ہونے کی وجہ کیا ہے؟

ارشادِ قدرت ہوا: اضرب بعصاك البحر تری قدرتنا۔ فلما ضرب عصاه تکلم جمع من الحیوان — اپنا عصا دریا پر مار اور پھر ہماری قدرت کا نظارہ دیکھ۔ حضرت موسیٰ نے عصا دریا پر مارا تو مچھلیوں کا ایک گروہ سامنے آیا اور انہوں نے حضرت موسیٰ کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا۔ تمہیں کس جرم میں عذاب کیا جا رہا ہے؟ تو مچھلیوں نے جواب دیا۔ ہمیں عذاب تو نہیں ہو رہا البتہ ہم ایک عذاب کے اثر سے محفوظ نہیں ہیں۔ آپ نے پوچھا

وہ کیسا اثر ہے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن اسی دریائے نیل سے ایک کشتی گزر رہی تھی اس میں ایک بے نماز شخص سوار تھا اس کے دانتوں میں درد تھا۔ شدت درد سے بلبلا رہا تھا۔ کشتی والوں نے اسے مشورہ دیا کہ دانت نکال پھینک آرام آ جائے گا۔ اس نے دانت کو نکال کے دریا میں پھینکا اور غلطی سے ہماری نسل کی ایک مچھلی نے اسے نگل لیا۔ بس اس وقت سے آج تک ہماری تمام نسل گرفتار بلا ہے۔

آنحضورؐ نے فرمایا ہے کہ اسلام کے دیگر اعمال کے مقابلہ میں نماز کو وہی حیثیت ہے جو حیثیت خیمہ نصب کرتے وقت عمود کو ہوتی ہے۔ جب تک عمود خیمہ قائم اور ثابت رہتا ہے اس وقت طنابیں اور میخیں وغیرہ قائم رہتی ہیں۔ اگر عمود ٹوٹ جائے تو سب کچھ قائم و ثابت ہونے کے باوجود خیمہ خیمہ نہیں رہتا۔

مرنے کے بعد تین مقامات ایسے آئیں گے جہاں نماز کا سوال کیا جائے گا اصول کے بعد فروع میں سے سب سے پہلے تین مقامات پر نماز کا حساب لیا جائے گا۔ جس کی نماز قبول کر لی گئی دیگر تمام اعمال قبول کر لئے جائیں گے اور نماز مسترد کی گئی تو باقی اعمال مسترد ہوں گے پہلے قبر میں نماز کا حساب ہوگا۔ پھر یوم حشر نماز کا حساب لیا جائے گا اور تیسرا پل صراط سے گزرتے ہوئے نماز کا حساب ہوگا۔

نماز ضروریات دین میں سے ایک ضرورت دینیہ ہے۔ نماز نہ پڑھنے والوں کی دو اقسام ہوتی ہیں۔

۱۔ وہ افراد جو نماز کو واجبات دینیہ سے سمجھتے ہیں اور کاہلی وغیرہ کی

وجہ سے نماز نہیں پڑھتے لیکن اپنے آپ کو عاصی اور گناہگار تسلیم کرتے ہیں یہ لوگ شرعاً فاسق کہلاتے ہیں۔

۲۔ ایسے افراد جو نماز کو دینی فریضہ کے بطور تسلیم نہیں کرتے اور اپنے ان جذبات کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ۔ میاں نماز میں جنت نہیں رکھی۔ نہ پڑھی جائے تو اسلام کا کونسا ستون گر جاتا ہے۔ ایسے لوگ فاسق نہیں بلکہ تارک الصلوٰۃ کہلاتے ہیں اور جو شخص اس نیت سے مسلسل تین نمازیں نہ پڑھے وہ واجب القتل ہے۔ (آجکل ہمارے بعض واعظین ان احادیث معصومین کو جو تارک الصلوٰۃ کی مذمت میں فرمائی گئی ہیں قسم اول کے بے نمازوں پر فٹ کرتے ہیں اور انہیں بے دین کہنے کی سند دے دیتے ہیں یہ قطعی مغالطہ کی وجہ سے ہے ـــ تارک الصلوٰۃ۔ اور بے نماز دو علیحدہ اصطلاحیں ہیں اور دونوں کے نام جدا جدا احکام ہیں۔ خداوند عالم ہمارے واعظین کو ہدایت کاملہ عطا فرمائے۔ جہاں تک میں نے بے نمازوں سے گفتگو کی ہے مجھے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ملا جو نماز کو سرے سے فریضۂ واجبہ نہیں سمجھتا۔ ہر ایک نے یہی کہا ہے کہ گناہگار ہیں اللہ معاف فرمائے گا۔ ہاں بعض لوگ ایسے بھی ملے ہیں جو اصول کے مقابلہ میں نماز کو غیر اہم سمجھتے ہیں۔ یعنی ان کا کہنا یہ ہے کہ نماز جتنی بھی اہم ہو فروع سے ہے اور فروع اصول کے مقابلہ میں بہر طور کم درجے ہوتے ہیں ایسے افراد کو بھی تارک الصلوٰۃ کے ذیل میں شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کا یہ استدلال غلط نہیں ہے۔ مترجم)

تارک الصلوٰۃ کی مذمت :۔

نبی کونین سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے :

- تارک الصلوٰۃ پر سلام نہ کرو۔
- اگر تارک الصلوٰۃ سلام کرے تو جواب نہ دو۔
- اگر تارک الصلوٰۃ قرض مانگے تو نہ دو۔
- اگر تارک الصلوٰۃ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت نہ کرو۔
- اگر تارک الصلوٰۃ مرجائے تو اس کے جنازہ پر نہ جاؤ۔
- اگر تارک الصلوٰۃ کو دفن کرنا ہو تو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرو۔

پھر فرمایا۔ جو شخص تارک الصلوٰۃ کی ایک لقمہ سے امداد کرے گا جو گویا اس نے ستر انبیاء کے خون سے ہاتھ سُرخ کئے۔ جن میں پہلا حضرت آدم اور آخری میں ہوں۔

ائمہ اہلبیت سے مروی ہے کہ ایک نماز کا ثواب بیس حجوں سے زیادہ ہوتا ہے اور ایک حج کا ثواب وُر سُرخ سے بھرا ہوا راہ خدا میں صدقہ دینے سے افضل ہوتا ہے۔

آنحضور نے فرمایا ہے کہ جب انسان خلوص نیت سے نماز کے لئے مصلائے عبادت پر کھڑا ہوا ہوتا ہے تو تمام کائنات اس کے لئے استغفار کرتی ہے اور جب نماز سے فارغ ہو جاتا ہے تو وہ اس طرح ہوتا ہے جس طرح شکم مادر سے دنیا میں آتا ہے۔ یعنی تمام گناہوں سے مبرا ہوتا ہے ارشاد رب العزت ہے قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون۔ یقیناً وہ مومن فلاح یافتہ ہیں جو نماز میں خشوع کرتے ہیں۔

خشوع کا معنیٰ یہ ہے کہ وقت نماز انسان کے ذہن میں کسی قسم کی

کوئی وسیل نہ ہو فکر نہ ہو اسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ میرے دائیں بائیں بھی کوئی ہے یا نہیں ؟

تاریخ اسلام کا بڑا معروف واقعہ ہے کہ ایک جنگ میں حضرت علیؑ کے پائے مبارک میں ایک تیر لگا اور اس کا میل آپ کے ہاتھوں میں ٹوٹ گیا۔ نکالنے کی بڑی کوشش کی گئی لیکن شدت درد کی وجہ سے آپ نے نہ نکالنے دیا۔

نبی اکرم نے فرمایا کہ ابھی نہ نکالو جب علی مصروف نماز ہو اس وقت نکال لینا کیونکہ بحالت نماز علی کا تعلق صرف اور صرف خالق سے ہوتا ہے دنیا و مافیہا سے بالکل لاتعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

تاریخ میں ہے کہ جب حضرت علی وضو کرنے بیٹھتے تو خوف خدا سے آپ کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ وضو کرنے کے بعد اس حاکم عادل کے دربار میں حاضر ہونا ہوتا ہے جو بڑا بے نیاز اور عظیم ہے۔

حضرت علی اس اہلبیت کا ایک فرد ہے جن کی ولایت کو اللہ نے اپنی کتاب عزیز میں امانت سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا ہے :

انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا و اشفقین منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوماً جھولا ہم نے ارض و سما پر اپنی امانت کو پیش کیا لیکن انہوں نے اس امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا جبکہ ایک انسان نے انکار ولایت کا عظیم بوجھ اٹھا لیا۔ وہ ظالم اور جاہل تھا۔

تفاسیر میں امانت کی چار تعبیریں کی گئی ہیں :

۱۔ شرعی احکام سے غفلت ۔

۲۔ امامت سے انکار ۔

۳۔ ولایتِ آلِ محمد سے انکار ۔

حضرت علی سے مروی ہے کہ ذاتِ احدیت نے ہم اہلبیت کو ارض و سما پر پیش کیا۔ جس زمین نے ہماری ولایت کو قبول کر لیا۔ اللہ نے اسے سرسبز و شاداب بنا دیا۔ جس نے انکار کیا اللہ نے اسے شور بنا دیا۔ نباتات میں سے جس نے قبول کیا اللہ نے اسے ثمردار اور سایہ دار بنا دیا جس نے انکار کیا اللہ نے اسے ایندھن بنا دیا۔ جمادات میں سے جس نے اقرار ولایت کیا اللہ نے اسے بیش بہا جواہر دیئے اور جس نے انکار کیا اللہ نے اسے سڑکوں پہ ڈالنے کے قابل بنا دیا، یا آتش فشاں بنا دیا۔ ملائکہ میں سے جنہوں نے سب سے پہلے اقرار ولایت کیا انہیں ملائکہ مقربین۔ حاملینِ عرش اور امین وحی بنا دیا۔

۴۔ آل محمد سے حسن سلوک ۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر امانت سے مراد آل محمد سے حسن سلوک ہی اگر لے لیا جائے تو اُمت نے آل محمد سے حُسن سلوک کیا ہے۔ اگر تاریخ کو دیکھا جائے تو تاریخ چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ میرے دامن میں اگر کوئی مظلوم ہے تو وہ صرف اور صرف آل محمد ہی ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ آل محمد کی اس سے بڑھ کر اور مظلومیت کیا ہو گی کہ مردوں کو مقید کیا گیا۔ مستورات کو رسن بستہ بازاروں اور درباروں میں تشہیر کرایا گیا۔ ماں کو بیٹے پر، بہن کو بھائی پر اور بیٹی کو باپ پر رونے سے روک دیا گیا۔

رونے کو کتنا ترستی تھیں مستوراتِ آل محمد۔ جب ایک سال کی قید کے بعد رہا کیا گیا تو ثانیۂ زہرا نے جو مطالبات کئے تھے ان میں پہلا مطالبہ یہی تھا کہ ہمیں ایک تنہا مکان دیا جائے۔ مستورات شام کو ہمارے پاس آنے کی کھلی اجازت دی جائے تاکہ ایک ہفتہ تک ہم اپنے شہداء کا ماتم کریں۔

جب لوٹا ہوا سامان واپس ملا بنتِ زہرا نے تمام سامان اپنے سامنے رکھا۔ ایک ایک بی بی اس کے زیورات اور چادر واپس کرنے لگیں۔ جب تمام بی بیاں اپنی اپنی چادریں لے چکیں تو آخر میں دو چادریں ایک بڑی اور ایک چھوٹی۔ ایک جوڑا گوشواروں کا اور ایک جوڑا خلخال بچ گئے۔ ثانیۂ زہرا نے ایک ہاتھ میں بڑی چادر اور خلخال لئے، دوسرے ہاتھ میں چھوٹی چادر اور گوشوارے لئے ہائے حسینؑ کر کے غش کر گئیں۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو جناب فضہ نے پوچھا بی بی کیا ہوا؟ فرمایا، اماں فضہ سوچتی ہوں اکبر کی ماں کو کہاں تلاش کر کے اسے اس کی چادر اور خلخال دوں اور کمسن سکینہ کو کیسے بتاؤں کہ تیری ننھی سی چادر اور گوشوارے واپس مل گئے ہیں۔

عزادارو! کیسا قیامت کا وقت ہو گا جب جناب ام رباب نے ایک ہاتھ میں کمسن سکینہ کے گوشوارے اور چادر اور دوسرے ہاتھ میں اپنے شیر خوار کا تیر سے چھدا ہوا کُرتہ دیکھا ہو گا۔ کہنے کو اگرچہ شام تھی لیکن سیدانیوں کے سامنے ایک ایک کر کے کربلا کا تصویر آتی گئی اور ایک سال بعد شام میں پھر کربلا کا منظر تازہ ہو گیا۔

جہنمی بچھو کا دوسرا شکار زکوٰۃ نہ دینے والے ہوں گے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس سلسلہ میں تاریخ اسلام کا وہ واقعہ ہی کافی ہے جب آنحضور نے زکوٰۃ نہ دینے والے پانچ افراد کو اپنی مسجد سے نکال باہر کیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ مسلمانوں کی صف میں بیٹھو کیونکہ تم زکوٰۃ نہیں دیتے۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لئے نبی عالمین کا یہ جملہ ہی کیا کم ہے۔ ملعون ملعون۔ مال تیز گی۔ وہ مال ہی ملعون ہے جس سے زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔

قرآن کریم میں جن لوگوں کی طرف یہ جملہ منسوب کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ یوم حشر کہیں گے رب ارجعونی لعلی اعمل صالحاً فیما ترکت۔

بارالٰہا ایک مرتبہ مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ چھوڑے ہوئے اعمال صالحہ کر سکوں۔ ائمہ اہلبیت نے فرمایا ہے کہ یہ فقرہ زکوٰۃ نہ دینے والے کہیں گے۔

ویل للمشرکین لا یؤتون الزکوٰۃ۔

زکوٰۃ نہ دینے والے مشرکین کے لئے جہنم کی وادی ویل ہوگی۔

آنحضور سے مروی ہے کہ جو لوگ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور زکوٰۃ نہیں دیتے یوم حشر ان کا ذخیرہ کردہ مال ایک ہیبتناک اژدہا کی صورت اختیار کر کے اس شخص کا تعاقب کرے گا۔ وہ اس سے بچنے کی خاطر جگہ تبدیل کرے گا۔ بالآخر اس سے سوال کرے گا کہ تو کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟ وہ جواب دے گا۔ تو مجھے پہچانتا کیوں نہیں، میں تیرا وہی مال ہوں جسے ذخیرہ کیا کرتا تھا اور اس سے زکوٰۃ نہیں دیتا تھا۔ پھر وہ

اس شخص کا ایک ایک عضو توڑ کر کھائے گا۔ پھر قے کرے گا۔ وہ شخص زندہ ہو جائے گا۔ سانپ پھر اپنا عمل دہرائے گا۔

امام صادق کا ارشاد ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ ادا نہ جائے وہ نہ دریا میں غرق ہوتا ہے نہ آگ میں جلتا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی اور آفت آتی ہے۔

زکوٰۃ نہ دینے والے کی سزا :

آنحضور نے فرمایا ہے کہ جو شخص مویشیوں کی زکوٰۃ نہیں دیتا قیامت کے دن انہی اونٹوں اور بھیڑ بکریوں وغیرہ کو اس شخص کے اوپر سے اس وقت تک گزارا جاتا رہے گا جب تک اس کا جسم ریزہ ریزہ ہو کر ذرات میں تبدیل نہ ہو جائے گا۔ اسے پھر زندہ کیا جائے گا پھر وہ عمل کیا جائے گا حساب وکتاب کے خاتمہ تک یہ عمل جاری رہے گا۔

اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ کا مفہوم ائمہ اہلبیت سے منقولہ احادیث کے مطابق یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ دونوں ایک ساتھ ہیں۔ اگر نماز پڑھے اور زکوٰۃ نہ دے تو نماز بے اثر ہوگی اور اگر زکوٰۃ دے اور نماز نہ پڑھے تو زکوٰۃ بے اثر ہوگی۔

روایت میں ہے کہ جب انسان نمازیں پڑھتا ہے ملائکہ ایک سال کی نمازوں کو زیر فرش جمع کرتے ہیں۔ سال کے بعد اگر اس نے زکوٰۃ ادا کر دی تو اس کی نمازوں کے ساتھ زکوٰۃ کو شامل کر کے مقام قبولیت پر منتقل کر دیا جاتا ہے اور اگر زکوٰۃ ادا نہ کرے تو وہیں کی وہیں رہتی ہے۔

نبی اکرم نے زکوٰۃ کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی بتایا ہے کہ زکوٰۃ

دینے سے انسان کا مال آفات وحادثات سے محفوظ رہتا ہے۔ ارشاد ہے۔

حصنوا اموالکم بالزکوٰۃ۔

اپنے مال کو زکوٰۃ کے قلعہ میں محفوظ رکھو

ایک واقعہ بڑا معروف ہے کہ ایک متمول شخص اپنے مال کی باقاعدہ سالانہ زکوٰۃ ادا کیا کرتا تھا۔ ایک رات ایک چور اس کے گھر گھس گیا نقدی اس کے ہاتھ لگ گئی۔ اس نے درہموں کی اچھی خاصی گٹھڑی باندھ اور سر پہ رکھ کے باہر نکل آیا۔ راستہ میں اسے پتہ چلا کہ وزن بہت بہت زیادہ ہے شہر سے ایک ویران مکان کے قریب آیا اس کی ایک دیوار ذرا نیچی تھی جس رسی سے گٹھڑی بنا کے لائے تھے وہ ڈھیلی ہوکر اس کے گلے میں آگئی تھی۔ اس نے دیوار کے قریب آکر رسی کسنے کے ارادہ سے گٹھڑی کو دیوار پر رکھا۔ ابھی گلے سے رسی نکالی نہیں تھی کہ اچانک گٹھڑی کو ہاتھ لگا گٹھڑی دیوار سے سرک گئی اور دوسری طرف چلی گئی۔ جونہی گٹھڑی کا وزن رسی پہ پڑا وہ گلے میں تنگ ہوگئی۔ یہ بھی دیوار کے ساتھ لٹک گیا۔ اب ایک طرف گٹھڑی کا وزن تھا دوسری طرف اس کا وزن تھا درمیان میں رسی تھی جس کے دونوں سرے درہموں کی گٹھڑی کے ساتھ بندھے تھے اور پھندا گلے میں تھا۔ نہ گٹھڑی نیچے جارہی تھی نہ اس کے پاؤں زمین پر ٹک رہے تھے دونوں لٹکے ہوئے تھے۔ کچھ دیر تک تو قوتِ مدافعت نے ساتھ دیا۔ آہستہ آہستہ دفاعی طاقت کمزور پڑتی گئی۔ تڑپنے اور پھڑکنے والے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑتے گئے۔ کچھ دیر بعد میاں چور بھی گٹھڑی کی طرح خاموشی سے لٹکنے لگے۔ صبح مالک مال کو پتہ چلا رات چوری

ہوگئی ہے۔ نقش قدم تلاش کر کے گلی میں آیا۔ شہر سے باہر ویران مکان کی دیوار کے ایک طرف چور دوسری طرف درہموں کی گٹھڑی اور درمیان میں رسی کا دستہ دیکھ کر سجدۂ خالق میں گر گیا اور عرض کی بارِ الٰہا! تیرا وعدہ حق ہے جو کوئی تیرے احکام کے مطابق تیرے دیئے ہوئے مال سے تیرا حصہ باقاعدگی سے ادا کرے اس کا مال ہرگز ضائع نہیں ہوتا۔

مستحقینِ زکوٰۃ :-

قرآن کریم میں اللہ نے سات قسم کے افراد کو مستحقین زکوٰۃ فرمایا ہے۔

۱۔ فقراء ۲۔ مساکین ۳۔ یتامیٰ ۴۔ مسافر

مسافر خواہ اپنے وطن میں کتنا ہی دولتمند ہو اگر سفر میں اس کے پاس زادِ راہ ختم ہوگیا ہے تو وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے۔ اسی طرح فقرا، مساکین اور یتامیٰ بھی مستحق زکوٰۃ ہیں۔

میں سمجھتا ہوں شاید اہلِ کوفہ نے اسیران آل محمد کو مذکورہ بالا چاروں اقسام کی صفات کا حامل سمجھ کر صدقہ کی کھجوریں دینا شروع کی تھیں۔

اسیران آلِ محمد فقرا تھے کیونکہ کربلا کے بھوکے پیاسے، بے مقنعہ، بے ردا اور پرانے لباس فقراء ہی کے ہوتے ہیں۔

اسیرانِ آل محمد مسکین بھی تھے کیونکہ ایک سال کا قوت تو بجائے خود ان کے خیمے لوٹ کر جلا دیئے گئے تھے۔ زیورات اُتار لئے گئے تھے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا مسکینی ہوگی کہ بہنوں کو بھائی پر، بیٹی کو باپ پر اور ماں کو بیٹے پر رونے بھی نہیں دیا جارہا تھا۔

اسیرانِ آل محمد یتیم بھی تھے۔ جناب مسلم کی کمسن یتیم اور امام حسینؑ کی

کمسن سکینہ کے علاوہ بھی تو ستائیس بچے تاراجی خیام کے بعد بچ گئے تھے
اور اسیران آلِ محمد مسافر بھی تھے۔ ۲۸ رجب ۶۰ھ کو اپنا گھر مدینہ
چھوڑا تھا اور ۱۳ محرم ۶۱ کو کوفہ میں آئے تھے۔

جب مکانوں کی چھتوں پر سوار تماشبین عورتوں نے بچوں کے بھوک
اور پیاس سے زرد چہرے دیکھے تو کھجوریں دینے لگیں۔ جناب ثانیہ زہرا
نے بآوازِ بلند فرمایا: یا اهل الکوفه ان الصدقه علینا حرام نحن
بنات رسول الله۔ او کوفیو! یہ صدقہ کی کھجوریں مت پھینکو ہمارے
لئے صدقہ حرام ہے ہم نبی کونین کی بیٹیاں ہیں۔

پھر بی بی نے بچوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ بچو! جہاں اتنی بھوک اور
پیاس برداشت کی ہے وہاں کچھ اور بھی کر لو مگر صدقہ مت کھاؤ۔ ہم آلِ محمد
ہیں اور آلِ محمد پر صدقہ حرام ہے

اسی اثنا میں ایک عورت نے جناب سکینہ خاتون سے کہا بچی میں نے
اپنی آقازادی سے سُنا ہے کہ قیدیوں کی دعا قبول ہوتی ہے۔ لاہ خدا میری
تین خواہشیں ہیں اللہ سے دعا مانگو اللہ میری وہ تین حاجات پوری کر دے
یہ کھجور کھا اور پانی پی لے، یہ صدقہ نہیں ہے ہدیہ ہے۔ کمسن بچی جو پھوپھی کی
آغوش میں بیٹھی تھی، پھوپھی کی طرف دیکھا۔ بی بی نے فرمایا۔ ہاں بیٹی تو
مشکل کشا کی پوتی ہے دعا مانگ آمین میں کہے دیتی ہوں۔

بی بی نے کہا بتا تیری کیا حاجات ہیں؟ اس نے کہا
بچی دعا کر۔ اللہ کبھی میرے بچوں کو تیری طرح یتیم نہ کرے۔
دوسری دعا یہ ہے کہ۔ اللہ مجھے حج کی توفیق دے۔

اور تیسری دعا یہ ہے کہ اللہ مجھے میری آقازادی کی زیارت کرائے۔
بی بی نے دعا مانگنے کے بعد پوچھا تیری آقازاد کہاں رہتی ہے؟
اس نے بتایا میری آقازادی مدینہ میں رہتی ہے۔
بی بی نے کہا۔ تیری آقازادی کا نام کیا ہے؟
اس نے کہا۔ بچی؟ اگرچہ میں نے کبھی بازار میں اپنی آقازادی کا نام
نہیں لیا۔ لیکن تیرے معصومانہ سوال کی وجہ سے تجھے بتاتی ہوں میری
آقازادی کا نام زینب ہے۔ بی بی نے پوچھا۔ مدینہ میں رہنے والی تیری
آقازادی زینب کس کی بیٹی ہے اس نے کہا میری آقازادی۔ میرے مولا علی
کی بیٹی اور نبی کونین کی نواسی ہے۔

بی بی نے پھوپھی کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ اللہ نے تیری آخری دعا تو
ابھی منظور کر لی ہے۔ اس نے کہا وہ کیسے۔
بی بی نے کہا مجھے تیری آقازادی کی زیارت تو دعا مانگنے سے بھی پہلے ہو گئی
ہے۔ اس نے کہا میں نے تو اپنی آقازادی کو عرصہ ہوا ہے نہیں دیکھا۔ جب
اپنے بابا کے ساتھ کوفہ میں رہتی تھی اُس وقت دیکھا تھا پھر تو آج تک
نہیں دیکھا۔

بی بی نے کہا تو نے دیکھا تو ہے لیکن پہچانا نہیں۔
اس نے کہا بچی یہ کیسی باتیں کرتی ہے میں نے تین سال تک اپنی آقا
زادی سے درس قرآن لیا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنی آقازادی
کو نہ پہچانوں۔
بی بی نے فرمایا۔ حمیدہ تو نہیں پہچان رہی جس کی گود میں میں بیٹھی ہوں

یہی تیری آقازادی زینب بنتِ زہرا ہے۔ وہ اور وقت تھا۔ اس وقت تو نے کوفہ کی شاہزادی کی حیثیت سے دیکھا تھا آج تیری آقازادی اجڑ کے رسن بستہ تیرے شہر میں آئی ہے۔ سکھ کے زمانہ میں تو ہر شخص پہچان لیتا ہے پہچاننے کا لطف تو تب ہے کہ انسان کسی کو دکھ کے زمانہ میں پہچانے۔

حمیدہ نے کمسن بچی کی طرف دیکھا اور پوچھا بی بی کیا سچ کہہ رہی ہے۔ بی بی نے فرمایا۔ حمیدہ! اللہ قیدیوں کی دعا اسی لئے قبول کرتا ہے کہ وہ مظلوم ہوتے ہیں اور سچ کہتے ہیں۔ میری دعا تو اللہ ویسے بھی قبول کر لیتا تھا۔ میں نے رسیاں پہننے سے پہلے بھی کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔

اس وقت ثانی زہرا نے فرمایا۔ حمیدہ میرا حسین اور عباس شہید ہو گئے ہیں۔ آج میں کوفہ کی شہزادی نہیں بنی امیہ کی اسیرہ ہوں۔ حمیدہ نے ہائے کی اور غش کھا کے گر گئی۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو محمل گزر چکے تھے اور نیزوں پر سوار سر گزر رہے تھے۔

تیسرا گروہ :۔

تیسرا وہ گروہ جو اس جہنمی بچھو کا شکار ہوگا، شرابیوں کا ہوگا۔ یہ وہ ام الخبائث ہے جو ہر مذہب و ملت میں حرام ہے۔ کسی مذہب نے اسے حلال نہیں بتایا۔ آنحضور نے شراب بنانے والے۔ شراب فروخت کرنے والے شراب خریدنے والے۔ شراب پلانے والے۔ شراب پینے والے اور شراب کی قیمت پر لعنت فرمائی ہے۔

امام صادق نے فرمایا ہے شراب ہر شر کی چابی ہے۔ جو شخص اتنی شراب پی لے جس سے مست نہ ہو تو اس پر اللہ ملائکہ اور مومنین سب لعنت کرتے

ہیں۔ اگر اتنی پی لے کہ مست ہو جائے تو اللہ اس کے دل سے روحِ ایمان سلب کر لیتا ہے۔

آنحضور سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص شراب پی لے اور بحالت مستی مر جائے تو وہ ملک الموت کو بھی نشے کی حالت میں دیکھے گا۔ یوم حشر اسی نشے میں محشور ہوگا۔ ذات احدیت کی طرف سے ملائکہ کو حکم ملے گا اسے سکران کے پاس لے جاؤ۔ ملائکہ اسے جہنم کے ایک ایسے پہاڑ پر لے جائیں گے جہاں گندگی اور خون کی نہریں بہتی ہوں گی وہاں اس کے سوا نہ کوئی کھانا ہو گا اور نہ پانی۔

شراب خور کی ہمسائگی سے یہودیوں کا پڑوس بہتر ہے۔
شرابی سے دوستی نہ کرو۔
شرابی کے جنازہ میں نہ جاؤ۔
شرابی کی گواہی نہ کرو۔
شرابی کو رشتہ نہ دو۔
شرابی کی صبح شام غضب الٰہی میں گزرتی ہے۔
شرابی کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔
شرابی سے زیادہ دشمن خدا کوئی نہیں ہوتا۔
شرابی کی مدد کرنا کعبہ کو گرانا ہے۔
شرابی کو قرضہ دینا مومن کو قتل کرنا ہے۔
شرابی کے ساتھ بیٹھنے والا یوم حشر اندھا محشور ہوگا۔

حضرت علی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر شراب کا ایک قطرہ کسی کنوئیں

میں گر جائے پھر اس کنوئیں کو بند کر دیا جائے اور اسی جگہ اذان کے لئے مینار بنایا جائے تو میں اس مینار پر اذان نہیں کہوں گا۔

اگر شراب کا ایک قطرہ دریا میں گر جائے۔ دریا خشک ہو جائے اس جگہ سبزہ پیدا ہو وہ سبزہ دنبے کھائیں میں دنبوں کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔

اگر اونٹوں کی ایک قطار ہو اور قطار کے آخری اونٹ پر شراب لدی ہوئی ہو تو میں پہلے اونٹ کی مہار کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

شیعو! ملاحظہ فرما لیا ہے آپ نے ائمہ اہلبیت نے شراب کی کتنی مذمت کی ہے اور شراب سے کتنی نفرت دلائی ہے۔ ذرا امام رضا سے سُنئے۔

فضیل ابن شاذان نے امام رضا سے روایت کی ہے کہ جب نواسۂ رسول کا سر یزید کو پیش کیا گیا۔ یزید نے دستر خوان لگانے کا حکم دیا۔ اپنے تمام ہم نشینوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ گیا۔ کھاتے رہے اور شراب پیتے رہے۔ جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو اس نے حکم دیا کہ سر کو ایک طشت میں رکھ کے تخت کے نیچے رکھ دیا جائے اور پر اس نے شطرنج کی بساط بچھائی اور مصروف شطرنج اور مے خواری ہو گیا۔ جام میں بچی ہوئی شراب طشت میں انڈیل کر کہنے لگا۔ اے حسین کیا یہی وہ شراب ہے جو تیرے نانا نے حرام کی ہے۔ تجھے کیا معلوم یہ کتنی لذیذ ہوتی ہے۔

ایک اور مقام پر امام رضا نے فرمایا ہے کہ جو ہمارا شیعہ ہو گا وہ کبھی شراب نہ پئے گا اور شطرنج نہ کھیلے گا بلکہ شراب اور شطرنج کو دیکھ کر وہ وقت یاد کرے گا جب یزید ملعون شراب و شطرنج میں مصروف رہا اور نبی زادیاں رسن بستہ دربار میں کھڑی رہیں۔

اس ظالم نے سرِ مظلوم کو تخت کے نیچے طشت میں رکھا ہوا تھا۔ کمسن بچیوں کی نظر تو نہ پڑی لیکن بڑی بی بیوں نے دیکھ لیا۔ ثانیۂ زہرا نے ہائے حسین کہا اور فرمایا:

یا ابن مکہ و منیٰ	اے مکہ و منیٰ کے فرزند۔
یا ابن فاطمۃ الزھرا	اے فاطمہ زہرا کے لال۔
یا ولد المصطفیٰ	اے نبی مصطفیٰ کے بیٹے۔
یا حسیناہ	اے حسین۔
یا حبیب رسول اللہ	اے رسول رب کے پیارے

بتا بہن کہاں جائے۔ میں کیسے دیکھوں کہ یہ کمینہ تیرے سر سے میرے سامنے گستاخیاں کر رہا ہے۔ تمام مستورات نے نوحہ خوانی شروع کر دی۔ دوسری طرف فوج یزید کے سنگ دل سپاہیوں نے خاموش کرانا شروع کر دیا۔

چوتھا گروہ سود خوار:

جہنمی بچھو کا چوتھا شکار سود خوار ہوں گے۔ سود خوری حرام ہے۔ اللہ نے قرآن میں سود خوروں کو اپنے ساتھ جنگ کرنے والے سے تعبیر کیا ہے۔

ایک حدیث کے مطابق سود کا ایک درہم کھانا بیس مرتبہ کے زنا سے بھی زیادہ بھاری ہے۔

دوسری حدیث کے مطابق سود کا ایک درہم کھانا تیس مرتبہ کے زنا سے بھی زیادہ وزنی ہے۔

تیسری حدیث کے مطابق سود کا ایک درہم کھانا ستر مرتبہ کے زنا سے زیادہ جرم ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ سود خور کا انجام غربت اور ناداری ہوتی ہے۔
امام صادق نے فرمایا ہے کہ سود خوار اگر توبہ نہ کرے تو محق دین کا موجب ہوگا۔ محق کے متعدد معانی ہیں جن میں سے تین معانی یہ ہیں:

محق دین: یعنی دین کو کالعدم کرنا۔
محق دین: یعنی دین کی برکات سے محروم ہونا۔
محق دین: یعنی دین کو جلا ڈالنا۔

اور اگر سود خوار توبہ کرے تو نادار ہو جائے گا۔

کم تولنا اور کم ماپنا بھی سود ہی کی قسم ہے۔ ذات احدیت نے متعدد مقامات پر کم تولنے اور کم ماپنے کی مذمت فرمائی ہے۔

یا قوم اعبدوا اللہ ولا تنقصوا المکیال والمیزان

اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور کم نہ تولو اور نہ کم ماپو

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون

ان ماپنے والوں کے لئے جہنم کی ویل وادی ہے جو لوگوں کو ماپ کر دیتے وقت پورا نہیں دیتے۔

یہ ویل وہ وادی ہے کہ اگر پہاڑ اس کے قریب کر دیا جائے تو اس کی گرمی سے ایک سکینڈ میں پگھل جائے۔

کم تولنا۔ فصلوں میں کمی اور قحط کا سبب بھی ہوتا ہے۔
آنحضور نے فرمایا ہے کہ پانچ صفات ایسی ہیں کہ ان کے ساتھ پانچ مصائب پیوستہ ہوتے ہیں:

۱۔ جس قوم نے عہد شکنی کی ہے اللہ نے ان کے دشمن کو مسلط کر دیا ہے۔

۲۔ جس قوم نے احکام خدا کو چھوڑ کر اپنی طرف سے احکام نافذ کئے اس قوم میں زنا اور لہو و لعب عام ہو جائے گا جس کا نتیجہ ناداری اور تنگدستی ہوگا۔

۳۔ جس قوم میں زنا عام ہو جائے ان میں موت بھی عام ہو جاتی ہے۔
۴۔ جس قوم نے کم تولنا شروع کیا ان پر قحط مسلط ہو گیا۔
۵۔ جس قوم نے زکوٰۃ دینا بند کیا اللہ نے باران رحمت کو روک لیا۔

ایک مرتبہ اہل کوفہ نے حضرت علی کی خدمت میں درخواست کی کہ عرصہ سے بارش نہیں ہوئی ہم خشک سالی کا شکار ہیں۔ دعا فرمائیں تاکہ اللہ بارش دے۔ آپ نے امام حسین سے فرمایا۔ بیٹے کوفہ والوں کو پانی سے سیراب کرنا تیرے ذمہ ہے۔ امام حسین نے دست دعا بلند کئے۔ ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ باران رحمت شروع ہو گئی۔

کاش یوم عاشور کوفہ والوں کو امام حسین کی یہی دعا ہی یاد آجاتی اور امام حسین کو کم سن اصغر کے لئے ایک قطرۂ آب دے دیتے۔

پانچواں گروہ:

جہنمی بچھو کا پانچواں شکار وہ لوگ ہوں گے جو مسجد میں دنیاوی باتیں کرتے ہیں۔

---

۲۲ ویں مجلس

حضرت علی علیہ السلام کی ۵ خصوصیات

حضرت عمر سے مروی ہے کہ حضرت علی میں پانچ ایسے خصوصیات ہیں اگر مجھ میں ان میں سے ایک بھی ہوتی تو میں اسے اپنے لئے دنیا و ما فیہا سے برتر سمجھتا۔ سوال کیا گیا وہ کونسی صفات ہیں تو جواب میں کہا۔

۱۔ دختر رسول سے شادی

ہشت بہشت سجائے گئے۔ حور العین نے آرائش و زیبائش کے بعد سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کی۔ میکائیل نے تمام اہالیان آسمان کو جناب سیدہ کی شادی کی مبارکباد دی۔ اسرافیل نے بحکم ربّ جلیل اہالیان سما کو دعوت دی۔ عزرائیل نے بیٹھنے کے انتظامات کئے۔ ذاتِ احدیت نے ایک سفید بادل بھیجا جس نے تمام ملائکہ کے سروں پر موتیوں کی بارش برسائی شجر طوبےٰ نے یاقوت و زبرجد نثار کئے۔ حوروں نے موتی چنے۔

یہ دادی کی شادی ہے اسی جگہ مجھے پوتی کی شادی یاد آتی ہے۔

دادی کی شادی میں حوریں مدح خواں تھیں۔

پوتی کی شادی میں ماں نوحہ خواں تھی۔

دادی کی شادی میں باپ تازہ دم تھا۔

پوتی کی شادی میں باپ تین دن کا پیاسا اور زخموں سے چور چور تھا۔

دادی کی شادی میں ستارہ آسمان سے نازل ہوا تھا۔

پوتی کی شادی میں سورج کی گرمی آسمان سے نازل ہو رہی تھی۔

دادی کی شادی مدینہ میں ہوئی۔

پوتی کی شادی کربلا میں ہوئی۔

جب امام حسن کی نشانی سید الشہداء سے اجازت مانگنے آئے، جب آپ کی نگاہ پڑی آپ قاسم سے پہلے اُٹھے گلے لگایا۔ جی بھر کے روئے حتیٰ کہ دونوں غش کر گئے۔ غش سے افاقہ ہوا۔ شہزادے نے عرض کیا چچا جان! بچوں کی صدائے العطش، آپ کی بے کسی اور ماں کا اصرار اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آپ اپنے اس یتیم کو اجازت جہاد دیں۔ آپ نے فرمایا۔ قاسم تیری معصوم زبان سے موت کا ذکر سُننا تیرے چچا کے بس میں نہیں۔ تو میرے بھائی کی نشانی ہے جب بھی بھائی کی یاد ستاتی ہے تجھے دیکھ کر دل کو تسکین ہوتی ہے۔ تجھے کیسے اجازت دوں۔ میں کیسے اپنے بھائی کی نشانی کو خاک و خون میں غلطاں دیکھوں۔ شہزادہ مایوس ہو کر واپس ہوا۔ خیمہ میں آ کے تنہا سر زانو پہ رکھا اور مصروف گریہ ہو گیا۔ جناب ام فروہ خیمہ میں آئی دیکھا تو چاند سا بیٹا شدت پیاس سے زرد رو۔ آنکھوں سے آنسو بہا رہا ہے۔ بی بی قریب آئی اور فرمایا۔ قاسم! تجھے معلوم ہے ہمشکل نبی اپنے باپ کے قدموں پر اپنی جان قربان کر چکا ہے اور تو ابھی تک خیمہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ شہزادہ نے اُٹھ کر ماں کے قدموں پہ بوسہ دیا اور عرض کیا۔ ماں قاسم کی سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں آپ قربانی کا تقاضا کرتی ہیں اور میرے آقا اجازت نہیں دیتے ابھی ان کے پاس گیا تھا انہوں نے اجازت نہیں دی۔ میں اپنی قسمت پہ رو رہا ہوں۔

بی بی خیمہ میں بیٹھ گئی۔ بیٹے کو قریب بٹھایا۔ سر سینہ سے لگایا اور فرمایا بیٹے گھبراؤ نہیں میں تیرے ساتھ چلتی ہوں۔ تیرے چچا تجھے اجازت

دے دیں گے۔ ذرا اپنا دایاں بازو میرے سامنے کر۔ شہزادے نے بازو ماں کے سامنے کیا۔ بی بی نے آستین کھولی اور آستین کو اُلٹا۔ بازو پہ ایک تعویذ بندھا تھا۔ بی بی نے تعویذ کھولا اور فرمایا۔ بیٹے یہ تیرے باپ کی وہ وصیت ہے جو دم آخر انہوں نے لکھ کر تیرے بازو پر باندھی تھی۔ اور مجھے بتا دیا تھا۔ یہ وصیت بڑے بھائی کی طرف سے چھوٹے بھائی کے نام ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جونہی تیرے چچا اس وصیت کو دیکھیں گے تجھے اجازت دے دیں گے۔

شہزادہ نئی امید لے کر ماں کے ساتھ چلتا ہوا ایک مرتبہ چچا کی خدمت میں آیا اور عرض کیا اگر آپ میری درخواست پر اجازت نہ دیں تو اپنے بھائی کی وصیت پر تو عمل کریں گے۔ یہ آپ کے بھائی کی وصیت ہے۔

غریب کربلا نے شہزادہ کے ہاتھ سے وصیت لی۔ اسے چوما۔ آنکھوں سے لگایا اور کھول کے دیکھا تو لکھا تھا۔

قاسم بیٹے! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ جب کبھی تیرا چچا
میدان کربلا میں گھر جائے تو اپنے چچا سے اذن جہاد لینا
اگر اجازت نہ ملے تو میری یہ تحریر چچا کو دکھا دینا وہ
یقیناً تجھے اجازت دیدیں گے۔

جب آپ نے اس تحریر کو دیکھا۔ ایک مرتبہ پھر آنکھوں میں بھائی کا وہ منظر پھر گیا جب زہر جفا کی شدت سے آپ کبھی دائیں کروٹ اور کبھی کروٹ بدل رہے تھے۔ آنکھیں بیساختہ بہنے لگیں پھر فرمایا:

ہاں بیٹے واقعاً یہ تیرے باپ کی وصیت ہے تو بلا واسطہ تیرے نام سے

لیکن بالواسطہ میرے نام ہے۔ اب ضروری ہے کہ میں بھی اس وصیت پر عمل کروں۔ جو بالواسطہ مجھے فرمائی ہے۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر شہزادہ کا ہاتھ پکڑا۔ خیمہ میں تشریف لائے۔ جناب عباس اور جناب عون کو بلایا۔ ثانیہ زہرا کو بلایا اور فرمایا۔ میں نے جو صندوق آپ کے حوالے کیا تھا لائیے۔ وہ صندوق اُٹھا کے لائیں۔ آپ نے صندوق کھولا اس سے امام حسن کا لباس نکالا۔ آپ نے بھائی کا لباس شہزادے کو پہنایا۔ امام حسن کا عمامہ شہزادے کے سر پر رکھا۔ پھر جناب فاطمہ کبریٰ کے ساتھ عقد پڑھا۔

حضرت عمر نے فرمایا حضرت علی میں دوسری صفت یہ ہے کہ آنحضور نے تمام صحابہ کے لئے مسجد میں کھلنے والے دروازے بند کر دئیے لیکن علی کا دروازہ کھلا رکھا۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ حضرت علی کے گھر پہ ستارہ نازل ہوا۔

ہوا یوں کہ ایک مرتبہ جناب سلمان اور بعض دیگر صحابہ نے عرض کیا کہ آپ کے بعد آپ کا وصی اور خلیفہ کون ہوگا ؟ آپ نے فرمایا کہ جس کے گھر آج رات ستارہ اُترے گا وہی میرا وصی و خلیفہ ہوگا۔ تمام صحابہ اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر آمد ستارہ کا انتظار کرنے لگے۔ پورے مدینہ میں صرف ایک چھت خالی تھی جس پہ کوئی نہیں تھا اور یہ چھت علی و بتول کی تھی۔ دونوں نے یہی کہا اگر ستارہ ہمارے گھر آیا تو شکر خدا کریں گے اگر نہ آیا تو مصلحتِ الٰہیہ پر راضی رہیں گے۔ دونوں نے اپنے اپنے مصلّیٰ ہائے عبادت سنبھالے اور مصروف عبادت ہو گئے۔ پورے مدینہ نے دیکھا کہ زہرہ ستارہ نے آسمان سے اپنی جگہ چھوڑی اور سوئے زمین چلا۔ جوں جوں قریب آتا گیا دلوں کی دھڑکنیں بڑھتی گئیں حتیٰ کہ ستارہ نے فضائے مدینہ کا طواف

شروع کیا۔ بالآخر امیر المومنین کی چھت پر آیا اور پھر بلند ہو کر واپس اپنی جگہ آگیا دوسرے دن اللہ نے والنجم اذا ہویٰ کی سورہ بھیجی۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ جنگ خیبر میں آنحضور نے عَلم حضرت علی کو دیا۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ آنحضور نے حضرت علی کو عَلم دینے سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ کل میں علم اسے دوں گا جو اللہ اور رسول کا محبوب ہوگا اور اللہ اور رسول اس کے محبوب ہوں گے اور اللہ خیبر اس کے ہاتھ سے فتح کرے گا۔

حضرت عمر فرماتے ہیں قسم بخدا! میں ساری رات دعا مانگتا رہا کہ کل علم مجھے ملے۔ ہوا یوں کہ جب آنحضور نے مدینہ سے بنو نضیر کو مدینہ بدر کیا تو یہ لوگ خیبر چلے گئے۔ ان کے علاوہ بھی اطراف و نواح سے یہودی خیبر میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خیبر یہودیوں کا گڑھ بن گیا۔ اور یہ تمام مل کر مدینہ پر حملے کا منصوبہ بنانے لگے۔ خداوند عالم نے آنحضور کو حکم دیا کہ یہودیوں کے حملے سے پہلے تم خیبر پر حملہ کر دو۔ چنانچہ آپ نے خیبر پر فوج کشی کر دی۔ یہود خیبر کا سالار معروف زمانہ مرحب تھا۔

آنحضور نے پہلے دن علم سعد بن عبادہ کو دیا۔ لیکن کچھ مسلمان زخمی ہو کر اور کچھ ویسے بھاگ کھڑے ہوئے۔ دوسرے دن آپ نے علم حضرت ابوبکر کو دیا۔ نتیجہ پہلے دن سے مختلف نہ رہا۔ تیسرے دن حضرت عمر کو علم دیا۔ حضرت عمر کے ساتھ جانے والا لشکر یہودیوں تک پہنچنے سے بھی پہلے بھاگ کر واپس آگیا۔

واپس آکر علمبردار کہتے تھے کہ سپاہی بھاگ آتے ہیں اور سپاہی کہتے ہیں علمبردار نہیں ٹکتے۔ آپ نے فرمایا۔ کل علم ایسے شخص کو دوں گا جو کرار غیر فرار

ہوگا۔ اللہ اور رسول کا محبوب ہوگا اور اللہ اور رسول اس کے محبوب ہوں گے خیبر کو فتح کئے بغیر واپس نہیں آئے گا۔ تمام صحابہ کل کے انتظار میں رہے۔ اور ہر ایک کو یہ اُمید تھی کہ کل علم مجھے ملے گا اور میں فاتح خیبر بنوں گا۔ کیونکہ تمام صحابہ کو معلوم تھا کہ حضرت علی آشوب چشم میں مبتلا ہیں لہٰذا وہ جنگ میں نہیں جائیں گے۔

صبح حضور نے فرمایا۔ علی کہاں ہے ؟

تمام صحابہ نے بیک آواز عرض کیا۔ حضور وہ تو آشوب چشم میں مبتلا ہیں وہ جنگ کے قابل نہیں ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ علی کو بلاؤ۔

حضرت علی حاضر خدمت ہوئے۔

آپ نے فرمایا۔ یا علی کیا ہوا ؟

حضرت علی نے عرض کیا قبلہ آنکھوں میں درد ہے۔

آپ نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ اور سر میرے زانو پر رکھ دو۔

حضرت علی نے زانوئے نبوی پر سر رکھا۔ آپ نے لعاب دہن لگایا اور دعا کی۔ بار الٰہا علی کو ہر درد سے محفوظ رکھ۔ حضرت علی تندرست ہو گئے۔

بروایت ابن شہر آشوب آپ نے اپنا لباس حضر علی کو پہننے کے لئے دیا پھر اپنا عمامہ حضرت علی کے سر پر رکھا۔ اور فرمایا یا علی علم لو اور میدان میں جاؤ۔ جبریل آپ کے آگے میکائیل دائیں اسرافیل بائیں اور میری دعا عقب میں ہے۔

حضرت علی روانہ ہوئے۔ خیبر میں یہودیوں کے سات قلعے تھے۔ عقم عقیم

سقم۔ سقیم۔ ظل۔ قاموس۔ قاموس مضبوط ترین قلعہ تھا۔ آپ نے قاموس کا ارادہ کیا۔ مرحب اپنی سابقہ شان کے ساتھ نکلا اس کا خیال تھا کہ پہلے سالاروں کی طرح یہ بھی مجھے دیکھتے ہی بھاگ ہوگا۔ لیکن حضرت علی نے مرحب کی طرف رُخ کیا۔

مرحب نے رجز پڑھا۔ میں مرحب ہوں۔ مجھے پورا عرب جانتا ہے۔ حضرت علی نے جواب میں رجز پڑھا۔ میں حیدر ہوں اور مجھے پورا عالم جانتا ہے۔

جونہی اس نے حیدر کا نام سُنا بھاگ کھڑا ہوا۔ تمام لشکر بھی بھاگ گیا۔ شیطان نے ایک عالم کا لباس پہنا اور دوڑتے ہوئے مرحب کو عقب سے آواز دی اور پوچھا کیا ہوا بھاگتا کیوں ہے ؟

اس نے جواب دیا بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ تو نے نہیں سُنا جو لڑنے آیا ہے اس کا نام حیدر ہے اور مجھے میری علم نجوم کی ماہر دائی نے بتایا تھا کہ حیدر نام کے شخص سے جنگ نہ کرنا ورنہ مارا جائیگا۔

شیطان نے کہا۔ ابے احمق۔ اولاً تو عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں ان کی ہر بات درست نہیں ہوتی اور ثانیاً دنیا میں خدا جانے کتنوں کے نام حیدر ہوں گے۔ تو ہر حیدر نام والے سے بھاگتا رہا تو پھر جنگ کیا خاک لڑے گا۔ پلٹ کے آ۔

شیطان کے غیرت دلانے سے واپس پلٹا۔ دوسری ضرب میں واصل جہنم ہوا۔ حضرت علی آگے بڑھے۔ قلعہ قاموس کا دروازہ ستر آدمی بند کرتے اور کھولتے تھے۔ آپ نے دو اُنگلیاں ڈالیں اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے دروازہ کو

اُکھیڑا۔ پہلے تو اُسے ڈھال بنالیا۔ پھر خندق میں اُتر کے اسے پل بنالیا۔ اور پھر تمام صحابہ کو گزارا۔ حضرت ابوبکر نے آنحضور کی خدمت میں عرض کی۔ قبلہ علی نے کمال کر دیا ہے دروازہ کو ہاتھ پہ اُٹھا رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا ذرا خندق میں دیکھ۔ حضرت ابوبکر نے دیکھا تو حیرت سے مُنہ کھلا رہ گیا۔ آپ نے پوچھا۔ کیا ہوا۔ عرض کیا علی کے پاؤں زمین پر نہیں ہیں۔

مرد قتل کئے گئے عورتوں کو قیدی بنالیا گیا۔

امام محمد باقر سے مروی ہے کہ آپ نے صفیہ بنتِ حیُیّ ابن اخطب کو منتخب فرمایا۔ اور بلال کو حکم دیا کہ نبی اکرم کے سوا کسی کے حوالہ نہ کرنا۔ بلال صفیہ کو لے کے مقتل سے گزرا۔ جب صفیہ نے مقتولین کے لاشے دیکھے تو بے ساختہ تڑپ گئی۔ تھر تھر کانپنے لگی۔ چلنا مشکل ہو گیا۔ جب آنحضور کے سامنے آئی اور آپ نے صفیہ کا چہرہ دیکھا تو بلال پر ناراض ہو کر فرمایا۔ کیا تیرے دل میں رحم نہیں تھا، عورت کو مقتل سے لے کے آیا۔

شیعو! آئیے عرض کریں۔ مولا کاش آپ میدان کربلا میں ہوتے اور وہ منظر دیکھتے جب فوج یزید نے آپ کی نواسیوں کو بے پالان کے محملوں پر سوار کر کے مقتل سے گزارا۔ کاش آپ نے دیکھا ہوتا کہ پابند رسن مستورات اونٹوں سے کیسے اُتریں۔ ابھی اونٹ بیٹھے نہیں تھے کہ ہر بی بی اس طرح اتر آئی جس طرح حضرت عباس گھوڑے سے اُترے تھے۔ جناب ام لیلیٰ ہمشکل کو تلاش کرنے لگی۔ ام فروہ لاشۂ قاسم ڈھونڈنے لگی۔ بنت زہرا نے ابن اخی ابن اخی کو نعرہ بلند کیا۔

ایک جگہ پتھروں کا ڈھیر دیکھا۔ رسن بستہ ہاتھوں سے پتھر ہٹائے۔

بھائی کو دیکھا اور دو بین کئے۔ بھیا تیرے جسم کا کوئی حصہ ایسا نظر نہیں آتا جہاں بوسہ دے۔ مدینہ کی طرف منہ کر کے کہا۔ یا جداہ صلت علیك ملائكة السماء و حسينك مرمل بالدماء۔ نانا آپ کا جنازہ تو آسمان کے ملائکہ نے پڑھا تھا۔ آئیے ذرا اپنے حسین کو دیکھئے آج تیسرا دن ہے اور خاک و خون میں غلطاں بلا دفن پڑا ہے۔

---

۲۳ ویں مجلس

اِمام جعفر صادق کے پانچ دائمی اعمال

روایت میں ہے کہ ایک دن جناب لقمان نے حضرت داؤدؑ سے کہا مجھ سے پانچ جملے یاد کرلے ان میں اول و آخرین کے علوم ہیں۔

۱۔ دنیا کے لئے کام اپنی مقدار کو دیکھ کے کر۔

۲۔ آخرت کے لئے عمل اتنا کر جتنا وہاں تجھے رہنا ہے۔

۳۔ اللہ سے مانگی جانے ہر دعا کا مرکزی نقطہ جہنم سے نجات ہو۔

۴۔ گناہ پر اتنی جرأت کرنا جتنا آتش جہنم میں صبر کر سکتا ہو۔

۵۔ جب اللہ کی نافرمانی کا ارادہ کرنا جگہ ایسی تلاش کرنا جہاں وہ تجھے دیکھ نہ سکے۔

جناب لقمان نے ایک دن اپنے بیٹے کو فرمایا میں نے چار انبیاء کی خدمت کی ہے اور ان کی تبلیغ سے پانچ جملے یاد کئے ہیں تو بھی انہیں یاد کرلے تو آخرت میں نجات پا جائے گا۔

۱۔ نماز کے وقت اپنے دل کو اپنے قابو میں رکھ۔

۲۔ دستر خوان پر بیٹھے تو اپنے پیٹ کو اپنے قابو میں رکھ۔

۳۔ کسی کے گھر جائے تو اپنی آنکھ کو قابو میں رکھ۔

۴۔ کسی اجتماع میں جائے تو اپنی زبان کو قابو میں رکھ۔

۵۔ اللہ کو اور موت کو ہمیشہ یاد رکھ۔ اپنی نیکی اور دوسرے کی بدی کو بھول جا۔

امام صادق فرمایا کرتے تھے پانچ چیزیں ایسی ہیں جنہیں زندگی کے

آخری لمحہ تک ترک نہ کروں گا۔

۱۔ لوگوں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا۔

۲۔ گھوڑے کی سواری۔

۳۔ بکری کو اپنے ہاتھ سے دوہنا۔

۴۔ اونی لباس پہننا۔

۵۔ بچوں پر سلام کرنا۔

حضرت علی سے مروی ہے کہ سلام کرنے میں ستر نیکی ہے جن میں سے سلام کا جواب دینے والے کی ایک اور سلام کرنے والے کی انہتر ہوتی ہیں۔

آنحضور سے مروی ہے: جو سلام کا آغاز کرے گا وہ عذاب سے محفوظ رہے گا۔

جب ایک مومن اپنے مومن بھائی کو سلام کرتا ہے تو ابلیس رونے لگتا ہے اور کہتا ہے یہ دونوں بخشے گئے اور میں مارا گیا۔

بدنصیبی کی چار علامات ہیں:

حیا میں کمی۔ آنکھ کی خشکی۔ امیدوں کا طول۔ اور سنگدلی۔

جب انسان گناہ کے وقت یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے تو وہ بے حیا ہے۔ اور اگر اس کا خیال ہو کہ اللہ نہیں دیکھ رہا تو وہ کافر ہے۔

بہجۃ الانوار میں ہے کہ اللہ نے پانچ چیزوں کو تبدیل کیا ہے:

۱۔ اللہ نے ریت کو آٹا بنایا۔ ہوا یوں کہ حضرت ابراہیم نے اپنے ایک مصری دوست کو پیغام بھیجا کہ میرے پاس گندم ختم ہو گئی ہے چند بوریاں گندم بھیج دے جب نوکر گئے تو اس نے کہا ابراہیم قحط کے پیش نظر

لوگوں کو کھانا دینا چاہتا ہو گا۔ خود تو بھوکا ہو گیا ہے۔ اب ہمیں بھی کنگال کرنے چلا ہے۔ اسے کہو کہ ہمارے پاس بھی آجکل کچھ نہیں۔ نوکر واپس آئے انہیں شرم محسوس ہوئی کہ خالی بوریاں کیسے لے جائیں چنانچہ انہوں نے راستہ میں بوریوں میں ریت بھر لی اور لے آئے حضرت ابراہیم سو رہے تھے۔ جب جناب سارہ نے بوری کو کھولا تو بڑا عمدہ آٹا نکلا۔ گوندھا اور روٹیاں پکائیں۔ جناب ابراہیم جاگے تو کھانا ان کے سامنے رکھا۔ آپ نے پوچھا آٹا کہاں سے آیا ہے۔ بی بی نے عرض کیا آپ کے مصری دوست نے بھیجا ہے۔ آپ اٹھے اور ایک بوری کو کھولا اس گندم تھی اور ہر دانہ پر لاالٰہ الااللہ لکھا ہوا تھا۔ فرمانے لگے۔ یہ مصری دوست نے نہیں آسمانی دوست نے بھیجی ہے۔

۲۔ اللہ نے بنی اسرائیل پر عذاب کرنے کی خاطر پانی کو خون میں تبدیل کر دیا۔ جب بھی وہ لوگ پانی میں ہاتھ ڈالتے تھے خون ہو جاتا تھا۔

۳۔ اللہ نے حضرت داؤد کے لئے لوہے کو موم میں بدل دیا اور حضرت عیسیٰ کے لئے مٹی کے بت کو پرندہ میں تبدیل کر دیا۔

۴۔ بچے کے لئے خونِ حیض کو دودھ میں بدل دیا۔

۵۔ نبی کونین کے لئے مٹی کو خون میں بدل دیا۔ جب آپ نے ام المومنین ام سلمہ سے فرمایا اس شیشی میں دیکھ۔

جناب ام سلمہ سے مروی ہے کہ ایک رات نبی کونین گھر سے باہر تشریف لے گئے اور کافی دیر تک غائب رہے۔ جب واپس تشریف لائے تو میں نے دیکھا چہرہ زرد تھا۔ شکل پریشان تھی۔ بال کھلے ہوئے تھے۔ آنکھیں

بسر رہی تھیں۔ بال گرد آلود تھے۔

میں نے عرض کیا قبلہ خیریت تو ہے؟ آپ بہت زیادہ پریشان نظر آرہے ہیں۔

آپ نے فرمایا ہاں۔ ابھی جبریل مجھے عراق کے ایک صحرا میں لے گیا تھا جس کا نام کربلا ہے۔ وہاں جبریل نے مجھے میرے حسین اور اس کی ذریت میں سے ایک کی مقتل دکھائی۔ میں نے وہ تمام مقامات دیکھے جہاں میرے ان بیگناہوں کا خون گرے گا۔ وہاں سے میں نے تھوڑی سی مٹی اٹھائی ہے جو میرے ہاتھ میں ہے۔ آپ نے مٹھی کھولی اور فرمایا لے یہ اپنے پاس رکھ لے جس دن یہ مٹی خون ہو جائے سمجھ لینا کہ میرا حسین پیاسا شہید کر دیا گیا ہے۔

میں نے مٹی لے لی۔ اسے چھوٹی سی شیشی میں ڈال کر محفوظ کر لیا جس دن سے غریب کربلا نے مکہ چھوڑ کر سفر عراق کیا اس وقت سے روزانہ میں شیشی کو دیکھتی رہتی تھی۔

کیا جناب ام سلمہ کے پاس صرف یہی مٹی تھی؟ ایسا ہر گز نہیں، آپ تاریخ دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جس دن امام حسین نے مدینہ سے کوچ کیا اور تمام بنی ہاشم سے الوداع کہہ رہے تھے جناب ام سلمہ نے فرمایا:۔

بیٹے اس بڑھاپے میں مجھے نہ رلا۔ میں نے تیرے نانا سے سنا ہے کہ یقتل ولدی الحسین فی ارض العراق فی ارض یقال لھا کربلا۔

میرا حسین بیٹا عراق کے کربلا نامی صحرا میں شہید کیا جائے گا۔

غریب کربلا نے عرض کیا۔ ہاں ماں! میں وہ جگہ بھی جانتا ہوں جہاں میرا خون گرے گا اور مجھے اس جگہ کا بھی علم ہے جہاں ہمارے خیمے ہوں گے۔ اگر برداشت کر سکو تو میں آپ کو اپنے مزار کی جگہ بھی دکھا دوں چنانچہ آپ نے اشارہ کیا۔ زمین کربلا بلند ہوئی۔ آپ نے انگلی کے اشارہ سے بتایا یہاں میں سوؤں گا۔ یہ دریائے فرات کا کنارہ ہے۔ یہاں سقائے سکینہ سوئے گا۔ یہاں میرا ہمشکل نبی گھوڑے سے اترے گا۔ یہاں ہمارے خیمے ہوں گے اور اس ٹیلے پہ نبی زادیاں شام غریباں گزاریں گی۔

جناب ام سلمہ نے فرمایا میرے پاس کچھ مٹی ہے جو آپ کے نانا نے مجھے دی تھی۔ آپ نے زمین کربلا سے ایک مٹھی مٹی لی اور عرض کیا اسے بھی اسی شیشی میں ڈال لیجئے جس میں میرے نانا کی دی ہوئی مٹی ہے۔ جب دیکھنا کہ شیشی سے خون ابل رہا ہے سمجھنا کہ میں نانا کے پاس پہنچ گیا ہوں۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ سنہ ۶۱ھ محرم کی دسویں تاریخ کو میں اپنے گھر سویا ہوا تھا کہ یکایک جناب ام سلمہ کے گھر سے نوحہ و بکا کی آواز آئی۔ میں نے اپنے غلام سے کہا۔ مجھے ام سلمہ کے گھر لے چل۔ جب وہ لایا تو میں نے سنا جناب ام سلمہ زار و قطار رو رہی ہیں۔ میں نے پوچھا: ام المومنین کیا بات ہے؟

بی بی نے مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ اور مستورات کی طرف دیکھ کے فرمایا یا بنات عبد المطلب اسعدننی علی البکاء اے عبد المطلب کی اولاد آؤ میرے ساتھ تم بھی روؤ۔

واللہ لقد قتل سبط رسول و ریحانتہ

بخدا رسول کا پارۂ جگر اور خوشبوئے جان شہید ہو گیا ہے۔

میں نے سوال کیا اے ام المومنین آپ کو کیسے یقین ہوا ہے کہ حسین شہید ہو گئے ؟

بی بی نے فرمایا۔ ابھی ابھی سو رہی تھی عالم خواب میں میں نے آنحضور کو پراگندہ مو اور پریشان حال دیکھا ہے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا۔

یا نبی اللہ مالی اریک بھٰذا الحال۔ اے نبی کونین آپ اس حال میں کیوں پریشان ہیں ؟

آپ نے فرمایا۔ اے ام سلمہ میرا حسین اور اس کے تمام اقربا اور اصحاب میدانِ کربلا میں تین دن کے پیاسے شہید کر دیئے گئے ہیں۔ میں ابھی ابھی کربلا سے آرہا ہوں۔

میں خواب سے بیدار ہوئی گھبرائی ہوئی اس مٹی کے پاس آئی جو آنحضور نے مجھے بطور علامت عنایت فرمائی تھی۔ اسے دیکھا تو شیشی سے خون ابل رہا تھا۔ میں نے اسی شیشی سے کچھ خون لے کر اپنے بالوں پر خضاب کیا، اور مصروف ۱۰۶ داری ہو گئی۔

مطالعہ تاریخ کرنے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ جناب ام سلمہ نے اس شیشی سے خون ایک مرتبہ پھر بھی لیا اور اپنے چہرہ کو سُرخ کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب بشیر نے آکر اطلاع دی کہ کربلا کے مسافر اور شام کے اسیروں کا قافلہ لوٹ کے آگیا ہے۔ جب جناب ام سلمہ اور جناب فاطمہ صغریٰ

نے بشیر کی یہ آواز سُنی تو دونوں نے روضہ رسول پہ آکر نوحہ خوانی شروع کی جناب ام سلمہ نے اسی شیشی سے خون لے کر اپنے چہرہ پر ملا اور مزارِ رسول پر ہاتھ رکھ کر فرمایا میرے نبی آقا۔ ذرا اُٹھ کے دیکھ تو سہی تیرے حسین کا یتیم سجاد شام کی قید سے رہا ہو کے آگیا۔ ذرا اپنی عصمت مآب بیٹی ثانیٔ زہرا کا چہرہ تو دیکھ جو دھوپ اور بھوک و پیاس کی شدت سے مرجھا گیا ہے۔

---

۲۴ ویں مجلس

ایسے پانچ افراد جن کا پہلے کوئی ہمنام نہ تھا

تاریخ عالم میں پانچ افراد ایسے ملتے ہیں کہ جب ان کا نام تجویز کیا گیا تو ان سے پہلے اس نام کا کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ یعنی وہ کسی کے ہمنام نہ تھے۔

۱۔ جنابِ یحییٰ۔ ذاتِ احدیت نے قرآن میں اس بات کی تصدیق فرمائی ہے کہ حضرت یحییٰ کسی کے ہمنام نہ تھے۔ ارشادِ قدرت ہے لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ہم نے یحییٰ سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا تھا۔

۲۔ سرورِ انبیاء۔ ذاتِ احدیت نے آپ کا اسمِ گرامی اپنے نام محمود سے مشتق کیا ہے اور شبِ معراج آپ سے فرمایا تھا۔ میں محمود ہوں اور تیرا نام میں نے اپنے نام سے مشتق کر کے محمد رکھا ہے۔

۳۔ سلطان الاولیاء حضرت علی کسی کے ہمنام نہ تھے۔ جب بیت اللہ میں آپ کی ولادت ہو گئی تو جناب ابوطالب نے خلافِ کعبہ ہاتھ میں لے کر مولود کا نام پوچھا۔ ذاتِ احدیت نے ابوطالب کے لہجہ میں جناب ابوطالب کو مولودِ کعبہ کا نام بتایا۔

۴۔ شہزادۂ سبز قبا امام حسن کسی کے ہمنام نہ تھے۔ سرورِ انبیاء کی دعا کے جواب میں ذاتِ احدیت نے حسن نام تجویز کیا۔

۵۔ غریبِ کربلا امام حسین بھی کسی کے ہمنام نہ تھے اور حسن کا مصغر حسین نام اللہ ہی کا تجویز کردہ ہے۔

طاؤس یمانی سے روایت ہے کہ آنحضور اکثر اوقات امام حسین کا گلوئے مبارک اور پیشانی چومتے رہتے تھے۔ جب بھی امام حسین کسی

تاریک جگہ بیٹھے تھے تو آپ کی پیشانی اور گلوئے نازنین سے نور کی ایسی شعاعیں پھوٹتی تھیں کہ لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ جگر گوشۂ زہرا فلاں جگہ بیٹھا ہے یا آرہا ہے۔

عزادارو! یہ وہی پیشانی اور نازک گلو تھے جن پر فوج یزید کے سنگدل سپاہیوں نے اپنے پتھر اور تیر زیادہ آزمائے۔ جب آپ زینِ ذوالجناح سے خاک کربلا پر آئے۔ کچھ دیر تیروں پر معراج کرنے کے بعد اُٹھے اور نیزہ کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے۔ اسی اثنا میں ایک ظالم نے جبین مبین کا نشانہ لے کر پتھر مارا ابھی پتھر کے زخم کو سہلا ہی رہے تھے کہ دوسرے ظالم نے کمان کے چلہ پر تیر چڑھا کے اس زور سے پیشانی پہ مارا کہ آپ سنبھل نہ سکے۔ کبھی دائیں جھکتے تھے اور کبھی بائیں۔ کافی وقت سنبھلنے میں لگا۔ ابھی تک مکمل طور پر نہ سنبھل پائے تھے کہ ایک اور ظالم نے گلوئے مبارک کو تاک کر تیر مارا۔ یہ تیر بھی سینے میں پیوست تیر کی طرح سامنے کی طرف نہ نکل سکا۔ آپ نے بڑی مشکل سے گردن کے پچھلے حصہ سے تیر نکالا۔ خون کو چلو میں لیا اور سفید ریش مبارک پہ خضاب کر کے کہا۔ نانا آئیے اپنی بوسہ گاہ کا خون میری سفید داڑھی پر ملاحظہ فرمائیے۔

اس میں شک نہیں کہ جناب یحییٰ کی طرح غریب کربلا بھی کسی کا ہمنام نہ تھا۔ جناب یحییٰ کی طرح مظلوم کربلا بھی بطنِ معصومہ میں چھ ماہ ہی رہے اور جناب یحییٰ کی طرح دلبندِ زہرا کو بھی ملاء اعلیٰ میں لیجایا گیا لیکن بایں ہمہ جناب یحییٰ اور امام حسین میں بہت زیادہ فرق ہے۔

جناب یحییٰ کا سر اپنے وقت کے عیاش ترین حکمران کی عیاشی کو پورا کرنے کی خاطر اسے تحفہ میں دیا گیا تھا۔ لیکن نواسۂ رسول کا سر یزیدی عیاشیوں کے مقابل نہیں تھا بلکہ اموی کفر کو غالب کرنے کی خاطر یزید کو بطور تحفہ دیا گیا۔

جناب یحییٰ تنہا تھے۔

مظلوم کربلا تنہا نہ تھے۔ پہلے بھائیوں۔ بیٹوں۔ بھانجوں اور بھتیجوں کے پیاسے لاشے اٹھا کے لائے۔ پھر کمسن اور پیاسی سکینہ کو الوداع کہی جسم نازک میں آیات قرآن کے مطابق زخم لئے پھر سر قلم کیا گیا۔

جناب یحییٰ کے قاتل نے ایک ہی ضرب سے مظلوم نبی کا سر جدا کیا۔

فرزند زہرا کے قاتل نے تیرہ ضربوں سے سر جدا کیا۔

جناب یحییٰ کو شہید ہوتے ہوئے دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔

دلبند مصطفیٰ کو ذبح ہوتے وقت زینب جیسی بہن اور سکینہ جیسی کمسن بیٹی ستّر قدم کے فاصلہ سے دیکھنے والی تھیں۔

جناب یحییٰ کے سر کو نوک نیزہ پر سوار نہیں کیا گیا تھا۔

شہیدِ نینوا کا سر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک نوک نیزہ پر بلند کر کے شہر بہ شہر تشہیر کرایا گیا۔

جناب یحییٰ کے سر نے کسی مقدس کتاب کی تلاوت نہیں کی تھی۔

غریب مدینہ کے سر نے قرآن کی تلاوت کی ہے۔

جناب یحییٰ کا سر تنہا پیش کیا گیا۔

فرزند زہرا اصغر کے سر کے ساتھ رسن بستہ بہنیں بیٹیاں اور چوبیس سالہ

بیمار سجاد بھی تھا۔

جناب یحییٰ کو ایک مرتبہ ملاء اعلیٰ لے جایا گیا جبکہ بابائے سکینہ کو دو مرتبہ آسمانوں میں لیجایا گیا۔ پہلی دفعہ کا واقعہ تو آپ پہلی مجلس میں پڑھ چکے ہیں دوسرے واقعہ کی طرف اشارہ اس جگہ کئے دیتے ہیں۔

ان دونوں دفعات میں تھوڑا سا فرق ہے۔ پہلی مرتبہ جب لے جایا گیا اس وقت بخت ساتھ تھا لیکن جب دوسری مرتبہ لے جایا گیا تو مظلومیت کی داستان تھا۔ جب جبریل نے تاج اتار کر زمین و آسمان کے مابین نوحہ پڑھا:

الا قد قتل الحسین بکربلا   الا قد ذبح الحسین بکربلا

اس کے بعد ملائکہ نے کچھ شیشیوں میں خون مظلوم بھرا اور روح شبیر کے محو پرواز ہوئے جس آسمان سے گزرتے رہے مرثیہ خوانی شروع ہوتی گئی ملائکہ نے یوں تو بہت سے شہدا انبیا اور اوصیا دیکھے تھے لیکن حسین سی مظلوم ستم دیدہ اور پیاسی کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہر شہید نبی و وصی نبی کے جسم پر ایک دو یا قدرے زیادہ زخم دیکھے تھے مگر وہ سب ظاہری۔ ملائکہ نے جب اپنی چشم عصمت و طہارت سے روح شبیر کے زخم دیکھے تو وہ جسم کے چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ زخم دیکھ کر ہائے حسین کر رہے تھے کہ ناگاہ انہیں روح مظلوم کے باطنی زخم نظر آ گئے۔

دل کا وہ زخم جو ہمشکل نبی کی برچھی سے لگا۔ اس کے ساتھ قاسم اور عون و محمد کے تین زخم نظر آئے پھر جگر گوشہ رباب کی کمسنی کا زخم دیکھ کر تو ملائکہ تڑپ گئے اور جب ملائکہ نے ثانیہ زہرا کے بے برادر ہونے، ام لیلیٰ

اور ام رباب کی بیوگی۔ سکینہ کی کمسنی کے ساتھ سروں سے چادروں اور کانوں سے گوشواروں کے باطنی زخم دیکھے تو ان کے ہاتھوں سے تسبیحیں چھوٹ گئیں

جناب یحییٰ کی شہادت پر آسمان رویا۔ لیکن تین دن۔

جناب شبیر کی شہادت پہ آسمان چالیس دن خون برساتا رہا۔ زمین سے خون ابلتا رہا۔

کنار آب یحییٰ تشنہ کے بود۔ جناب یحییٰ کب لب دریا پیاسے شہید ہوئے۔
ہزارش زخم تیر و دشنہ کے بود۔ جناب یحییٰ کے جسم پہ کب ہزاروں تیروں اور نیزوں کے زخم تھے۔
نہ یحییٰ قاسمے نے اکبرے داشت۔ جناب یحییٰ کے قاسم اور اکبر جیسے جوان بیٹے کب تھے۔
نہ بہر اصغرش چشم ترے داشت۔ جناب یحییٰ کی آنکھیں اصغر کی شہادت پہ کب گریاں تھیں۔
بنودش ہمچو عباسے برادر۔ جناب یحییٰ کا عباس جیسا باوفا بھائی کب تھا جس نے
کہ دستش را جدا بینند ز پیکر۔ دونوں بازو میدان کی مختلف جگہوں سے اٹھائے ہوں۔
نہ حیران اہلبیت مضطرے داشت۔ نہ تو یحییٰ نے پریشان اہلبیت دیکھے اور
نہ گریاں چوں سکینہ دخترے داشت۔ نہ ہی کمسن سکینہ جیسی کو روتے ہوئے چھوڑا۔

غریب کربلا ہی کے اہلبیت تھے جنہیں رسن بستہ کوفہ و شام کے درباروں اور بازاروں میں تشہیر کرایا گیا۔ شام کے ویران مکان میں قید رکھا گیا جناب سجاد فرماتے ہیں کہ جب میں شام میں داخل ہوا تو مجھے تمام سابقہ مصائب بھول گئے۔ یوں تو آپ نے شام میں ہونے والے مصائب کو ایک ایک کر کے گنوایا ہے لیکن ہم اس جگہ صرف پانچ مصائب کا تذکرہ کئے دیتے ہیں۔

شام میں پانچ مصائب :-

۱- جب ہمیں نو میل کے فاصلہ سے باب الساعات پیدل لے جایا گیا اور ہم باب الساعات پر پہنچے تو ان ملاعین نے ننگی تلواروں اور چمکتی انیوں کے گھیرے میں لے لیا۔ چھتوں پر زرق برق لباس میں سوار مستورات نے پتھروں سے جھولیاں بھر رکھی تھیں - اوپر سے سنگ باری ہو رہی تھی۔ ہمارے آگے آگے رقاصوں کے گروہ تھے۔ اسی طرح ہمارے پیچھے ڈھول بجانے والے تھے۔ ادھر رقاص ناچتے تھے ڈھول بجتے تھے پتھر برستے تھے۔ نیزوں کی انیاں ایک دوسرے سے ٹکرا ٹکرا کر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے میری پھوپھیوں ماؤں اور بہنوں کے سر اگر پتھروں سے بچ جاتے تھے تو نیزوں کی انیوں سے زخمی ہو جاتے تھے اور اگر نیزوں کی انیوں سے بچتے تھے تو پتھروں سے زخمی ہو جاتے تھے۔ بازار کی دیواریں اور فرش رنگین ہو گیا تھا۔

۲۔ تمام شہداء کے نیزوں پر بلند سروں کو ہمارے درمیان رکھا گیا۔ میرے بابا کا سر میری پھوپھی زینب کے قریب رہا اور جب کبھی نیزوں کو ہوا میں لہرا لہرا کر خوشی کا اظہار کرتے تھے تو کتنے سر نیزوں سے فرش بازار پر آ گئے پھر انہیں کسی نے اٹھایا تک نہیں اوپر سے پیادہ اور گھوڑے گزر گئے۔

۳- دربار پر پہنچ کر یہ قافلہ رک گیا۔ ہمیں ایک رسی میں پابند کیا گیا۔

۴- ہمیں دربار تک لانے کیلئے اس بازار سے گزارا گیا جس میں بردہ فروشی ہوتی تھی -

۵- ہمیں ایسے زنداں میں رکھا گیا جس پر چھت نہ تھی جو نہ گرمی میں دھوپ سے بچاتا تھا اور نہ سردی میں برفباری سے۔

---

۲۵ ویں مجلس

خدا اور ملائکہ کا پانچ قسم کے افراد پر درود بھیجنا

امام صادق سے مروی ہے کہ نبی کونین سے مجھ تک ہدایت پہنچی ہے کہ جو شخص مجھ پر صلوات پڑھے گا اللہ اور ملائکہ اس شخص پر درود بھیجیں گے اب ہر شخص کی مرضی ہے خواہ کم صلوات پڑھے یا زیادہ۔

آنحضور سے مروی ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ صلوات پڑھے ذات احدیت نے اس کے جواب میں جو انتظام فرما رکھا ہے وہ یہ ہے کہ اس کریم اللہ نے عرش کے عین وسط میں ایک عمود پیدا فرمایا ہے اس عمود کے اوپر والے سرے کی ستر ہزار شاخیں ہیں۔ ہر شاخ پر ستر ہزار ملک معین ہیں۔ ہر ملک کے ستر ہزار سر ہیں۔ ہر سر کے ستر ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرے پر ستر ہزار زبانیں ہیں۔ جب کوئی شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے یہ تمام ملائکہ اپنی تمام زبانوں کے ساتھ ستر ہزار مرتبہ اس شخص پر درود پڑھتے ہیں۔

نیز ائمہ اہلبیت سے منقول ہے کہ جہاں بھی نبی اکرم کا نام لیا جائے اور سُننے والا یا نام لینے والا آپ کی ذات پر صلوات پڑھے تو خلاق عالم مع ملائکہ اس شخص پر ایک ہزار مرتبہ درود بھیجتا ہے۔

جامع الاخبار میں ہے کہ آنحضور نے فرمایا ہے جو شخص ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ اللّٰھم صلِ علیٰ محمد و آلِ محمد پڑھے قدرتِ خالق سے اس شخص کے منہ سے ایک سبز رنگ پرندہ پیدا ہوتا ہے جس کے پروں میں یاقوت و مروارید جڑے ہوتے ہیں۔ اس کی آواز شہد انگبین جیسی شیریں

ہوتی ہے۔ ذاتِ احدیت کی طرف سے اس پرندے کو ٹھیرنے کا حکم ملتا ہے وہ پرندہ عرض کرتا ہے بارالٰہا! میں تو اس وقت ٹھیر سکوں گا جب میرا کہنے والا بخشا جائے گا جبکہ تو نے ابھی اس کے گناہ معاف نہیں کئے ارشادِ قدرت ہوتا ہے میں نے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں تو ٹھیر جا۔ ذاتِ خالق کی طرف سے اس پرندے کو ستر زبان ملتی ہے جس سے وہ تاقیامت اس شخص کے لئے استغفار کرتا رہے گا اور وہی پرندہ جنت میں جانے کے لئے اس کا راہنما ہو گا۔

نبی کونین سے مروی ہے کہ شب معراج میں نے ایک فرشتہ دیکھا جس کے کئی ہزار ہاتھ تھے۔ اور ہر ہاتھ میں کئی کئی ہزار انگلیاں تھیں۔ میں نے دیکھا وہ کوئی حساب کر رہا تھا۔ جبریل سے پوچھا یہ کس چیز کا حساب کر رہا ہے تو جبریل نے بتایا کہ یہ فرشتہ بارش کے قطرات شمار کرتا ہے۔ میں اس فرشتہ کے قریب گیا اور پوچھا کیا تجھے معلوم ہے کہ ذاتِ احدیت نے آج تک بارش کے کتنے قطرات زمین پر نازل فرمائے ہیں؟ اس نے عرض کیا حضور یہ تو بہت معمولی سی بات ہے میرے ذہن میں یہ ریکارڈ بھی موجود ہے کہ بارش کے کتنے قطرات کب کب اور کہاں کہاں گرے ہیں۔

آپ نے پوچھا کوئی ایسی چیز بھی ہے جس کا شمار تو نہ کر سکتا ہو؟

اس نے عرض کیا ہاں ایک ایسی چیز ہے جس کا شمار میرے بس سے باہر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب چند مومن مل کر آپ کی ذات گرامی صفات پر درود بھیجیں تو مجھ سے ان کے ثواب کا شمار نہیں ہو سکتا۔ میں ذات احدیت کی بارگاہ میں اپنے عجز کا اقرار کرتا ہوں تو ندائے قدرت آتی ہے جس طرح میرے

بندوں نے کہا تو اسے اسی طرح نوٹ کرلے ان کے ثواب کا حساب میں خود کروں گا۔

پانچ قسم کے افراد جن پر اللہ ملائکہ ریگ صحرا کے ذرات اور تمام جاندار صلوات پڑھتے ہیں:

۱۔ وہ افراد جو سحری کے وقت استغفار کرتے ہیں ان پر تمام کائنات صلوات بھیجتی ہے۔ حضرت علی کے متعلق منقول ہے کہ آپ کے پاس ایک شخص نے آ کے عرض کیا۔ آقا میری قوم پوری کی پوری ہلاکت کے کنارے پر پہنچ چکی ہے کوئی ایسا عمل بتائیے جو میں اپنی قوم کو بتاؤں اور وہ بچ جائے آپ نے فرمایا استغفار کرو۔

پھر دوسرا شخص آیا اس نے عرض کیا۔ مولا میں بہت غریب اور نادار ہوں کوئی عمل بتائیے۔ آپ نے فرمایا استغفار کیا کر۔

تیسرا شخص آیا اس نے عرض کیا سرکار میری اولاد نرینہ نہیں ہے، دعا فرمائیے اللہ بچہ دے۔ آپ نے فرمایا استغفار کیا کر۔

چوتھا شخص آیا اس نے عرض کیا عرصہ سے مریض ہوں۔ شفایاب نہیں ہو رہا۔ آپ نے فرمایا استغفار کیا کر۔

آپ کے صحابہ میں سے ایک نے عرض کیا۔ قبلہ چار مختلف افراد نے اپنی مختلف ضروریات پیش کی ہیں مگر آپ نے ہر ایک کو وہی ایک عمل بتایا ہے آپ نے فرمایا کیا تو نے قرآن میں یہ ہدایت نہیں پڑھی۔

استغفروا ربکم انہ کان غفاراً یرسل السماء علیکم مدراراً۔

بارگاہ خالق میں استغفار کیا کرو وہ بہت کریم ہے آسمان کی برکتیں مسلسل نازل

کرے گا۔

معاویہ کے ایک دربان سے مروی ہے کہ میں نے نواسۂ مصطفیٰ امام حسن مجتبیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ نے بڑی دولت دے رکھی ہے لیکن وارث نہیں ہے آپ نے فرمایا استغفار کیا کر چنانچہ روزانہ میں سات سو مرتبہ استغفار پڑھتا تھا اللہ نے مجھے دس فرزند دیئے۔ جب معاویہ کو اطلاع ملی تو اس نے کہا ارے کمبخت حسن سے یہ تو پوچھا ہوتا کہ یہ عمل اس نے تجھے کہاں سے بتایا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ اتفاق ملاقات ہوا تو میں نے عرض کہ جو عمل آپ نے مجھے بتایا تھا وہ کہاں سے ماخوذ ہے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا قرآن سے۔

حضرت علی فرمایا کرتے تھے اپنے آپ کو گناہوں کی بدبو سے محفوظ رکھنے کے لئے استغفار کا عطر لگایا کرو۔

ایک اور مقام پہ فرمایا ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ استغفار کرے گا اس کے رزق میں اتنی ہی وسعت آئے گی۔

امام رضا سے مروی ہے کہ گناہوں کے لئے استغفار ایسے ہے جیسے خزاں رسیدہ درخت کے لئے تیز آندھی۔

امام صادق سے منقول ہے کہ جو شخص سو مرتبہ روزانہ استغفار کرے اللہ اس کے سات سو گناہ معاف فرما دیتا ہے اور کوئی بدنصیب ہی ایسا ہو گا جس کے گناہ یومیہ گناہوں کی تعداد سات سو سے بڑھ جائے۔

امام صادق سے روایت ہے کہ نماز تہجد پہ مداومت کرو۔ یہ سنت نبویہ ہے۔ صالحین ماسلف کا طریقہ ہے۔ جسمانی دردوں کی معالج اور روحانی بیماریوں سے شفا ہے۔ اہل خانہ کی محافظ ہے اور چہرے کو پُرنور کرتی ہے

اور رزق میں موجب اضافہ ہوتی ہے۔

امام صادق ہی سے منقول ہے کہ جب کوئی بندہ نماز تہجد کے لئے اُٹھے لیکن اس پر نیند غالب آجائے اور تہجد پڑھے بغیر سو جائے تو ذاتِ احدیت کی طرف سے ملائکہ کو آواز آتی ہے۔ دیکھو میرے بندے کو وہ اس وقت میرے اللہ اکبر اور رب العالمین کہنے کے لئے اُٹھا تھا جس وقت کا اُٹھنا اس پر میں نے فرض نہ کیا تھا۔ اس کے اس وقت اُٹھنے سے تین میں سے کوئی ایک مقصد ہو سکتا ہے۔

گناہوں سے مغفرت کے لئے اُٹھا ہوگا۔

توبہ قبول کرانے کے لئے اُٹھا ہوگا۔

وسعت رزق کی دعا مانگنے کے لئے اُٹھا ہوگا۔

اگرچہ وہ مجھ سے مانگ کچھ بھی نہیں سکا لیکن میں تمہیں گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اس کی توبہ قبول کر لی ہے اس کے گناہ معاف کر دئیے ہیں اور اس کے رزق میں وسعت کر دی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا ہے کہ

نماز تہجد سے چہرہ پُر نور ہوتا ہے۔

رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔

اخلاق میں شائستگی آتی ہے۔

جسم میں خوشبو پیدا ہوتی ہے۔

غم دُور ہوتے ہیں۔

آنکھیں منوّر ہوتی ہیں

اور قرض ادا ہو جاتا ہے۔

امام صادق ہی نے فرمایا ہے کہ

جس گھر میں نماز پڑھی جاتی ہے اور قرآن کی تلاوت ہوتی ہے۔ اہل آسمان کے لئے وہ گھر اس طرح چمکتا ہے جس طرح اہل زمین کے لئے ستارے چمکتے ہیں۔

نبی اکرم سے مروی ہے کہ جو شخص وقت سحر نماز تہجد کے لئے قربۃً الی اللہ اُٹھے۔ قربۃً الی اللہ وضو کرے اور قربۃً الی اللہ جانماز پر کھڑا ہو حکم خدا سے ملائکہ کی تین صفیں اس کے پیچھے کھڑی ہوتی ہیں۔ ان کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جب تہجد سے فارغ ہوتا ہے تو تعداد ملائکہ کے مطابق اس کی نیکیوں میں اضافہ اور گناہوں میں کمی کرتا ہے۔

امام باقر سے مروی ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن سے مومنین کے مدارج میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱) ہر ایک کو سلام کرنا (۲) مومنین کو کھانا کھلانا (۳) نماز تہجد پڑھنا۔

۲ - ایسے افراد جن پر عالمین مع ذاتِ احدیت درود پڑھتے ہیں۔ وہ ہیں جو کسی ضرورتمند نادار مومن کو لباس پہنائیں۔ نبی اکرم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی برہنہ کو لباس پہنائے خداوند عالم اسے اس دن لباس پہنائے گا جس دن تمام لوگ محتاج لباس ہوں گے۔ اور جب تک اس مومن کے جسم پر کپڑا رہے گا اس وقت تک ملائکہ اس لباس دینے والے پر درود پڑھتے رہیں گے۔

۳- تیسرے ایسے افراد جن پر اللہ مع تمام کائنات کے درود بھیجتے ہیں

وہ مومن ہیں جو اپنے پر آنے والی مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھیں۔

جناب جعفر طیار کی خبر شہادت :-

امام صادق سے منقول ہے کہ جب جناب جعفر طیار کی خبر شہادت حضرت علی کو ملی تو آپ نے اسی وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ تاریخ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کی وقت مصیبت تلاوت حضرت علی سے پہلے کسی نے نہ کی تھی۔ جب آپ نے یہ آیت تلاوت کی اس وقت ذاتِ احدیت نے یہ آیت نازل کی :

الذین اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئك علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ - جن لوگوں پر کوئی مصیبت آئے اور وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہیں ان پر اللہ کی رحمتیں اور صلوات ہوں۔

حضرت علی کے اس کہے ہوئے جملہ کو خالقِ عظیم نے قرآن کا حصہ بنا کر ہر مصیبت زدہ کے لئے سمت بنا دیا کہ آج کے بعد جو بھی مصیبت کے وقت یہ جملہ ادا کرے گا ہماری طرف سے اس پر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں گی۔

ہوا یوں کہ نبی اکرم نے جناب جعفر کو تین ہزار کے لشکر کا سالار بنا کر موتہ کی طرف روانہ کیا۔ منازل طے کرتے ہوئے جب مقام موتہ پر پہنچے اور دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو معلوم ہوا کہ لشکر کفار ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اسلامی لشکر نے کفار کے لشکر سے مرعوب ہوئے بغیر اپنے خیمے لگا دیئے۔ ادھر ذات احدیت نے رسول اکرم کے لئے یہ انتظام کیا کہ آپ کے سامنے سے تمام حجابات اُٹھا لئے اور آپ مسجد نبوی میں بیٹھ کر

میدانِ موتہ کا پورا لشکر اور جنگ ملاحظہ فرما کر صحابہ کو ایک ایک پل کی خبر دیتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا اب جعفر علم لے کر میدان میں نکل رہا ہے اب جعفر جنگ میں مصروف ہے۔ آخر ایک بار آپ نے لرز فرمایا کہ اب جعفر کا دایاں ہاتھ شہید ہو گیا ہے اور جعفر نے علم بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا ہے۔ پھر آپ نے جھرجھری لی اور فرمایا اب جعفر کا بایاں ہاتھ بھی قلم کر دیا گیا ہے اور جعفر علم کو سینہ سے لگا کر مدینہ کی طرف منہ کر کے کہا ہے۔

السلام علیک یارسول اللہ سلام مودع

اے نبی خدا آخری اور الوداعی سلام ہو۔

اسی اثنا میں ایک کافر نے جعفر کے سر پر وار کیا اور آپ گھوڑے سے زمین پر آئے۔ آپ صحابہ کو جنگ کا منظر بتا رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔

عزادارو! کیا ہی اچھا ہوتا اگر نبی کریم اسی طرح مدینہ میں ہوتے اور اصحاب میدان کربلا کا منظر بتاتے ہوئے فرماتے کہ اب کمسن سکینہ بازوئے عباس میں مشک پہنا رہی ہے۔ اب عباس نے گھوڑے کی باگ سنبھال لی ہے اور دریائے فرات روانہ ہو گیا ہے۔ اب عباس نے دریائے فرات پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب دریائے فرات میں گھوڑے کو ڈال دیا ہے۔ اب عباس مشک کو پُر آب کر رہا ہے۔ اب مشک کا تسمہ باندھ رہا ہے۔ اب خود پیاسا دریا سے نکل رہا ہے۔ اب مشک کو سامنے رکھے واپس خیام کی طرف آ رہا ہے۔ اب عباس کا دایاں ہاتھ قلم کر دیا گیا۔ عباس نے مشک کو بائیں کندھے پر لٹکا لیا ہے۔ اب عباس کا بایاں کندھا شہید کر دیا گیا ہے۔ اب عباس نے

مشک پر اپنا سینہ رکھ دیا ہے۔ اب عباس کے سر پہ ایک ظالم نے چھپ کر وار کیا ہے۔ اب عباس نے زین چھوڑ دی ہے۔ کاش آپ اس وقت بھی ہوتے اور صحابہ کو بتاتے کہ اب میرا حسین کمسن اصغر کو لے کر میدان میں پانی مانگنے چلا ہے۔ اب حرملا تیر کمان میں رکھ رہا ہے۔ اب شصت باندھ رہا ہے ادھر در خیمہ پر ام رباب کھڑی دیکھ رہی ہے۔ اب تیر جفا آ رہا ہے۔ وہ میرے لال کا گلا زخمی نہیں کٹ گیا ہے۔

بہر نوع جب آپ نے دیکھا کہ کفار کا سر نوکِ نیزہ پر بلند کر لیا ہے تو آپ کی آنکھیں ابر بہاری کی طرح برسنے لگیں صحابہ کو یہ منظر بتا کر رُخ سوئے آسمان کیا اور عرض کیا بار الٰہا کفار کو جعفر پہ ہنسنے کا موقع نہ دے۔ ذاتِ احدیت نے دعا قبول فرمائی۔ زمرد کے سبز کے دو جسم جعفر میں لگے اور کفار کے دیکھتے ہی دیکھتے سوئے جنت پرواز کر گیا۔

آئیے عزادارو! عرض کریں آقا! آج اپنی کفار کے نیزے پہ جعفر کا سر نہ دیکھ سکے لیکن ۶۱ھ کے یوم عاشور آپ نے اپنے مہر نبوت کے سوار کا نازک جسم گھوڑے کے سموں میں پامال ہوتا ہوا کیسے برداشت کر لیا۔

جعفر کے جسم پر تو صرف نوے زخم تھے جبکہ حسین کے جسم نازنین پر چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ زخم تھے۔

شہادت جناب جعفر کے بعد آپ جناب جعفر کے گھر تشریف لائے، زوجہ جعفر جناب اسما، بنت عمیس سے فرمایا۔ اولاد جعفر کو میرے پاس لاؤ۔ جب بی بی لائیں آپ نے باری باری ایک ایک کو گود میں بٹھایا ان کے سروں پر دستِ شفقت پھیرا۔

جناب اسما نے عرض کیا آج تو ایسے سلوک فرما رہے ہیں جیسے یتیموں سے سلوک کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اسما، جعفر شہید ہو گیا ہے۔ شہادت سے پہلے جعفر کے دونوں بازو قلم ہوئے تھے۔ ذات احدیت نے جعفر کو ان کے قلم شدہ بازوؤں کے عوض دو پَر عنایت کئے ہیں جن سے وہ جنت میں پرواز کر رہا ہے۔

زوجہ جعفر نے گریہ کرنا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اسما، تجھے کس بات کا ڈر ہے انا ولیّھم فی الدنیا والآخرۃ۔ جعفر کے بچوں کا دنیا اور آخرت میں میں کفیل و ولی ہوں۔ آپ یتیمانِ جعفر کو اپنے ساتھ گھر لائے تین دن اپنے ہاں مہمان رکھا اور تین دن کے بعد انہیں رخصت فرمایا۔

عزادارو! آئیے عرض کریں آقا! کاش آپ عصر عاشور کو ایک لمحہ کے لئے کربلا بھی تشریف لاتے اور کم سن سکینہ کے سر پہ دستِ شفقت رکھتے اور دیکھتے کہ کس طرح خیام کو ہر طرف سے آگ نے گھیر رکھا تھا۔ آپ کی نواسیاں کس طرح عالم پریشانی میں ایک سے دوسرے خیمہ میں جمع ہو جاتی تھیں۔ پھر ملاعین کوفہ و شام نے کس طرح نیزوں سے چادریں اُتاریں اور کس بے دردی سے کمسن سکینہ کے کانوں سے گوشوارے اُتارے۔

۴۔ ایسے لوگ جن پر تمام کائنات مع خلاق عالم صلوات پڑھتے ہیں وہ افراد ہیں جو امور شرعیہ کے مسائل بتانے میں بخل نہ کریں اور نہ بداخلاقی کا مظاہرہ کریں۔

آنحضور سے مروی ہے کہ جو شخص میرے دین کا ایک مسئلہ سیکھے یا سکھائے خداوند عالم یوم حشر نور کا ایک ہزار ہار اس کے گلے میں ڈالے گا۔ ہزار گناہ

معاف ہوں گے۔ جنت میں سونے سے ایک ہزار شہر بنایا جائے گا اور اس کے جسم پر موجود ہر بال کے عوض اسے حج اور عمرہ کا ثواب دیا جائے گا۔

جناب سیدہ کی تعلیم :

امام عسکری سے مروی ہے کہ ایک عورت دختر رسول کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میری والدہ کو نماز میں اشتباہ ہو گیا ہے۔ اس نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ سیدۂ کائنات نے مسئلہ بتایا۔ وہ چلی گئی۔ پھر آئی اس نے اور مسئلہ پوچھا۔ بی بی نے بتایا وہ چلی گئی۔ اسی طرح وہ عورت دس مرتبہ آئی اور ہر مرتبہ مسئلہ بنا لے کر آئی بی بی بتاتی رہی دسویں مرتبہ اسے ذرا سی شرمندگی محسوس ہوئی اس نے بی بی سے معذرت کی۔ معلمۂ کونین نے فرمایا جو چاہے پوچھ اور جتنی مرتبہ چاہے پوچھ میں ہرگز نہیں گھبراؤں گی۔ تجھے کسی قسم کی معذرت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اگر کسی مزدور سے یہ کہا جائے کہ فلاں مکان کی چھت پر دن میں ہزار مرتبہ چڑھ اور اُتر تجھے دس ہزار اُجرت ملے گی وہ اجرت کے لالچ میں کبھی نہ تھکے گا اور نہ گھبرائے گا۔ اسی طرح مجھے اُمید ہے کہ تیرے ہر سوال کے صحیح جواب کے عوض اللہ کی طرف سے مجھے زمین سے عرش تک کا درمیانی خلا موتیوں سے پُر بطور اجرت ملے گا پھر میں کیسے گھبرا سکتی ہوں۔ میں نے اپنے پدر بزرگوار سے سُنا ہے کہ جب ہماری قوم شیعہ کے علماء محشور ہوں گے اور انہوں نے اپنی زندگی میں مقدور بھر ہمارے علوم کو نشر کر کے ہمارے شیعوں کی علمی اور دینی ضروریات پوری کی ہوں گی ہر عالم کو ذاتِ احدیت کی طرف سے نور کا ایک ایک حلہ بطور انعام خصوصی ملے گا اور انہیں ندا دی جائے گی۔ اے یتیمانِ آل محمد کی کفالت کرنے والو!

تم نے ہمارے دین کو حیاتِ جاودانی دی۔ تم نے ہمارے بے سہارا شیعوں کو اس وقت سہارا دیا جب وہ اپنے روحانی آبا سے دور تھے، اپنے ائمہ کی خدمت میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ تم لوگوں نے مدارس اور مجالس کے ذریعے علوم آل محمد ان بیچاروں تک پہنچائے۔ دنیا میں تم نے ان کو فضائل و معارفِ آلِ محمد سے آراستہ کئے رکھا۔ آخرت میں ہم تمہیں نورانی خلعات سے نوازتے ہیں۔ پھر ان علماء کے تمام شاگردوں کو ایک لاکھ تک خلعت ملے گی۔ ہر عالم اور متعلم اپنی علمی مقدار کے مطابق داخل جنت ہو گا۔ تمہیں کیا معلوم کہ علماء کو عطا ہونے والی خلعتوں کی کیا قدر و منزلت ہو گی۔ ان خلعتوں کے ایک تار کی چمک آفتاب و ماہتاب کو بے نور کر دے گی۔

۵۔ ایسے افراد جن پر تمام کائنات بشمول ذاتِ احدیت درود بھیجتی ہے وہ عزاداران غریب کربلا ہیں۔ صلی اللہ علی الباکین علی الحسین۔ اللہ غم شبیر میں رونے والوں پر رحمت نازل کرے۔ ذاتِ احدیت کی طرف سے ملائکہ کو حکم ملتا ہے کہ عزاداروں کے آنسو جمع کر کے جنت میں لاؤ۔ جب ملائکہ جنت میں لاتے ہیں تو انہیں حکم ملتا ہے اسے چشمۂ آب حیات میں ملا دو جب آب حیات میں عزاداروں کے آنسو شامل ہوتے ہیں تو اس کی لذت ذائقہ اور خوشبو میں وہ چند اضافہ ہو جاتا ہے اور دشمنان آل محمد کی آنکھوں سے گرنے والے آنسوؤں کو جہنم میں ڈالا جاتا ہے جس سے آتشِ جہنم کی حدت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

عزاداری ایک عمل ہے ایک مشن ہے اور ایک تحریک ہے اس میں ان پیاسوں کی یاد منائی جاتی ہے جنہیں دو بہتے دریاؤں کے مابین امت نبی نے

تین دن کا پیاسا شہید کر دیا۔ جب ۷۲ میں سے صرف سولہ بچ رہے۔ ان میں ایک غلام اور محافظوں کے سوا تمام بھتیجے۔ بھانجے اور بیٹے تھے۔ غریب کربلا نے اپنے چاروں طرف دیکھا آپ کو کوئی جاں نثار اور مخلص دوست نظر نہ آیا۔ آپ نے آہ سرد کھینچی۔ آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ تمام اقربا نے آپ کی آنکھوں میں آنسو کا مفہوم سمجھ لیا۔ اپنے اپنے گھوڑے سے اُترے اور آپ کے قدموں پہ گر گئے اور عرض کیا آقا! ہماری زندگی میں تو آپ نہ روئیں۔ ہم اپنے سر آپ کے قدموں کا نذرانہ لے کے آئے ہیں۔ ہم میں سے کسی میں زندگی کی کوئی خواہش نہیں ہے۔

آپ کے آنسو اور بڑھ گئے۔ آپ نے انہیں دعائے خیر سے یاد کیا۔ تمام جوانانِ بنی ہاشم نے ایک دوسرے کو گلے لگایا۔ ایک دوسرے کو الوداع کہی۔ جب غریب کربلا نے ان ہاشمی جوانوں کو ایک دوسرے کو گلے لگا لگا کر الوداع کرتے دیکھا۔ بیساختہ پکارے۔ واغربتاہ۔ ہائے سفر۔

واقلتہ ناصراہ ہائے انصار کی کمی

وامحمداہ۔ ہائے نانا

واعلیاہ۔ ہائے بابا

وافاطمتاہ۔ ہائے ماں

واجعفراہ۔ ہائے چچا جعفر

واحمزتاہ۔ ہائے دادا حمزہ

آپ کی یہ آواز سُن کر مخدرات عصمت در خیمہ پہ جمع ہو گئیں جب دیکھا کہ ایک طرف ان کے چاند سے بیٹے ایک دوسرے کو گلے لگا لگا کر الوداع کر رہے

ہیں اور دوسری طرف غریب زہرا کھڑے آنسو بہا رہے ہیں۔ بی بیاں مطلب سمجھ گئیں۔ خیام میں ماتم کا کہرام مچ گیا۔

ہاشمی نوجوان ایک ایک کر کے میدان میں جانے لگے اور مظلوم کربلا ایک ایک کو میدان سے اُٹھا کر لانے لگے۔ جب اولاد جعفر طیار کی باری آئی۔ جناب عبداللہ کے دونوں لخت جگر عون و محمد خیام سے باہر ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے۔ جب شہزادہ قاسم کی لاش کے ٹکڑے غریب کربلا اُٹھا کے لے آئے۔ دونوں بھائی خیام کے اندر آئے۔ اپنی ماں کے خیمہ میں گئے اور عرض کیا۔ ماں ہم اجازت لینے اور آخری سلام کرنے آئے ہیں۔

بی بی نے فرمایا۔ میرے بچو! تم نے بہت دیر کر دی ہے۔ تمہاری ماں کو تم سے یہ توقع نہ تھی۔ میں تو صبح سے انتظار کر رہی تھی۔ میں اس اُمید میں تھی کہ بی بی سے پہلے میں اپنے بالوں کو تمہارے خون سے خضاب کروں گی۔

دونوں شہزادوں نے آگے بڑھ کر ماں کے قدم چومے اور عرض کی۔ ماں ہم بھی آپ کی توقع کے مطابق صبح سے ماموں جان سے اجازت مانگ رہے ہیں لیکن انہوں نے ہمیں کمسن سمجھ کر اجازت نہیں دی۔ اب بھی خدا معلوم اجازت ملتی ہے یا نہیں؟

بی بی نے فرمایا۔ میرے بچو! مایوس نہ ہونا۔ اجازت مانگو اگر اجازت نہ ملے تو گھبرانا نہیں میرے پاس واپس آجانا میں اجازت دلوا دوں گی۔

دونوں شہزادے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے غریب نینوا کی خدمت میں آئے۔ سلام کیا اور دونوں قدموں میں بیٹھ گئے

مظلوم آقا نے دونوں کو اُٹھایا گلے لگایا اور پوچھا کیا بات ہے۔ کیا چاہتے ہو۔ دونوں نے عرض کی ہم نہ تو بھائی اکبر کا غم برداشت کر سکتے ہیں نہ بھائی جان قاسم کا فراق برداشت ہوتا ہے اور نہ خیام کی پیاس دیکھی جا سکتی ہے۔ ہم اپنے دادا اور نانا کے پاس جانا چاہتے ہیں۔

مولا نے فرمایا میرے بچو! تمہارا بوڑھا اور بیمار باپ مدینہ میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ تمہاری ماں مجھے روئے گی یا تمہارے غم میں آنسو بہائے گی جاؤ خیام میں آرام کرو۔ میں نہ تو تمہارے بابا کو غم دینا چاہتا ہوں اور نہ تمہاری ماں کو بے سہارا کرنا چاہتا ہوں۔

دونوں شہزادے خاموش آنسو بہاتے واپس پلٹے۔ ماں کے خیمہ میں آئے۔ دوڑ کر ماں کے گلے لگے اور عرض کیا۔ ماں مولا اجازت نہیں دے رہے۔ بی بی نے فرمایا۔ میرے بچو! گھبراؤ نہیں۔ آؤ میں تمہیں اپنے ہاتھ سے تیار کر کے لے جاتی ہوں۔ میرا مظلوم بھائی تمہیں اجازت دے دے گا۔ بی بی نے ایک صندوق کھولا اس میں سے دو کفن نکالے۔ دونوں بچوں کو کفن پہنائے۔ ایک کی پیشانی پر سینۂ اکبر سے اور دوسرے کے رخساروں پر لاشۂ قاسم سے سرخی لگائی۔ جناب فضہ سے فرمایا میرے پیاسے بھائی کو ایک مرتبہ خیام کے اندر لے آ۔ جب آپ اندر تشریف لائے بی بی نے محمد کو بائیں ہاتھ سے اور عون کو دائیں ہاتھ سے پکڑا۔ بھائی کے قریب لے گئے اور عرض کی۔

میرے غریب بھائی یہ بہن کی قلیل سی قربانی ہے اسے قبول کر لو۔ آپ نے بڑھ کے بہن کو گلے لگایا اور فرمایا۔ زینب کیا اکبر تیرا بیٹا نہیں تھا۔ کیا قاسم

تیرا بیٹا نہیں تھا۔ کیا میں تیری قربانی نہیں۔ بی بی نے عرض کیا۔ بھیا یہی تو یہ ہے کہ اکبر کو ام لیلیٰ نے اور قاسم کو ام فروہ نے پیش کیا ہے۔ آپ میرے ان دونوں بچوں کو اجازت دے دیں۔

آپ نے محمد کو اُٹھا کر گھوڑے پر بٹھایا اور فرمایا خدا حافظ میرے بچے۔ جب شہزادہ میدانِ کارزار میں گیا۔ فوج یزید پر حملہ کیا۔ فوج نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ عون سے نہ دیکھا گیا۔ ماں سے عرض کی۔ ماں خدا کے لئے مجھے ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار کرا دیجئے۔ میرا بھائی تنہا گھر گیا ہے۔ بی بی نے سوار کرا دیا۔ گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور محمد کے گرد گھیرا ڈالنے والوں پر حملہ کر دیا۔ جب محمد کے گرد سے فوج یزید ہٹی گھیرے سے باہر نکل کر وہیں سے عرض کی۔

میرے آقا، میرے مولا۔ میں آپ سے اجازت لئے بغیر ہی چلا آیا میں بھائی کو تنہا گھرا ہوا نہ دیکھ سکا۔ اب لِلّٰہ اپنے اس غلام کو اجازت مرحمت فرما دیجئے۔ پھر دونوں بھائیوں نے حملہ کیا۔ بالآخر زخمی ہوئے گھوڑوں پر نہ سنبھل سکے۔ زمین کربلا پر آئے اور دونوں یک وقت پکارے علیک السلام یا ابن رسول اللہ۔ فرزند رسول ہمارا آخری سلام

مولا اُٹھے سوئے میدان جانے لگے۔ بنتِ زہرا نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔ بھیا کہاں جاتے ہیں۔ فرمایا عون و محمد زمین پر آ گئے ہیں۔ عرض کیا۔ کیا ان کے لاشے خیام لائیں گے؟

فرمایا۔ ہاں ہر ہاشمی کو اُٹھا کے لایا ہوں انہیں بھی لے آؤں گا۔ بی بی نے عرض کیا حسین بھیا اولاً تو یہ دکھی بہن تیری تکلیف گوارا

نہیں کر سکتی تو فرزند زہرا ہے۔ میری خاطر تکلیف نہ اُٹھا۔ ثانیاً میں بھی آپ کی علی کی بیٹی ہوں۔ راہ خدا میں دی ہوئی چیز واپس نہیں لیتی اور ثالثاً جہاں اُترے ہیں وہاں سو رہیں گے۔ اِس وقت آپ میرے بیٹوں کے لاشے لانیکی مجھ پر ایک اور احسان کریں۔

بتا بہن کیا چاہتی ہے۔

بی بی نے عرض کیا جتنی دیر میرے بیٹوں کے لاشے لانے پر لگائیں گے اتنی دیر کے لئے بہن کو گلے لگا لو۔ مجھے شام جانا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ عون و محمد کو لے آؤں پھر دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کے گلے لگ کر رو دیں گے۔

آپ میدان میں آئے پہلے محمد کو پھر عون کو دونوں کو ایک ساتھ اُٹھایا۔ تمام بی بیاں درِ خیمہ پر استقبال کو آئیں لیکن بنتِ زہرا اپنے خیمہ میں بیٹھی رہیں۔

لیکن قبل ازیں ایک لاش کے لئے آپ خیمہ کے در پر نہیں بلکہ میدان میں آ گئی تھیں۔ حمید ابن مسلم سے مروی ہے کہ جب ہمشکل نبی سینہ پر ہاتھ رکھے گھوڑے سے زمین پر آیا اور اپنے بابا کا نام لے کر سلام کہا تو میں نے دیکھا کہ برقعہ میں مستور، منہ پر نقاب اوڑھے ایک مستور خیام سے باہر آئی اور ہائے بیٹا ہائے بیٹا کہتے ہوئے لاشۂ اکبر پر گر گئیں۔ بعد میں غریب کربلا آئے پہلے اس مستور کو اُٹھایا۔ خیام میں لائے پھر بیٹے کی لاش کو اُٹھا کر لے گئے۔ حمید کہتا ہے کہ میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ مستور کون تھی؟ اس نے کہا اگر حسین اسے خیام میں نہ پہنچاتا اور لاشہ اکبر کے اُٹھانے میں اس سے مدد حاصل کرتا لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ حسین نے جب اس مستور کو دیکھا تو اسے بیٹے کا لاشہ بھول گیا۔ پہلے مستور کو خیام میں پہنچایا پھر بیٹے کا لاشہ لے کر گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنے والی علی کی بڑی بیٹی ثانیٔ زہرا تھیں ÷

خاتمۂ کتاب
پندرہ نصیحتیں

۱

روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰ ایک صحرا میں تھے۔ انہیں بھوک نے ستایا۔ تلاش خوراک میں ادھر ادھر دیکھا تو ایک گڈریا نظر آیا۔ اس کے پاس گئے اور پوچھا:

تیرے پاس کھانے کو کچھ ہے؟

اس نے کہا۔ اللہ کریم ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا عصا ایک پتھر پر مارا وہ دو نیم ہو گیا۔ ایک حصہ سے پانی اور دوسرے سے دودھ بہہ نکلا۔

جناب موسیٰ نے جب سیر ہو کر پی لیا۔ تو رُخ سوئے آسمان کر کے عرض کیا بارِ الٰہا۔ مجھے اس کے حلیے سے تو کوئی ایسے آثار نظر نہیں آتے کہ یہ شخص صاحب کرامت ہو لیکن اپنے مشاہدہ کو جھٹلا بھی نہیں سکتا۔ اس کا وہ کونسا عمل ہے جس کی وجہ سے تو نے اسے اس کرامت سے نوازا ہے۔

ذاتِ احدیت کی طرف سے بذریعۂ وحی جناب موسیٰ کو جواب ملا کہ اس شخص میں ذیل کی پانچ خصوصیات ہیں انہی کی وجہ سے میں نے اسے یہ کرامات عنایت فرمائی ہیں۔

۱۔ میں نے اس کے دل کو کبھی اپنی یاد سے خالی نہیں دیکھا ۔

۲۔ اس کے دل میں میں نے حسد نہیں دیکھا ۔

۳۔ یہ شخص گناہ تو کرتا ہے لیکن گناہ پر اصرار نہیں کرتا ۔

۴۔ رزق کی ضرورت سے زیادہ فکر نہیں کرتا ۔

۵۔ اس کا دل ہر حال میں مجھ سے خائف رہتا ہے ۔

۲

حضرت علی سے مروی ہے کہ پانچ مقامات ایسے ہوتے ہیں جن میں دعا کو نہ بھولا کرو ۔ ان مقامات پر اللہ دعا قبول کر لیتا ہے ۔

۱۔ تلاوتِ قرآن کے وقت

۲۔ اذان و اقامت کے وقت

۳۔ بارانِ رحمت کے وقت

۴۔ مسلمانوں اور کافروں کے مابین جنگ کے وقت

۵۔ دعائے مظلوم کے وقت۔

۳

امام صادقؑ سے منقول ہے کہ مخلصانہ دوستی کے پانچ شرائط ہیں۔ جن دو دوستوں میں پانچوں ہوں گی ان کی دوستی میں خلوص ہوگا۔ اگر ان پانچ میں سے ایک بھی نہ ہوئی تو وہ خود غرضی ہوگی ۔

۱۔ ہر دوست ظاہر و باطن میں اپنے دوست سے متفق ہو۔

۲۔ ہر دوست دوست کے عیب کو اپنا عیب اور دوست کی خوبی کو اپنی خوبی سمجھے ۔

۳۔ اگر ایک دوست کو اقتدار یا دولت مل جائے تو دوسرے کو برابر کا حصہ دار سمجھے ۔

۴۔ جو چیز دوست کے بس میں ہو دوسرا اس سے مطالبہ کرے یا نہ کرے اگر اُسے ضرورت ہے تو وہ اسے پیش کر دے ۔

۵۔ دوست مصائب کے وقت تنہا چھوڑ کر چلا نہ جائے ۔

۴

حضرت علی سے منقول ہے کہ جہنم میں ایک چکی ہے جو ہر وقت گردش کرتی رہتی ہے۔ سوال کیا گیا سرکار وہ پیستی کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا پانچ قسم کے افراد اس میں پستے ہیں :

۱۔ فاجر علماء

۲۔ فاسق قاریٔ قرآن ۔

۳۔ ظالم حکمران ۔

۴۔ خائن وزراء ۔

۵۔ جھوٹے وزرا ۔

۵

آنحضور سے مروی ہے کہ اگر کسی کے پاس کھجور کے پانچ دانے۔ پانچ روٹیاں۔ پانچ درہم یا پانچ دینار ہوں تو ان کا راہ خدا میں پانچ مقامات میں سے کسی ایک مقام پر خرچ ہونا افضل ترین عمل ہے ۔

۱- والدین پر خرچ ہوں۔

۲- اپنی اور اپنے عیال کی ذات پر خرچ کئے جائیں۔

۳- اپنے محتاج اقربا پر خرچ ہوں۔

۴- اپنے ضرورتمند ہمسایوں پر صرف ہوں۔

۵- راہ خدا میں خرچ ہوں۔

۶

ذاتِ احدیت نے حضرت داؤد کو وحی فرمائی کہ میں نے پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں میں رکھا ہے لوگ انہیں دوسری چیزوں میں تلاش کرتے ہیں اس لئے کبھی انہیں حاصل نہ کر سکیں گے۔

۱- میں نے علم کو سختی اور بھوک میں رکھا ہے لوگ آرام اور شکم سیری میں تلاش کرتے ہیں۔

۲- میں نے عزت کو اپنی اطاعت میں رکھا ہے لوگ اسے حکمرانوں کی خدمت میں تلاش کرتے ہیں۔

۳- میں نے دولتمندی قناعت میں رکھی ہے لوگ اسے فضول خرچی میں تلاش کرتے ہیں۔

۴- میں نے اپنی رضا خواہشات کی نافرمانی میں رکھی ہے لوگ اسے اطاعتِ نفس میں تلاش کرتے ہیں۔

۵- میں نے دانشمندی تجربات میں رکھی ہے لوگ اسے تن آسانی میں تلاش کرتے ہیں۔

۷

کسریٰ کی لائبریری میں زبرجد کی ایک لوح ملی ہے اس پر ذیل کی پانچ سطریں تحریر ہیں:

۱- جس کی اولاد نہ ہو اس کے دل میں سکون نہیں ہوتا۔

۲- جس کا بھائی نہ ہو اس کا زور بازو نہیں ہوتا۔

۳- جس کے پاس دولت نہ ہو لوگوں میں اس کی عزت نہیں ہوتی۔

۴- جس کی بیوی نہ ہو اس کی زندگی خوشگوار نہیں ہوتی۔

۵- جس کے پاس مذکورہ چاروں نہ ہوں اسے کوئی فکر نہیں ہوتی۔

۸

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص دولت حاصل کرنا چاہتا ہے اسے پانچ چیزوں کا حامل بننا ہوگا۔

۱- کمینگی کی حد تک بخیل۔

۲- طویل امیدیں۔

۳- اخلاق پر غالب حرص۔

۴- قطع رحمی۔

۵- آخرت پر دنیا کو ترجیح۔

۹

امام صادق سے مروی ہے کہ جناب سجاد نے اپنے فرزند سے فرمایا تھا کہ بیٹے پانچ قسم کے افراد ایسے ہیں کہ۔ راستہ میں ان کا ساتھ نہ کر۔ محفل میں ان سے بات نہ کر اور ان سے دوستی نہ کر۔ امام باقر نے عرض کیا قبلہ وہ پانچ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا:

۱۔ جھوٹے کے ساتھ سے بچ۔ ایسا شخص سراب ہے جو قریب کو دُور اور دُور کو قریب کرتا ہے۔

۲۔ فاسق سے بچ۔ ایسے افراد ایک لقمہ سے بھی کم پر اپنے ساتھی کو فروخت کر دیتے ہیں۔

۳۔ بخیل سے بچ۔ یہ شخص تجھے اس وقت اپنے مال سے ذلیل کرے گا جب تو اس کا ضرورتمند ہو گا۔

۴۔ احمق سے بچ۔ اپنی طرف سے وہ تجھے فائدہ پہنچانا چاہے گا لیکن نتیجہ نقصان ہو گا۔

۵۔ قطع رحمی کرنے والے سے دُور رہ۔ قرآن میں تین مقامات پر اسے ملعون کہا گیا ہے۔

۱۰

جناب لقمان سے ان کے بیٹے نے عرض کیا کہ اگر انسان اپنے اندر ایک جامع صفت پیدا کرنا چاہے تو کون سی ہو۔ اگر دو صفات پیدا کرنا چاہے تو کون سی ہوں۔ اگر تین صفات اپنانا چاہے تو کون سی ہوں۔ اگر چار صفات اپنانا چاہے تو کون سی ہوں اور اگر پانچ اپنانا چاہے تو کون سی ہوں؟ آپ نے فرمایا۔

۱۔ دین

۲۔ دین۔ دولت۔

۳۔ دین۔ دولت۔ حیا

۴۔ دین۔ دولت۔ حیا۔ حسنِ خلق۔

۵۔ دین۔ دولت۔ حیا۔ حسن خلق۔ سخاوت۔

۱۱

دانشوروں کا کہنا ہے کہ غذا کی پانچ اقسام ہوتی ہیں اور ہر قسم کے اثرات جُدا ہوتے ہیں:

۱۔ غذائے حلال۔ دل میں خوشنودیٔ خالق کے حصول کا شوق پیدا کرتی ہے۔

۲۔ غذائے حرام۔ دل میں عداوت۔ زبان پر جھوٹ اور غیبت پیدا کرتی ہے۔

۳۔ غذائے مشتبہ۔ دل میں شک۔ زبان پر فضول گوئی اور ذہن میں اتباعِ خواہشات کو جنم دیتی ہے۔

۴۔ غذائے شہوت۔ دل میں طویل اُمیدیں اور زبان پر یاوہ گوئی کا سبب ہوتی ہے۔

۵۔ غذائے عادت۔ دل میں قناعت اور زبان پر حکیمانہ کلام کے اجراً کا سبب ہوتی ہے۔

۱۲

ابو سالم سے مروی ہے کہ میں نے آنحضور سے سُنا ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن سے میزانِ اعمال میں کوئی چیز وزنی نہیں ہو گی۔

۱۔ سبحان اللہ کا بکثرت ورد۔

۲۔ الحمد للہ کا تذکرہ۔

۳۔ لا الٰہ الا اللہ کا وظیفہ۔

۴۔ اللہ اکبر کا ذکر۔

۵۔ جوان بیٹے کی موت پر صبر۔

۱۳

حضرت علی سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ ذاتِ احدیت نے پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

۱۔ اطاعت کا نتیجہ عزت۔

۲۔ نافرمانی کا نتیجہ ذلت۔

۳۔ خالی شکم پڑھنے کا نتیجہ دانشمندی۔

۴۔ نماز کا نتیجہ ہیبت

۵۔ قناعت کا نتیجہ دولت۔

۱۴

آنحضور سے مروی ہے کہ پانچ افراد ایسے ہوتے ہیں جن کے مرجانے کے بعد بھی ان کا نامۂ اعمال کھلا رہتا ہے:

۱۔ درخت لگانے والا

۲۔ نہر کھودنے والا

۳۔ مسجد بنانے والا

۴۔ قرآن لکھنے والا۔

۵۔ اولاد صالح والا۔

۱۵

امام صادق سے مروی ہے کہ آنحضور کے پاس کچھ قیدی لائے گئے۔ آپ نے فرمایا۔ فلاں ایک کے سوا بقیہ تمام کو سزائے موت دیدو۔ اس ایک نے پوچھا کہ۔ حضور! مجھے ان سے جدا کیوں فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا جبرئیل نے مجھے

اطلاع دی ہے کہ تجھ میں پانچ قابلِ قدر صفات موجود ہیں اس لئے تیرے قتل کا حکم نہیں دیا۔ اس نے عرض کیا ذرا میں بھی تو سنوں کہ جبرئیل نے آپ کو کیا بتایا ہے۔ آپ نے فرمایا جبرئیل نے مجھے بتایا ہے کہ تو

۱۔ غیور ہے۔

۲۔ سخی ہے۔

۳۔ خوش عادات ہے۔

۴۔ راست گو ہے۔ اور

۵۔ بہادر ہے۔

اس نے عرض کیا واقعاً آپ رسولِ حق ہیں۔ اسی وقت اس نے کلمۂ توحید و رسالت پڑھ لیا۔

★

یوں تو دنیا میں بہت کچھ جلا اور جلایا گیا ہوگا لیکن تاریخ میں پانچ مقامات ایسے ہیں کہ جب آگ نے جلایا تو کائنات عالم کے ہر ذرّہ نے آنسو بہائے۔

۱

آتشِ نمرود جو خلیل خدا کو جلانے کی خاطر روشن کی گئی تھی۔ آپ کے سات اعضائے سجدہ کو زنجیروں میں جکڑا گیا۔ جب منجنیق میں بٹھایا گیا تو کائنات عالم کے ہر ذرّہ نے چیخ کر عرض کیا۔ بارِ الٰہا! روئے ارض پر تیرا ایک ہی تو خلیل ہے اور وہ بھی آگ میں جلایا جا رہا ہے۔

۲

آتشِ فرعون جو مومن آل فرعون جناب حزقیل کی بیوی کو جلانے کی خاطر

روشن کی گئی تھی۔ یہ مومنہ عورت فرعون کے محل میں مشاطہ تھی۔ ایک دن اس کے ہاتھ سے کنگھی چھوٹ کر زمین پر گری۔ بے ساختہ اس کے منہ سے بسم اللہ نکل گیا۔ جس کو کنگھی کر رہی تھی۔ اس نے پوچھا کیا فرعون رب کا نام لیا ہے؟ اس نے کہا میں نے تو اس کا نام لیا ہے جو مع فرعون کے تمام کائنات کا خالق ہے۔

اس نے کہا۔ ٹھہر ذرا فرعون کو آلینے دے۔ میں اسے بتاؤں گی تو کھاتی ہمارا ہے اور معبود کسی اور کو سمجھتی ہے۔ اس مومنہ نے کہا۔ بیشک تو فرعون کو بتا دے۔ میں جس کا کھاتی ہوں اسی کا نام بھی لیتی ہوں۔

جب فرعون محل میں داخل ہوا تو اس بدنصیب نے فرعون کو بتا دیا۔ فرعون غصہ سے پاگل ہو گیا۔ اس نے اسی وقت اس مومنہ کو مع اس کی اولاد کے بلوا لیا

فرعون نے پوچھا۔ تیرا پروردگار کون ہے؟

مومنہ نے کہا۔ تیرا اور میرا پروردگار رب العالمین ہے۔

فرعون نے تندور جلانے کا حکم دیا۔ تانبے کا تندور لایا گیا اور آگ روشن کر دی گئی۔ جب اس مخلصہ خدا پرست نے فرعون کے عزائم دیکھے تو انتہائی اطمینان سے کہا:

فرعون میں دیکھ رہی ہوں جس طرح میں توحید پر پختہ یقین رکھتی ہوں اسی طرح تو مجھے میرے بچوں سمیت جلا دینے کا پختہ ارادہ کر چکا ہے۔

فرعون نے کہا تو نے درست سمجھا ہے۔

اس بی بی نے کہا۔ فرعون تجھے معلوم ہے کہ میں ایک عرصہ سے تیرے محل میں مزدوری کر رہی ہوں۔

فرعون نے کہا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔

اس مخدرہ نے کہا۔ مزدوری کے علاوہ میرا حق خدمت بھی ہے۔

فرعون نے کہا۔ بالکل ہے۔

اس پاکباز عورت نے اس حق خدمت کے عوض ایک درخواست کرتی ہوں اگر مان لے؟

فرعون نے کہا: بتا کیا مانگتی ہے میں ضرور خدمت کا حق ادا کروں گا۔

اس نیک سیرت عورت نے کہا۔ میری صرف اتنی درخواست ہے کہ جب میں اپنے بچوں کے ساتھ جل جاؤں تو ہماری راکھ اور ہڈیوں کو جمع کر کے زمین میں دفن کرا دینا۔

فرعون نے کہا۔ تیری اس درخواست پر عمل کیا جائے گا۔

اس کے بعد ماں کے سامنے ایک ایک بچے کو پکڑ کر تندور میں ڈالا جانے لگا۔ ماں دیکھتی رہی اور بچے جلتے رہے۔ جب آخری بچہ رہ گیا جسے اس مومنہ نے سینے سے لگا رکھا، شیر خوار تھا۔ فرعون نے غلام کو حکم دیا۔ یہ بچہ لے لے اور تندور میں ڈال دے اس مومنہ نے بچے کا بوسہ لیا۔ اپنے دونوں ہاتھوں پر رکھ کر جلاد کے حوالہ کیا اور سوئے آسمان رُخ کر کے عرض کیا۔ بارِ الٰہا گواہ رہنا۔

جلاد نے بچہ لیا اور تندور میں ڈالنا چاہا کہ قدرت نے اس کمسن شیر خوار کو قوت گویائی سے نوازا۔ بچے نے ماں سے مخاطب ہو کر کہا:

اماں جان! فرعون کے اس ظلم پر صبر کرنا تو حق پر ہے۔

اس کے بعد بچے کو تندور میں ڈال دیا گیا۔ سب سے آخر میں اس مومنہ کو اٹھا کر تندور میں ڈال دیا گیا۔

محترم قارئین شیر خوار بچہ انسان کا ہو یا حیوان کا کسی بھی مذہب میں

اس پر سختی اور تشدد ناجائز ہوتا ہے۔

اگر تاریخ انسانیت میں بچے پر ترس نہیں کیا گیا تو صرف دو ہی بچے ہیں ایک یہی جناب حزقیل کا شیر خوار بچہ جسے ماں کے سامنے شعلے اگلتے ہوئے تندور میں ڈال دیا گیا اور دوسرا فرعون ثانی کا تیر انداز حرملہ تھا جس نے اُم رباب کے شیر خوار بچے کو تیر سے ذبح کیا۔

۳

اصحاب اخدود کی آگ سے جو بخت نصر کے بیٹے مہرویہ نے جلائی تھی، بخت نصر کے بعد جب اس کا بیٹا مہرویہ حکمران بنا تو اس نے جناب دانیال کی گرفتاری کا حکم دیا۔ جناب دانیال کے ساتھ آپ کے تمام شیعوں کو بھی گرفتار کروا لیا۔ پھر اس نے ایک کنواں کھودنے کا حکم دیا۔ جب کافی گہرا کنواں کھد گیا تو جناب دانیال اور آپ کے تمام شیعوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کنوئیں میں ڈال دیا گیا اور اوپر آگ جلا دی گئی۔

۴

جب سرور انبیاء اس دار فانی کو چھوڑ کر چلے گئے تو حضرت عمر اپنے غلاموں سے لکڑیاں اٹھوا کر بنت رسول کے دروازے پر لائے اور آگ لگوا دی۔

۵

جب جبرئیل نے ارض و سما کے مابین الا قد قتل الحسین کی ندا دی۔ ابھی بی بیاں اس آواز کو سن کر سنبھل نہ پائی تھیں کہ عمر سعد نے حکم دیا کہ پہلے خیام کو لوٹ لیا جائے پھر ہر طرف سے آگ لگا دی جائے۔ بچوں اور مستورات کو باہر نکالنے کی ضرورت نہیں ہے اگر کوئی باہر آنا چاہے تو منع نہ کرو۔ اگر کوئی اندر رہ جائے تو فکر نہ کرو۔

اہل قبور سے خطاب

اے قبروں میں سونے والے بوڑھے اور جوانو ہمارا سلام ہو — اپنے اقربا اور احباب کو چھوڑ کر اس جگہ آنے والو ہمارا سلام — برادری اور دوستوں سے ہجرت کر کے آنے والو ہمارا سلام — دولت اور وسائل سے محرومو ہمارا سلام — مٹی کا تکیہ بنانے والو ہمارا سلام — ویران جگہ کے باسیو ہمارا سلام — بدلی ہوئی صورتوں والو ہمارا سلام — مٹی پر چہرے رکھنے والو ہمارا سلام — کہنہ گھروں میں رہنے والو ہمارا سلام — مٹے ہوئے نشانات والو ہمارا سلام — اللہ کی آپ پر رحمت ہو۔ ویسے اب وہ وقت یاد تو آتا ہوگا۔ جب آپ اپنی طاقت اور جوانی کے نشے میں مخمور تھے۔ لہو و لعب کی محفلوں سے تمہیں فرصت نہ ملتی تھی۔ زندگی اور عمر دراز کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ موت اور فنا کی تمہیں فکر ہی نہیں تھی۔ محلات اور عالیشان مکانات میں شب و روز گزارتے تھے۔ پری پیکر عورتوں سے کھیلا کرتے تھے۔ ہر دن روز سکون اور ہر رات شب برات ہوتی تھی — مگر اب مجبور ہو کر ان گھروں کو چھوڑ چکے ہو۔ قبر کی تنگ و تاریک جگہ میں رہنے پر مجبور کئے گئے ہو — منوں مٹی تلے پڑے ہو — لوگوں کو نظر نہیں آتے — حاسدوں کے دل ٹھنڈے ہو چکے ہیں — احباب کو چھوڑ گئے — آج مٹی تلے ہے کوئی جو تمہارا ہمنشین ہو — آج تنہا کیسے پڑے ہو — مٹی کس طرح تمہارے جسم کو کھا گئی ہے۔ تمہارے بدن سے کیڑے پیدا ہو گئے — گوشت اور چمڑا کیا ہوا — سرمئی آنکھوں کا پانی کیوں بہہ گیا — یہ تمہارے جوڑ الگ الگ کیوں ہو گئے — دائیں اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں کیا

ہوئیں ــــ

مُردوں کا سوال

اہل وعیال اور طویل امیدوں کو چھوڑ کر آنے والو! اگر تم سوال کرنا چاہتے کہ تمہارے بعد کیا ہوا تو لو سُنو تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارے بعد کیا ہوا۔ ہونا کیا تھا وہی ہوا جو تمہاری موجودگی میں مرنے والوں کے بعد ہوا کرتا تھا۔ یعنی ــــ تمہارے گھر تمہارے بغیر بھی آباد ہیں ــــ تمہاری بیواؤں نے اور شوہر تلاش کر لئے ہیں ــــ تمہاری جائیدادیں تقسیم کر لی گئی ہیں ــــ جن بچوں کے لئے تم نے رات کی نیند اور دن کا سکون غارت کر رکھا تھا در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں ــــ تمہاری بیویاں اور دوست تمہیں بھول چکے ہیں ــــ تمہارے ہم پیالہ اور اقرباء تمہارا نام تک نہیں لیتے ــــ کسی دوست کے دل میں بھی تمہاری یاد نہیں آتی ــــ

مُردوں کا جواب

او بندۂ خدا ہم نے آپ کی تمام باتیں سن لی ہیں۔ اب ہمارا جواب بھی سُن لے۔ اور اچھی طرح یاد رکھ لے ــــ ہم اپنے کئے پر پشیمان ہیں ــــ ہم تاریک کوٹھڑیوں کے باسی ہیں ــــ ہمیں موت نے حیرت انگیز طور پر پچھاڑا ہے ــــ ہمیں ہمارے انہوں نے وحشتناک تاریکی کے سپرد کیا ہے ــــ ہمیں قبروں میں تنہا چھوڑ کے چلے گئے ــــ ہمارے گھروں کی چھت چند اینٹوں سے بنائی گئی ہے ــــ ہمیں لحد میں دائیں جانب لٹا دیا گیا ہے ــــ ہمارے حسین اور نازک

رخساروں کو مٹی پر رکھ دیا گیا ہے ــــ ہمارے بھائی اور بیٹے بلا سلام کیے ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ــــ اور ہمیں ملائکہ کے سوال و جواب کے لئے تنہا کر گئے۔ ــــ ملائکہ آئے اور پوچھ پاچھ کر چلے گئے ــــ پھر کیڑوں نے یلغار کی اور ہمارے گوشت پوست کو چٹ کر گئے ــــ ہماری شکلیں بدل گئیں ــــ ہماری صبح شام تنہائی میں بسر ہوتی ہے۔ ہم ہیبتناک حالت میں ہیں ــــ خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ قبرستان میں ہم بڑی بڑی دھمکیاں بھی سنتے ہیں اور بڑی بڑی بشارتیں بھی سنتے ہیں۔ کسی قطعہ سے آواز آتی ہے ــــ میں تاریک گھر میں ہوں ــــ میں مصائب کی آماجگاہ ہوں ــــ میں مشکلات کا گھر ہوں ــــ میں سفر کی منزل ہوں ــــ میں تنہائی کا مقام ہوں ــــ میں وحشت کی جگہ ہوں ــــ میں سانپوں بچھوؤں اور کیڑوں کا گڑھ ہوں۔ اللہ کے نافرمانوں کے لئے میں زنداں ہوں ــــ میں آگ کا گڑھا ہوں ــــ اور کسی ٹکڑے سے آواز آتی ہے ــــ میں سکون کا گہوارہ ہوں ــــ میں نعمات کا مرکز ہوں ــــ میں غفور و رحیم اللہ کے عابدوں کے لئے امن ہوں۔ میں متقین کے لئے مسرت ہوں ــــ روئے ارض کا ہر ٹکڑا یہ صدا دیتا ہے ــــ اے دنیا کے ظاہر سے دھوکا کھانے والو کیا اپنے مرے ہوئے ان افراد سے عبرت نہیں کرتے جنہیں تم نے اپنے ہاتھوں سے دفن کیا ہے؟ ــــ کیا دیکھ نہیں رہا کہ وہ لوگ دنیا کے لئے کیسے حریص تھے؟ ــــ کیا دیکھتے نہیں کہ انہوں نے کتنی دولت جمع کی تھی اور کتنی طویل اُمیدیں رکھتے تھے؟ پھر جمع شدہ سب چھوڑ گئے۔ اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ آج وہ مجبور ہیں۔ ذلیل و رسوا ہیں۔ کیا تو ان کے متروکہ اعمال کو بجا نہیں لائے گا؟ بھائیوں دوستوں اور پڑوسیوں

کے بعد رہ جانے والے کچھ سوچ۔ اپنے انجام کی فکر کر — تیرے بھی گنتی کے دن رہ گئے ہیں — ہمارے پاس آنے والا ہے — اپنے حسین چہرے کی آب و تاب کو محفوظ رکھنے کی فکر کر — تیرے ساتھ بھی وہی کچھ ہوگا جو ہمارے ساتھ ہو چکا ہے — قبر کی تاریکی تیرے انتظار میں ہے اور نکیرین تیری راہ دیکھ رہے ہیں — تیرا جسم بھی ہماری طرح کیڑوں کی نذر ہو جائے گا — ہم نے اپنے حالات تجھے آگاہ کر دیا ہے ۔ اب تیری مرضی ۔

غافل نفس سے

اس وقت کی فکر کر جب کچھ بن نہ پڑے گا ۔ اور تو چیخ چیخ کر کہے گا ہائے سفر لمبا ہے ۔ زاد کم ہے — اس رسوائی سے بچ جب تیرے پلے کچھ نہ ہوگا — اس آگ سے بچ جو دل اور جگر کو جلا کر کباب کر دے گی ۔ اس آگ سے بچ جس میں رحم نہیں ۔

حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ آنحضور کی خدمت میں ایک یہودی آیا اور بڑی ناگواری سے دیکھنے لگا ۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا ۔ محمد مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تو موسیٰ سے کیسے افضل ہے ! جبکہ موسیٰ سے اللہ نے براہ راست کلام کیا ۔ موسیٰ کے لئے اللہ نے دریا میں شگاف ڈالا ۔ موسیٰ کو اللہ نے ید بیضا دیا ۔ موسیٰ پر اللہ نے بادل کا سایہ کیا ۔ آپ نے فرمایا ۔ میں ویسے ہی خود ستائی کو اچھا نہیں سمجھتا لیکن تیرے وسواس کو دور

کرنے کی خاطر تجھے اتنا بتا دوں کہ آدم کی توبہ محمد و آل محمد کا واسطہ دینے سے قبول ہوئی تھی ۔ نوح کی کشتی گرداب بلا سے محمد و آل محمد کا واسطہ دینے سے نجات یافتہ ہوئی تھی ۔ خلیل خدا پہ آگ محمد و آل محمد کا واسطہ دینے سے گلزار ہوئی تھی اور موسیٰ سے سانپ کا خوف محمد و آل محمد کا واسطہ دینے سے زائل ہوا تھا ۔ اگر آج خود حضرت موسیٰ ہوتے اور میری نبوت کا کلمہ پڑھ کر میری امت میں داخل نہ ہوتے تو انہیں ان کی نبوت کوئی فائدہ نہ دیتی ۔ حضرت عیسیٰ میری ذریت سے بارہویں امام ۔ امام مہدی کی اقتداء میں نماز بھی پڑھے گا اور اس کی نصرت بھی کرے گا ۔

اضافۂ کتاب

ضمیمہ

پانچ بہنوں کا بھائیوں کی خاطر سفر

پہلی بہن : جناب دینہ خاتون ہمشیرۂ حضرت یوسفؑ

دوسری بہن : جناب ام کلثوم ہمشیرۂ حضرت موسیٰؑ

تیسری بہن : جناب صفیہ ہمشیرۂ حضرت امیر حمزہؓ

چوتھی بہن : جناب زینب عالیہ ہمشیرۂ حضرت امام حسینؑ

پانچویں بہن : جناب فاطمہؑ المعروف معصومہ قم ہمشیرۂ امام علی رضا علیہ السلام

پہلی بہن

جناب دینا خاتون دختر حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یوسف بن یعقوب ایک ایسے نبی ہیں جنہیں خداوند عالم نے خواب میں نبوت کی بشارت دی تھی۔ اس وقت آپ کا سن مبارک بارہ برس کا تھا کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اور ایک نورِ عظیم ظاہر ہوا جس سے سارا جہان روشن ہو گیا۔ اور دریا موجیں مارتا ہے اور مچھلیاں طرح طرح کی زبان میں تسبیح کرتی ہیں، اور اپنے آپ کو ایک بلند پہاڑ پر کھڑے ہوئے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ ایک نورانی پوشاک پہنائی گئی جس سے سب چیزیں مجھ پہ آشکارا ہو گئیں۔ زمین کے خزانے کی کنجیاں میرے سامنے لاکر رکھی گئیں۔ پھر سورج چاند اور گیارہ ستاروں نے میرے سامنے سجدہ کیا۔ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ نورِ عظیم سے مراد سلطنت کا حاصل ہوتا ہے۔ نورانی پوشاک سے نبوت مراد ہے۔ سورج سے حضرت یعقوب والد ماجد یوسف مراد ہیں۔ اس خواب کو آپ نے صرف حضرت یعقوب سے بیان کیا۔ چونکہ حضرت یعقوب نبی تھے تعبیر خواب جانتے بنابریں آپ جناب یوسف کو بہت عزیز رکھتے تھے۔

حضرت یعقوب نے دو شادی کی تھیں۔ خداوند عالم نے آپ کو ان کی پہلی بیوی سے چھ بیٹے عطا کئے اور حضرت یعقوب کی دوسری بیوی سے دو لڑکے اور

ایک دختر پیدا ہوئی۔ یعنی دو بیٹے بن یامین اور یوسف اور ایک بیٹی دینا تھی ایک کنیز سے بھی اولاد ہوئی اس طرح جناب یعقوب کے بارہ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔

چونکہ بن یامین حضرت یوسف کے حقیقی بھائی اور دینا حقیقی بہن تھی۔ بنابریں ان تینوں میں آپس میں بہت پیار و محبت تھی اور دینا اپنی نگاہوں سے حضرت یوسف کو جُدا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک روز یوسف کے دوسرے دس بھائیوں نے اپنے باپ یعقوب سے خواہش ظاہر کی کہ وہ بغرض سیر و شکار یوسف کو اپنے ہمراہ لے جائیں مگر جناب یعقوب نے اولاً تو اجازت دینے سے انکار کیا اور جب بیٹوں نے اصرار کیا تو اجازت دے دی مگر ان بھائیوں نے حضرت یوسف کے ساتھ دغا کی اور اُن کو ایک ایسے کنوئیں میں ڈال دیا کہ جو اندھا کنواں مشہور تھا۔ اور یوسف کا کُرتہ خود آلود کر کے باپ کے پاس آئے اور کہا کہ یوسف کو تو بھیڑیا کھا گیا۔ یہ سن کر جناب یعقوب کو بہت زیادہ صدمہ ہوا اور اس قدر فراقِ یوسف میں روئے کہ روتے روتے بینائی متاثر ہوئی۔ آنکھیں سفید ہو گئیں۔ خدا کی شان ایک قافلہ کا گزر ہوا اور اس کنوئیں سے یوسف کو نکالا۔

حضرت یوسف بہت حسین تھے۔ نورِ نبوت نے ان کے حسن میں اور بھی زیادہ تابناکی پیدا کر دی۔ قافلہ والوں میں یہ طے پایا کہ انہیں غلام بنا کر فروخت کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یوسف کو عزیز مصر نے خرید لیا۔ اس کے بعد جناب یوسف پر ناپاک ارادہ کا الزام لگایا جس کی بریت میں ایک شیر خوار بچے نے بحکم خدا گویا ہو کر گواہی اور یوسف پاک دامن ہوئے اور پھر

جناب یوسف کو وہ اقتدار حاصل ہوا کہ خود مصر کے بادشاہ ہوئے۔ اس سلسلہ میں برس گزر گئے تھے۔ حضرت یعقوب اور ان کی بیٹی دینا جو یوسف کی ہمشیرہ تھی زیارت یوسف کے لئے ازحد بے چین تھے۔ دینا روزانہ اپنے بھائی کو یاد کرتی تھی آخر وہ وقت پردۂ غیب سے نمودار ہوا کہ یوسف کے بھائی وغیرہ مصر گئے تاکہ کچھ غلہ حاصل کریں۔ دوسری مرتبہ پھر گئے تو اپنے ہمراہ بن یامین کو بھی لے گئے جو یوسف کے حقیقی بھائی تھے۔ دینا نے اپنے پدر عالی قدر یعقوب کی خدمت میں کہا کہ باباجان آپ دیکھتے ہیں کہ بھائی یوسف کو جدا ہوئے کتنا عرصہ گزر گیا آپ مجھے اجازت دیں کہ بھائی بن یامین کے ہمراہ میں بھی جاؤں۔ جناب یعقوب نے اجازت دی اور جب یہ قافلہ کنعان سے کہ جہاں حضرت یعقوب رہتے تھے جانب مصر روانہ ہوا تو اس قافلہ میں بھی ہمشیرہ جناب یوسف بھی شامل تھیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہن کو بھائی سے کس قدر محبت ہوتی ہے اور جس بہن کا بھائی ہونے والا نبی ہو۔ خداوند عالم نے اس کو نبوت و حکومت عطا کی ہو۔ اور اس کی نبوت و حکومت کی گواہی یعقوب جیسے نبی محترم نے دی ہو اس کی کس قدر محبت ہو گی۔ میں بوجہ طوالت وہ تمام واقعات چھوڑتا ہوں کہ کس طرح مصر پہنچ کر ان کے دوسرے بھائی اور بن یامین یوسف سے اس وقت ملے کہ جب جناب یوسف بادشاہ مصر تھے۔ یہ قافلہ حضرت یعقوب کی قیادت میں داخل مصر ہوا۔ اس قافلہ میں افراد خاندان تھے اور ان کی تعداد بہتر تھی۔ جس قدر مسرت انگیز منظر ہو گا کہ جب حضرت یعقوب اپنے نور دیدہ یوسف سے ملے ہوں گے۔ آپ کی بیٹی دینا کو کس قدر خوشی محسوس ہوئی ہو گی کہ ایک عرصہ کے بعد بھائی کی زیارت کی۔ دوستو! خوشی کے موقعہ پر بھی آنسو نکل آتے ہیں لیکن

اس بہن کے دل پہ کیا گزری ہو گی کہ جب مدینہ سے بنی ہاشم نے امام حسین کے ساتھ ہجرت کی اور سفر عراق اختیار کیا۔ مجھے اس وقت جناب فاطمہ صغریٰ یاد آتی ہیں روایت ہے کہ جب مدینہ میں یہ خبر پھیلی کہ حسین مدینہ چھوڑ رہے ہیں زنان مدینہ گھروں سے باہر نکل پڑیں۔ عورات بنی ہاشم جمع ہوئیں اور شور گریہ و بکا بلند کیا۔ حسین نہ جائیے۔ نانا کا روضہ سونا ہو جائے گا۔ ماں کی قبر پہ کون شمع روشن کرے گا۔ ام المومنین ام سلمہؓ اپنے حجرہ سے نکلیں۔ سر پر چادر، بگرد زمین پر خط دے رہی تھیں بے تابانہ حسینؑ کے پاس آئیں اور کہا ـــ نور دیدۂ رسولِ خدا ہمیں عزم سفر عراق سے محزون و ملول نہ کریں۔ میں نے تمہارے نانا رسول خدا سے سُنا ہے کہ میرا فرزند حسین زمین عراق پر اہل کفر و نفاق کی تلوار سے شہید ہو گا۔ نرغۂ اعداء ہو گا یادر و انصار مارے جائیں گے۔ اہلِ حرم اسیر ہوں گے اے حسینؑ تم سفر عراق اختیار نہ کرو۔ مجھے وسواس آتے ہیں۔ امام حسینؑ نے جواباً فرمایا کہ اے نانی اماں مجھے کوئی چارہ بجز جانے کے نہیں ہے اور مشیتِ الٰہی یہی ہے کہ شہید کیا جاؤں۔ اس وقت تمام عورتیں رو رہی تھیں۔ جناب زینب وام کلثوم کو زنانِ بنی ہاشم نے روتے ہوئے رخصت کیا وہ وقت تھا کہ اہل حرم عماریوں میں سوار ہوں کہ حسینؑ کی پیاری بیٹی جن کا نام فاطمہ صغریٰ آئیں اور روتے ہوئے عرض کیا باباجان بھیا علی اکبر بھی جا رہے ہیں۔ چچا عباس بھی جا رہے ہیں سارے بھائی ساتھ ہی پھوپی زینب اور پھوپھی ام کلثوم ساتھ ہیں مگر مجھے کس پہ چھوڑے جاتے ہیں۔ امام حسینؑ نے تسلی دی تلقین صبر کی اور فرمایا کہ اے فاطمہ صغریٰ صبر کرو تمہارا نام اسیران کربلا میں نہیں ہے۔ فاطمہ صغریٰ ہر ایک بی بی سے ملیں۔ روایت ہے کہ سب سے آخر میں

آپ نے شہزادہ علی اصغر کو گود میں لیا خوب پیار کیا لیکن علی اصغر کو گود سے جدا کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ آخر کار یہ طے پایا کہ علی اصغر جس کی گود میں خوشی سے چلے جائیں۔ میں پھر علی اصغر کو نہیں روکوں گی۔ امام حسین آگے بڑھے اور شہزادہ علی اصغر کے کان میں کچھ کہا علی اصغر نے بہن کی گود چھوڑ دی اور ام رباب کی گود میں آگئے۔ ہائے افسوس کہ دینا اپنے بھائی یوسف سے ملی مگر یوسف کربلا شہزادہ علی اکبر اور شہزادہ علی اصغر سے ان کی بہن فاطمہ صغرا نہ مل سکی۔ دینا نے بھائی کی ملاقات کے لئے سفر اختیار کیا مگر فاطمہ صغری برابر انتظار کرتی رہی کہ کب سفر عراق سے علی اکبر آئیں یا علی اصغر آئیں اور زیارت نصیب ہو۔

الا لعنة الله علی القوم الظالمین ٥

دوسری بہن

جناب ام کلثوم بنت عمران یعنی خواہر جناب موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسول ہیں آپ کا لقب کلیم اللہ ہے آپ کی پیدائش کے وقت فرعون کی حکومت تھی۔ فرعون اپنے آپ کو خدا کہلاتا تھا۔ اس نے مصر کی سرزمین میں بہت سر اٹھا رکھا تھا اور اس زمانہ کے لوگ کئی گروہ میں بٹ گئے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ بنی اسرائیل کا تھا اور فرعون بنی اسرائیل کا سخت دشمن تھا وہ ان کے بیٹوں کو قتل کراتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نجومیوں نے فرعون سے یہ کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہونے والا ہے جو جوان ہو کر تیری حکومت سے بنی اسرائیل کو آزاد کرائے گا۔ فرعون بظاہر خدا ہونے کا دعویدار تھا مگر علم نجوم میں نجومیوں کا محتاج تھا۔ خود ساختہ کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ علم میں دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ فرعون نے نجومیوں کی اس پیشگوئی کی بنا پر ہزاروں بچے قتل کر ڈالے۔ مگر خدا کے ارادے کو کون روک سکتا ہے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس وقت جناب موسیٰ کی — والدہ کو یہ خوف ہوا کہ یہ مولود اپنی فطرت کے مطابق روئے گا تو لوگ آواز سن لیں اور پھر فرعون کو خبر ہو گی تو وہ اس کو قتل کرادے گا۔

خداوند عالم نے مادر موسیٰ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ قرآن مجید کی

سورۃ القصص آیت ۷ میں ہے وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ج فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ج اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ یعنی اور ہم نے مادرِ موسیٰ کی طرف یہ وحی بھیجی کہ تم اس کو دودھ پلالو۔ پھر جب اس کی نسبت تم کو کوئی خوف ہو تو اس کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو۔ اور اس پر تم کچھ نہ ڈرنا۔ اور نہ ہی کڑھنا۔ تم مطمئن رہو ہم اس کو پھر تمہارے پاس پہنچا دیں گے۔ اور اس کو اپنا رسول بنائیں گے۔

اس مقام پر چند چیزیں واضح ہوتی ہیں اولاً یہ کہ نبی کی ماں نظرِ خدا میں اس قدر محترم و مقدس ہوتی ہے کہ خداوندِ عالم اس پر وحی بھی نازل کر دیتا ہے دوسرے یہ کہ نبی کی ماں کا ایمان اس قدر مستحکم و مضبوط ہوتا ہے کہ اس پر حزن بھی طاری نہیں ہوتا۔ غرضکہ اس وحی ربانی کے بعد مادرِ موسیٰ نے حزقیل بن صبور سے جو فرعون کا چچازاد یا ماموں زاد بھائی تھا اور لکڑی کا کام کرتا تھا پانچ بالشت کا ایک چوبی صندوق بنوایا۔ اس نے صندوق بنوانے کی وجہ دریافت کی اور زیادہ اصرار کیا تو مادرِ موسیٰ نے اس پر ظاہر کر دیا کہ میرے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ حزقیل نے مکان پر نشان دے کر فرعون کے موکلوں کو خبر دینی چاہی تو اس کی زبان گونگی ہو گئی اور اس کے اشاروں کو لوگوں نے سمجھا نہیں۔ آخر کار اس کو فرعون کے دربار سے نکال دیا گیا۔ جب دکان پر آیا تو پھر زبان کھل گئی۔ اس نے پھر فرعون کے درباریوں کو خبر دینا چاہی خدا کی شان کہ پھر زبان بند ہو گئی اور اندھا بھی ہو گیا اور پھر نکالا گیا۔ اس کے بعد اس نے سچے دل سے عہد کر لیا کہ اگر اب کی دفعہ

اچھا ہو جاؤں تو اس پر ایمان لاؤں۔ غرض کہ وہ اچھا ہو گیا اور سب سے پہلے حضرت موسیٰ پر ایمان لایا۔ اور واپس آکر مادرِ موسیٰ سے سارا قصّہ بیان کیا اور اس نے صندوق بنا کر دیا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ بظاہر جناب موسیٰ ابھی رسول نہیں ہوئے تھے مگر آثارِ نبوت ضرور ظاہر ہو رہے تھے۔ پھر حزقیل اس قدر راسخ الایمان ہوئے کہ مرتے دم تک مومن رہے اور ان کو مومن آلِ فرعون کہتے ہیں۔

جب حزقیل نے چوبی صندوق بنا کر دیا اور جناب مادرِ موسیٰ نے اس صندوق میں بچہ کو رکھا اور صندوق اچھی طرح بند کر دیا اور دریا میں ڈال دیا صندوق دریا میں بہنے لگا۔ وہ لوگ ذرا نبی کی معرفت حاصل کریں اگر موسیٰ ہم جیسے نبی ہوتے تو صندوق میں زندہ نہ رہتے۔ مگر ہوا کے بند ہونے کے باوجود زندہ رہے۔ جب مادرِ موسیٰ نے صندوق دریا میں ڈالا۔ اور آپ نے اپنی بیٹی ام کلثوم سے کہا کہ تم اس کے پیچھے (الگ چلی جاؤ) ام کلثوم خواہر جناب موسیٰ دریا کے کنارے چلتی رہیں صندوق پانی پر تیرتا رہا۔ اور یہ دیکھتی رہیں لوگوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی کیسی صابرہ بہن تھیں کہ چہرے سے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ صندوق میں میرا بھائی بند ہے۔ دل میں بھائی کی محبت لئے ہوئے تھیں کہ انہوں نے دیکھا کہ صندوق بہتے بہتے فرعون کے محل کے نزدیک پہنچا وہاں پر ہوا خوری کے لئے آسیہ زنِ فرعون جو مومنہ تھیں۔ موجود تھیں۔ خدمتگاروں کو حکم دیا کہ صندوق دریا سے باہر نکالیں۔ صندوق نکالا گیا۔ صندوق کھولا گیا دیکھا کہ ایک خوبصورت بچہ صندوق میں ہے۔ جناب آسیہ کی فرمائش پر فرعون نے موسیٰ کو پرورش کیا۔ اور خدا کی شان موسیٰ نے کسی دودھ پلانے والی عورت کی

چھاتی سے مُنہ نہیں لگایا۔ ام کلثوم بھی کسی نہ کسی طرح ان عورتوں میں پہنچ گئیں کہنے لگیں کہ میں تمہیں ایک گھرانے کا پتہ دیتی ہوں کہ وہ تمہاری خاطر سے اس بچے کی پرورش کر دیں گے۔ غرضکہ مادرِ موسیٰ کو بلایا گیا۔ کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ مادرِ مولود ہیں۔ جب آپ پہنچیں اور موسیٰ کو گود میں لیا اور دودھ پلانے لگیں تو جناب موسیٰ نے فوراً چھاتی سے منہ لگایا۔ فرعون نے پوچھا تو کون ہے۔ اس بچہ نے تیری طرف کیوں رغبت کی۔ وہ بولیں کہ میں ایک خوشبو، پاکیزہ خو اور پسندیدہ تن عورت ہوں۔ میرا دودھ زیادہ شیریں اور لذیذ ہے یہی وجہ ہے کہ جس بچہ کو میرے پاس لاؤ وہ فوراً دودھ پینے لگتا ہے۔ غرضکہ فرعون نے مادرِ موسیٰ کی تنخواہ مقرر کر دی اور وہ بچے کو لے کر گھر آ گئیں اور ہر ہفتہ اس کو فرعون کے گھر لاتی تھیں۔

ام کلثوم خواہر جناب موسیٰ نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ حق رفاقت ادا کیا۔ صندوق دریا میں بہہ رہا تھا اور ام کلثوم ساحلِ دریا پر ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ لیکن میں عرض کروں گا کہ پھر ایک وقت آیا کہ ام کلثوم اپنے بھائی موسیٰ سے ملیں مجھے اس وقت جناب زینب و جناب ام کلثوم یاد آتی ہیں ابن قولویہ نے بسندِ معتبر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے عراق کا سفر اختیار کیا اور یہ خبر مدینہ والوں نے سُنی تو ایک کہرام مچ گیا۔ عورات بنی ہاشم جمع ہوئیں اور صدائے نوحہ و شیون بلند ہوئی اور کہا اے ہمارے آقا و مولا آپ مدینہ سے نہ جائیے۔ ماں کی قبر بے چراغ ہو جائے گی۔ نانا کا روضہ سُونا ہو جائے گا۔ امام حسین نے صبر کی تلقین کی۔ فرمایا کہ مشیتِ خدا میں یہ ہی گزرا ہے میں سفر کربلا اختیار کروں - زنانِ

بنی ہاشم نے کہا اے حسین آج کا دن ایسا ہے کہ رسول نے گویا دنیا سے انتقال کیا یہ دن ایسا ہے کہ فاطمہ دنیا سے رخصت ہوئیں۔ یہ دن ایسا ہے کہ علی مرتضیٰ نے شہادت پائی۔ یہ دن ایسا ہے کہ حسن مجتبےٰ کے جنازہ پر تیر برسے۔ اے حسین! تم تو بزرگوں کی نشانی ہو۔ اس وقت ام المومنین بی بی سلمہ نے کہا کہ سفر عراق اختیار نہ کرو۔ میں نے تمہارے جدّ بزرگوار سے سُنا ہے کہ میرا فرزند حسین زمین عراق پر جورِ اہل نفاق سے شہید ہو گا۔ اس زمین کا نام کربلا ہے۔ امام حسین نے فرمایا کہ اے مادرِ محترم میں بھی جانتا ہوں۔ مگر مشیتِ الٰہی کے سامنے مجبور ہوں۔ میں شہید ہوں گا اور میرے اہلِ حرم اسیر بلا و محن ہوں گے۔ اس وقت حسین نے آپ کو باعجاز امامت کربلا کا وہ منظر دکھلایا کہ جب آپ شہید ہوئے ہیں۔ اس وقت زنانِ بنی ہاشم میں صدائے نالہ و شیون بلند تھی۔ کہ جناب محمد حنفیہ آئے اور کہا اے برادر عالی قدر مجھ پر لازم ہے کہ جس امر میں آپ کی خیر ہو وہ عرض کروں۔ اور میں کیونکر عرض نہ کروں آپ کو خدا نے بزرگی عطا کی ہے۔ آپ جوانانِ جنت کے سردار ہیں ہمارے امام ہیں۔ آپ کی اطاعت سب پر واجب ہے میں آپ کے حق میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ بیعت یزید لعین سے کنارہ کشی کرتے ہوئے جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نکل جائیے۔ اور لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دیجیے۔ سفر عراق اختیار نہ کیجیے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ وہاں شہید ہو جائیں اور اہل حرم اسیر ہوں۔ امام حسین نے فرمایا کہ کہاں جاؤں کے شہروں اعدائے دین میرے خون کے پیاسے ہیں۔ میری شہادت کی خبر میرے نانا نے دی ہے۔ اس پر جناب محمد حنفیہ نے کہا کہ اے برادر اگر سفر عراق اختیار ہی کرنا ہے تو اہل حرم اور زینب و اُم کلثوم کو ساتھ نہ لے جائیے۔ پس جیسے ہی جناب زینب و ام کلثوم

نے یہ سُنا فرمایا کہ اے بھیا تم زینب کو حسین سے جُدا کرنا چاہتے ہو۔ اے بھیا جہاں حسین جائیں گے زینب حسین کے ساتھ ساتھ جائے گی۔ میری ماں نے فرمایا تھا کہ اے زینب حسین کا ساتھ دینا۔ ۶۰ اداردو۔ جناب زینب شریکِ سفرِ عراق رہیں۔ امام حسین نے کربلا میں ورود فرمایا۔ حکم دیا کہ اس سرزمین پر خیمے نصب کئے جائیں۔ خیام امام حسین نصب ہوئے۔ جناب زینب خاتون نے خیمہ میں قدم رکھا ہی تھا کہ صحرا کی طرف سے ایک بگولہ اُٹھا اور اس کی گرد اس خیمہ پر پڑی اور چادرِ زینب پر گرد پڑی آپ کو وسواس ہوا کہ یہ نیک شگون نہیں ہے۔ خدا میری چادر کی خیر کرے۔ فضہ سے فرمایا کہ حسین کو بلا کر لاؤ۔ امام حسین سے فضہ نے کہا کہ زینب خاتون آپ کو بلاتی ہیں۔ امام تشریف لائے، زینب خاتون نے فرمایا کہ بھیاّ ابھی خیمہ میں قدم رکھا ہی تھا کہ صحرا سے ایک بگولہ اُٹھا اور میری چادر پر اس کی گرد پڑی۔ بھیاّ دل میں وسواس پیدا ہوتے ہیں کسی اور جگہ قیام کرو۔ آپ نے بہن کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا اے بہن یہ ہماری آخری منزل ہے۔ ہمارا اسلام ہو اس پاک بی بی پر جو مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا تک حسین کے ساتھ ہم سفر رہیں۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

تیسری بہن

جناب صفیہ دختر حضرت عبد المطلب

جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح سے مدینہ کے یہودیوں کے سینہ میں آتشِ حسد بھڑک اُٹھی۔ اور انہوں نے مشرکین و کفارِ مکہ کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا جس کے نتیجہ میں جنگِ اُحد ماہ شوال ۳ھ میں واقع ہوئی۔ جنگ اُحد مدینہ کے قریب ایک پہاڑ کے دامن میں واقع ہوئی۔ مسلمانوں کو اولاً اس جنگ میں فتح ہوئی لیکن مسلمان جب مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے تو دشمن کی فوج نے پہاڑ کے ایک درّہ سے نکل کر حملہ کرنا شروع کیا اور مسلمانوں کے قدم میدانِ جنگ سے اُکھڑ گئے۔

روضۃ الاحباب اور حبیب السیر وغیرہ میں ہے کہ ابن سراقہ نے کفار قریش کی ہمت اور دل بڑھانے کے لئے اور مسلمانوں کو شکستہ دل کرنے کے لئے یہ چال چلی کہ ایک بلندی پر جا کر یہ آواز دی کہ قد قتل محمدؐ کہ محمد قتل ہو گئے۔ اس وقت مسلمان بدحواس ہو گئے لیکن حضرت علی اور جناب امیر حمزہ اور بروایتے آٹھ اشخاص جنگ میں مصروف رہے۔ اور آنحضرت نے حضرت علی کو آواز دی کہ اے علی اس گروہ کو قتل کرو۔ حضرت علی مصروفِ قتال رہے۔ اس وقت آپ کی تلوار ٹوٹ گئی تو جبرئیل امین ذوالفقار لے کر نازل ہوئے۔

ملک نے ذوالفقار نبی کو دی اور نبی نے وہ تلوار علی مرتضیٰ کو دی اور حضرت علی مصروف پیکار ہوئے۔ اس وقت ہاتفِ غیبی نے ندا دی ؎

لا سیف الا ذوالفقار لا فتیٰ الا علیؑ

تاریخ کامل ابن اثیر جزری میں ہے کہ اس جنگ میں حضرت امیر حمزہ نے بھی بڑا اقتال کیا۔ قریش کے لشکر میں موت کا بازار گرم کر دیا۔ ایک نبرد آزما ان کے مقابلے میں آتا اور امیر حمزہ کی تلوار سے گلے ملتا اور داخلِ جہنم ہوتا۔ جب قریش کے نبرد آزما مارے گئے تو اُن کے لشکر میں ہراس پھیل گیا۔ اس وقت ہندہ زوجۂ ابوسفیان نے خاص طور سے اپنے غلام وحشی کو مقرر کیا وہ نیزہ بازی میں بہت مشہور تھا اور اس کا نیزہ خالی نہیں جاتا تھا۔ اس نے کمین گاہ میں سے نکل کر حضرت حمزہ پر نیزہ کا وار کیا اور نیزہ آپ کے سینہ میں پیوست ہو گیا اور آپ زمین پر گرے اور روح جنت اعلیٰ کو پرواز کر گئی۔ ہندہ زوجۂ ابوسفیان اور اس کی ساتھ والی عورتوں نے حضرت حمزہ علیہ السلام اور دیگر شہدائے اسلام کو مثلہ کیا اور خصوصاً ہندہ نے آپ کے جگر کو نکال کر چبانا چاہا لیکن بعدہٗ اس کو اُگل دیا۔ جب حضرت حمزہ علیہ السلام کے قتل ہونے کی خبر مدینہ میں پہنچی تو زنانِ بنی ہاشم میں کہرام برپا ہو گیا۔ ہم اس واقعہ کو بعد میں تحریر کریں گے اولاً اتنا تحریر کرنا ضروری ہے کہ جب آنحضرت جنگ کے خاتمہ پر مدینہ واپس پہنچے تو آپ نے زنان بنی عبدالاشہل کا رونا سُنا جو اپنے مقتولین پر رو رہی تھیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ افسوس حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں۔ یہ سُن کر سعد بن معاذ زنانِ بنی عبدالاشہل کے پاس گئے اور ان کو در نبی پر لائے اور ان عورتوں نے حضرت حمزہ پر نوحہ و بکا کیا جس نے آنحضرت نے

ان عورتوں کے لئے دعا کی اور فرمایا کہ خدا تم سے راضی ہوا۔ اور ان کو ان کے گھر واپس کر دیا پھر انصار میں سے کوئی گھر ایسا نہ تھا کہ جہاں امیر حمزہ پر نوحہ و ماتم نہ ہوا ہو۔ جناب حمزہ جنگ بدر اور احد کے شہیدوں میں سب سے ممتاز شہید ہیں۔ اس زمانے کے سید الشہداء ہیں۔ آنحضرت نے خود بھی حمزہ کے لئے گریہ و بکا فرمایا۔ زنانِ انصار نے نوحہ و ماتم کیا۔ یہ تمام باتیں مسلمانوں کی کتابوں میں موجود ہیں۔ معلوم نہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام جو قیامت کے شہیدوں کے سردار ہیں۔ مظلوم شہید کئے گئے ہیں ان پر نوحہ و ماتم کو مسلمان کیوں جائز نہیں سمجھتے۔

چوتھی بہن

جناب زینب دختر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

قسّام ازل نے جب فطرت انسانی کو محبت ودیعت کی تو دُنیا کی بہنوں کو اپنے بھائیوں سے محبت کرنے کا جذبہ فراواں عطا ہوا ہے لیکن جب ہم زنانِ عالم پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زینب کبریٰ بنتِ علی ابن ابی طالب علیہ السلام بہن بھائی کی محبت میں اپنی مثال آپ ہیں ۔ دنیا میں نہ زینب خاتون جیسی بہن ہوگی اور نہ حسین جیسا بھائی۔ کربلا میں وارد ہونے کے بعد خیمہ کے اندر امام حسین تلوار صیقل کر رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے یا دھر اُفٍّ لک یا خلیل۔ جناب زینب نے یہ کلام سُنا تو فرمایا کہ برادرِمن یہ شعر تو ایسے شخص کے معلوم ہوتے ہیں جس کو اپنے قتل کا یقین ہو۔ امام حسین نے فرمایا بہن زینب ایسا ہی ہے ۔جناب زینب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے مگر حسین سے جو محبت تھی اس میں تابنا کی اور زیادہ پیدا ہوگئی اور امام حسین علیہ السلام حضرت زینب کے خداداد مرتبہ و منزلت کے تحت فرمایا کرتے تھے ۔ کہ اے بہن تم تو اماں فاطمہ کی یادگار ہو ۔

جناب زینب —— زینب کیا ہیں ۔ سیدہ ہیں ۔ عالمۂ غیر معلمہ ہیں طاہرہ ہیں ۔ زکیّہ ہیں ۔ رسالت و امامت کی تربیت یافتہ ہیں اور آغوشِ عصمت میں پرورش پانے کے بعد تمام پاک و پاکیزہ زنانِ عالم کی سیّدہ و سردار ہیں ۔

آپ کی ولادت کے وقت آنحضور سفر میں تھے ۔ جب واپس تشریف لائے تو جناب سیدہ نے درخواست کی کہ بابا جان اس بچی کا نام تجویز فرمائیے ۔ آپ نے بچی کو گود میں لیا ۔ اپنے سینہ سے لگایا پیار کیا ۔ ماتھے اور آنکھوں پر بوسہ دیا ۔ پھر کھجور لے کر اپنے منہ میں چبایا اور اس کا لعاب بچی کے منہ میں ڈالا اور فرمایا کہ میں اس بچی کا نام زینب رکھتا ہوں ۔ لیکن آنحضرتؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے گریہ ضبط نہ کر سکے ۔ سببِ گریہ پوچھا تو فرمایا کہ اس پر بہت زیادہ مصائب پڑیں گے ۔

انسانی فطرت کچھ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ بیٹی کو ماں اور بھائیوں کے ساتھ ایک خاص طرح کی گہری محبت و وابستگی ہوتی ہے ۔ بی بی زینب خاتون کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ ہر قسم کی سختی اپنی جان پر آجائے مگر بہن بھائی پر کوئی سختی و تکلیف نہ آنے پائے ۔ واقعہ کربلا تک کم و بیش پچاس برس کی طولانی عمر تک غیر معمولی صدمات پیش آئے مگر زینبؑ خاتون نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا ۔ مدینہ سے کربلا تک حضرت زینب امام حسینؑ کے شریکِ سفر رہیں روایات میں ہے کہ یزیدؑ نے معاویہ کے مرنے کے دوسرے دن ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا کہ حسینؑ ابن علیؑ سے میری بیعت لے اور اگر وہ بیعت سے انکار کریں تو ان کو قتل کر۔ جب یہ نامہ ولید کے پاس پہنچا اس وقت مروان بن الحکم سے مشورہ کیا ۔ اس شقی نے یزیدؑ کے خط پر عمل کرنے کو کہا ۔ ولید بن عتبہ نے امام حسینؑ کو بلایا ۔ امام حسینؑ تشریف لے گئے دیکھا کہ ولید کے پاس مروان بیٹھا ہے ۔ ولید تعظیم بجا لایا ۔ خبرِ مرگِ معاویہ حضرت سے بیان کی امام حسینؑ

نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ پھر ولید نے یزیدؑ لعین کا خط پڑھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں یہ سمجھتا ہوں کی مجھ سے پوشیدہ طریقہ پر بیعت کرنے پر تم لوگ راضی نہ ہوگے لہٰذا اس معاملہ کو کل صبح پر ملتوی کیا جائے کہ سب لوگ ہمارے موقف سے آگاہ ہوجائیں۔ ولید نے کہا بہت اچھا۔ خداحافظ آپ تشریف لے جائیے پھر مجمع مردم میں آپ سے ملاقات ہوگی۔ مروان لعین نے کہا اے ولید اگر حسینؑ چلے گئے تو ہرگز بیعت نہ کریں گے ۔ ابھی بیعت لے یا ان کا سر کاٹ کر یزید کو بھیج دے ۔ امام حسینؑ اس کلام سے غضبناک ہوگئے اور فرمایا کہ اے فرزند ناکار بھلا تو یا وہ مجھے قتل کرسکے گا اور ولید سے فرمایا کہ تو جانتا ہے کہ ہم معدن نبوت و رسالت ہیں۔ ہم یزید ایسے فاسق و فاجر کی بیعت ہرگز نہیں کرسکتے ۔ یہ فرما کر امام حسینؑ گھر واپس تشریف لے آئے اور عازم سفر عراق ہوئے ۔

جب امام حسینؑ کے سفر عراق کی خبر مدینہ میں پھیلنی شروع ہوئی تو عورات مدینہ اپنے گھروں سے نکل پڑیں اور صدائے گریہ و بکا بلند ہوئی ۔ مخدّرات بنی ہاشم جمع ہوئیں اور نالہ و بیقراری کرتے ہوئے کہا کہ حسینؑ تم چلے جاؤ گے تو نانا کا روضہ سونا ہوجائے گا۔ ہم بیکسوں کو تنہا اور دشمنوں میں چھوڑ رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ دن ایسا ہے کہ جس دن حضرت رسول خدا نے رحلت فرمائی جس دن حضرت امیرالمومنینؑ کے سر مبارک پر ضربت لگی ۔ امام حسینؑ کی پھوپی آگے بڑھیں اور کہا اے فرزند میں گواہی دیتی ہوں کہ اس وقت میں نے سنا جنات تم پر نوحہ کرکے کہہ رہے ہیں۔

اس وقت ایک کہرام برپا تھا۔ بروایتے محمد حنفیہ اور عبداللہ ابن عباس

نے امام حسینؑ سے کہا کہ اگر عراق کا سفر کرنا ہے تو زینب و ام کلثومؑ کو اپنے ہمراہ نہ لے جائیں جب جناب زینبؑ نے باتیں سُنی تو فرمایا ابن عباس زینبؑ حسینؑ کو نہیں چھوڑے گی۔ میں جہاں حسین جائیں گے۔ ساتھ ساتھ رہوں گی۔

غرضکہ امام حسینؑ مع اہل حرم مدینہ سے نکلے اور اول مکہ پہنچے مگر چونکہ حالات سازگار نہ تھے۔ خیال کیا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ خانہ کعبہ میں شہید کردیں۔ حج کو عمرہ سے بدلا اور وارد کربلا ہوئے۔ زینبؑ خاتون منزل بمنزل حالات کا جائزہ لے رہی تھیں کہ محرم کی نویں شب حضرت امام حسین علیہ السّلام اور عمر بن سعد کے درمیان صلح کی گفتگو ہوئی جو ناکام رہی ۔ امام حسینؑ جب خیمہ میں واپس آئے دیکھا کہ زینب خاتون صحن خیمہ میں پریشانی کے عالم میں کھڑی ہیں ۔ اور چہرے سے آثار غم ہویدا ہیں ۔ امام حسین نے دریافت کیا بہن کیا سوچ رہی ہو بی بی زینبؑ نے فرمایا بھیا میں یہ سوچ رہی ہوں کہ اب جنگ ہوگی یا صلح ۔ امام حسینؑ نے فرمایا بھیّا اگر تم چاہتی ہو تو میں صلح کئے لیتا ہوں ۔ بی بی زینبؑ خاتون نے فرمایا: بھیّا یہ تو بتلائیے کہ انجام صلح کیا ہوگا ۔ حضرت نے فرمایا کہ نانا کا دین مٹ جائے گا۔ تمام انبیاء و مرسلین کی محنتیں ضائع ہوجائیں گی۔ کوئی خدا و رسُول کا کلمہ پڑھنے والا نہ رہے گا ۔ یہ سُن کر جناب زینبؑ نے زبان سے تو کچھ نہ فرمایا بلکہ اپنی کلائی سے چادر کا کونا ہٹایا اور کہا اے بھیا اس کلائی میں بھی وہی خونِ علیؑ و فاطمہؑ ہے جو تمہارے بازوں میں ہے بھیّا زینبؑ نہیں چاہتی کہ صلح کرلی جائے اے بھیا آؤ ہم اور تم کام بانٹ لیں تم مقتل سے شہیدوں کے لاشے لانا میں خیمہ میں شہیدوں پر نوحہ کروں گی۔ تم علی اکبرؑ کا لاشہ لانا میں خیمہ میں لاشہ پر ماتم کروں گی ۔ اے بھیّا تم نہر سے خالی علم لانا

لانا میں عباس علمدار کا ماتم کروں گی ۔

واقعاتِ کربلا میں رنگ بھرا دونوں نے
ابتدا شبیرؑ نے کی انتہا زینبؑ نے کی

قربانی کے میدان میں بھی جناب زینبؑ کسی سے کم نہ رہیں ۔ دونوں بیٹوں کو رَن کی اجازت دی ۔ ماں کی آرزو تھی کہ بیٹوں کو دولہا بنا ہوا دیکھے غرضکہ مرنے کے لئے دولہا بنایا ؎

آخر انہیں زینبؑ نے وہ پوشاک پہنائی
آگے ہی سے جو بیاہ کی خاطر تھی بنائی
منہ دوسرے بھائی کا لگا دیکھنے بھائی
ماں گرد پھری اور سخن لب پہ یہ لائی
روؤں گی ۔ مگر شاد بھی اس آن تو ہو لوں
پروان چڑھے ۔ آؤ میں قربان تو ہو لوں

چہرے کی بلائیں تو مجھے لینے دو واری
پھر کاہے کو شکلیں نظر آئیں گی تمہاری
اس وقت تو بیٹوں پہ بھی رقت ہوئی طاری
سر رکھ دیا مادر کے قدم پہ کئی باری
ماں شاد تھی پر غم کے بھی پہلو نکل آئے
چاہا کہ نہ روؤں مگر آنسو نکل آئے

مدینہ سے لے کر کربلا تک ۔ کربلا سے لے کر شام تک اور شام سے مدینہ تک اور پھر شام .... منزل شام پہ پہنچ کر شمع حیات

زینب خاتون گل ہوگئی ۔ مگر پورا واقعۂ کربلا زینبؑ خاتون کی روئیداد حیات ہے ۔

لاکھوں درود و سلام ہوں اس پاک بی بی پر کہ جو حفاظت اسلام کے فریضہ کو ادا کر کے شریکۃ الحسین بنی ۔

پانچویں بہن

جناب فاطمۂ دختر امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام

خانوادۂ نبوت میں اکثر ایسی عورتیں ملیں گی جو کہ مراتبِ عالیہ پر فائزہ ہیں۔ عفت و پاکیزگی ان کا زیور ہے حجاب و پرہیز گاری ان کی چادر ہے۔ اسی خانوادہ میں بہن بھائی کی محبت تمام عورات عالم کے لئے مثالی ہے۔ ہم چار بہنوں کا ذکر کر چکے ہیں کہ جنہیں اپنے بھائی سے بے مثال محبت تھی اور جب بھائی جُدا ہوا تو بہن نے بھائی کی زیارت کے لئے سفر قبول کیا۔ ایک بی بی جناب فاطمہ دختر حضرت امام موسیٰ کاظم بھی ہیں جنہیں اپنے بھائی حضرت حضرت امام علی الرضا علیہ السلام سے بے حد محبت تھی۔ بھائی بھی وہ کہ جو امام برحق، حجتِ خدا ہے۔ اس کی محبت جزو ایمان ہے۔ بسند معتبر جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میرے فرزندوں میں سے ایک فرزند خراسان میں زہر ظلم وستم سے شہید ہوگا اور اس کا نام مثل میرے نام کے ہوگا۔ یعنی "علی" نام ہوگا۔ اور باپ اس کا ہمنام موسیٰ بن عمران ہوگا جو کوئی اس کی اُس غربت کے عالم میں زیارت کرے گا خداوند عالم اس کو بخش دے گا۔ اور اس پر خداوند عالم بہشت واجب کرتا ہے۔ یہیں سے اندازہ فرمائیے کہ جب قبرِ امام رضا علیہ السلام کی زیارت یہ مرتبہ رکھتی ہے تو آنجناب کی ان کی حیات میں زیارت کرنا کس قدر موجبِ ثواب آخرت

ہوگا اور اس حالت میں جبکہ کوئی شخص ان کو اپنا امام مانتا ہو اور ان کے حق کی معرفت رکھتا ہو تو بلا شک وشبہ اس مومن کا آپ کی زیارت کے لئے سفر اختیار کرنا ہر گام پہ موجب ثواب ہے۔

روایت ہے کہ جب اطراف ممالک حجاز و یمن میں آثار بغاوت نمایاں ہوئے تو مامون رشید نے اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے یہ چال چلی کہ امام رضا علیہ السلام کو مدینہ سے طلب کیا اور چند مخصوص لوگوں کو امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ بھیجا کہ وہ امام علیہ السلام کو اپنے ہمراہ خراسان لائیں وہ لوگ خدمتِ امام میں حاضر ہوئے اور مامون رشید کا پیغام پہنچایا اوّلاً تو امام رضا علیہ السلام نے ان سے بہت زیادہ انکار کیا لیکن بالآخر آپ سفر خراسان پر عازم ہوئے۔ جب اہل حرم کو اس سفرِ زحمت اثر کا حال معلوم ہوا تو سب پریشان ہوگئے۔ نوحہ وزاری شروع کی۔ لیکن امام رضا علیہ السلام نے سب کو تلقین صبر کی۔ اور سب سے رخصت ہوئے پھر رخصتِ آخر کے لئے نانا کے روضہ پر اور جنت البقیع تشریف لے گئے اور سب سے رخصت ہوئے لیکن یہ حال تھا کہ کسی روضہ پہ جاتے اور واپس آتے پھر جاتے اور واپس آتے چشم پُرنم کے ساتھ روضہ سے جدا ہوئے اور یہ کلمات زبان پہ جاری تھے کہ میں اس سفر میں نانا کے روضہ مبارکہ سے دور ہوتا ہوں۔ سب کو رخصت کیا اور روانۂ سفر خراسان ہوئے۔ ابو الصلت ہروی خادم ہمرکاب تھا۔ غرضکہ امام رضا علیہ السلام طوس پہنچے اور ادھر آپ کی خواہر (بہن) جناب فاطمہ کو جو معصومۂ قم کے نام سے مشہور و معروف ہیں فراق برادر میں ازحد پریشان تھیں۔ جانتی تھیں کہ خلفاء بنی عباس ساداتِ فاطمیہ کے باطنی طور پر دشمن

ہیں مبادا امام رضاؑ کی شہادت کا باعث نہ ہوں ایک عرصۂ دراز کے بعد معصومۂ قم نے سفر خراسان اختیار کیا۔ خدام و کنیزان ہمراہ لیں۔ سفر اختیار کیا۔ یہ سفر بہن نے بھائی کی زیارت کے لئے اختیار کیا خدا بہتر جانتا ہے کہ جناب فاطمہؑ نے یہ سفر کیونکر طے کیا۔ دورہ دراز سفر، راہ کی تکالیف امام رضاؑ کی خاطر برداشت کیں منزل بمنزل سفر طے کرتے ہوئے شہر قم میں داخل ہوئیں۔ قم کے لوگوں کو اطلاع ملی کہ دختر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے بھائی امام رضاؑ کی زیارت کے لئے تشریف لائی ہیں۔ تمام مرد و زن گھروں سے استقبال معصومہؑ کے لئے نکل پڑے۔ جب تمام مرد و زن استقبال کے لئے جمع ہوگئے۔ یہ لوگ سیاہ لباس پہنے ہوئے تھے اور سیاہ پرچم کھلے ہوئے تھے۔ برہنہ سر تھے۔ کیونکہ جب معصومہ قم وارد ہوئیں اس سے پہلے امام رضا علیہ السلام شہادت پا چکے تھے۔ پورا شہر قم، بلکہ پورا خراسان ماتم دار تھا۔ معصومۂ قم کی سواری داخل شہر قم ہوئی لوگوں نے درود و سلام کے ساتھ استقبال کیا۔ جب عماری سے پردہ اٹھایا تو معصومۂ قم نے دیکھا کہ تمام لوگ سیاہ لباس میں ہیں۔ دریافت فرمایا کہ تم لوگ سیاہ لباس کیوں پہنے ہو میرے بھائی علی الرضاؑ تو بخیریت ہیں۔ آپ کی دریافت کر رہی ہیں مگر کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ مسافرہ مدینہ سے یہ کہہ دے کہ امام رضاؑ شہید ہوگئے۔ آخر کار بزرگانِ قم آگے بڑھے اور کہا واحسرتا ہم بے امام ہوگئے۔ ہمارے امام علی الرضاؑ کو زہر سے شہید کر دیا گیا۔ بس جیسے ہی جناب فاطمہؑ نے یہ سنا کہ رضاؑ شہید ہوگئے ناقہ سے گریں بے ہوش ہوگئیں۔ اور اسی عالم میں رحلت فرمائی اور اب معصومہؑ کا مزار اقدس قم میں مرکز زیارت بنا ہوا ہے۔ میں بڑے ادب سے

جناب فاطمہؑ سے سوال کرتا ہوں کہ اے پاک بی بی آپ اپنے بھائی کی خبر شہادت نہ سن سکیں آئیے آئیے ذرا کربلا میں آپ کی جدۂ ماجدہ زینبؑ خاتون کھڑی دیکھ رہی ہیں اور شمر لعین حسینؑ کا سر جدا کر رہا ہے فرماتی ہیں اے ابن سعد تو دیکھ رہا ہے اور میرا بھائی ذبح ہو رہا ہے۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

پانچ زہر جو معصومین کو دیئے گئے

پہلا زہر : آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دوسرا زہر : جناب امام حسن علیہ السلام

تیسرا زہر : جناب امام زین العابدین علیہ السلام

چوتھا زہر : جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

پانچواں زہر : جناب امام علی رضا علیہ السلام

پہلا زہر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا گیا !

مشاہدہ ہے کہ تین فرقے بعثت انبیاء، ومرسلین علیہم السلام، نزولِ وحیِ ربانی اور نزولِ کتابِ سماوی کے قائل ہیں جو کہ یہ ہیں (۱) یہودؔ (حضرت موسیٰ کے ماننے والے) (۲) نصاریٰ (حضرت عیسیٰ کے ماننے والے) اور (۳) مسلمان (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے) ان تینوں فرقوں میں یہود و نصاریٰ انبیاء سابق کی نبوتوں کے مقر ہیں لیکن نبی لاحق کے منکر ہیں چنانچہ یہودی دو پیغمبروں یعنی حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء سابقین پر ایمان لانا اس وقت کافی ہے جبکہ نبی سابق کے بعد نبیٔ لاحق (یعنی آنے والے نبی پر) پر ایمان ہو۔ ان دونوں فرقوں کے مقابل اہل اسلام بہ تعلیم رسولؐ خدا۔ آنحضرتؐ سے پہلے ہونے والے تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں اور آنحضرت کے بعد نبی لاحق کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ آنحضرت پر نبوت ختم ہے۔ اگر یہودی۔ جناب عیسیٰ کے منکر نہ ہوتے اور عیسائی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر نہ ہوتے تو دونوں فرقے حق پر ہوتے لیکن یہودیوں نے دو پیغمبروں کا انکار کیا اور عیسائیوں نے آنحضرت کا انکار کیا لہٰذا یہود و نصاریٰ دونوں حق پر نہیں ہیں۔ اور دونوں ہی اسلام دشمن ہیں اور

یہودیوں کی دشمنی روزِ اول سے تا این دم جاری ہے۔ بیت المقدس پر قبضہ اور فلسطینیوں پر مظالم اسلام دشمنی کی واضح نشانی ہیں۔ فلسطینیوں کو ان کے حقوق دلانا اور بیت المقدس جو کہ قبلۂ اول اہلِ اسلام ہے آزاد کرانا اسلامی فریضہ ہے ہم یہود دشمنی کی تصویر کشی کرتے ہیں جو کہ یہ ہے:۔

تاریخ عرب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ یہودیوں کی دولت و ثروت حرفت و تجارت کا مرکز خیبر تھا۔ علماء نے فرمایا ہے کہ خیبر عبرانی لفظ ہے جو محض قلعوں کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ چنانچہ خیبر کے تمام یہودیوں نے مل کر اسلام کے خلاف منظم سازش کی کہ اسلام کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ اس سازش کا پیش خیمہ یہی چیز تھی کہ اگرچہ یہودی آسمانی دین کے قائل تھے مگر نبی لاحق یعنی موسیٰؑ کے بعد کسی کی نبوت کے قائل نہیں تھے۔ بنابریں وہ اسلام دشمن تھے۔ محرم ۷ھ میں جنگ خیبر واقع ہوئی۔ اگر آنحضرت یہودیوں سے جنگ نہ کرتے تو سارے عرب پر یہودیوں کا غلبہ ہو جاتا۔ چنانچہ جنگ خیبر واقع ہوئی اس جنگ کی تفصیلات ہمارے موضوع سے باہر ہیں لیکن یہ ضرور یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام کا مغلوب ہونا اور یہودیوں کا غالب ہونا اسلام کی تباہی و بربادی کے لئے کافی ہوتا۔ مگر اس جنگ میں یہودی پسپا ہوئے اسلام کو فتح ہوئی اور فتح خیبر کا سہرا حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سر رہا اور اسلامی سلطنت کا قیام اس کی فتح سے شمار ہوتا ہے چنانچہ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ خیبر سے پہلے جو لڑائیاں وقوع میں آئیں وہ محض دفاعی تھیں۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے اور طرز حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔ (ملاحظہ ہو سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۳۵۲)

جنگ خیبر کے بعد یہودیوں کے دلوں میں آتش حسد اور زیادہ بھڑک اٹھی اور ایک یہودی عورت نے گوسفند (بھیڑ۔ بکری) ذراع (بازو) میں زہر پیوست کر کے کسی ذریعہ سے آنحضرت تک پہنچایا۔ آنحضرت نے جیسے ہی کچھ نوش فرمایا اس سے آواز آئی کہ میں زہر آلود ہوں۔ آنحضرت نے اس کو پھینک دیا۔ مگر اس زہر کا اثر آپ پر باقی رہا اور یہود دشمنی زہر کی صورت میں اثر کرتی رہی۔

اور بعض روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آخر وقت آنحضرت کو جو دوا دی گئی وہ زہر آمیز تھی جس سے آنحضرت نے رحلت فرمائی اور دین اسلام کا ناخدا ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ کو دنیا سے رخصت ہوا۔ اور جنت اعلیٰ دائمی مسکن قرار پایا۔ آنحضرت کے دفن و کفن کا انتظام حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام نے کیا۔ نماز جنازہ پڑھی اور آپ کو اسی حجرہ میں دفن کیا کہ جہاں انتقال فرمایا تھا۔ آپ کا روضۂ اقدس مدینۂ منورہ میں ہے۔

دوسرا زہر

امام حسن مجتبیٰ علیہ السّلام کو دیا گیا

جب حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام زہر آلود ضربت ابن ملجم سے شہید ہو گئے تو حضرت سبطِ رسول امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے مسندِ امامت کو زینت بخشی اور زیب دہ منبر ہو کر دعوت دین فرمائی۔ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شخصیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں

تھی وہ اظہر من الشمس ہے۔ آنحضرت نے فرمایا ہے۔ خداوندا میں حسن کو دوست رکھتا ہو تو بھی اُسے دوست رکھے جس نے حسنؑ و حسینؑ کو دوست رکھا۔ خدا اسے دوست رکھے گا۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ حسنؑ و حسینؑ دنیا میں میرے دو خوشبودار پھول ہیں حسنؑ و حسینؑ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ خلق امام حسنؑ بھی مشہور ہے۔ امام حسنؑ نمونہ اوصافِ رسول خدا ہیں۔ صواعق محرقہ اور دیگر کتب معتبرہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسنؑ اور معاویہ ابن ابوسفیان میں جو صلح ہوئی اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ معاویہ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنائے صلح کے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کرنا اسی صورت میں ممکن تھا کہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام چونکہ امام منصوص من الرسول اور نائب رسول ہیں۔ علم و عمل میں قرآن و ذات کا نمونہ ہیں۔ پس اس نے چاہا کہ امام حسنؑ کا رشتۂ حیات منقطع کرنے میں کامیابی حاصل کرے۔ بالآخر اس میں معاویہ کو کامیابی ہوئی اور امام حسن کو زہر سے شہید کیا گیا جس کی اجمالاً تفصیل یہ ہے :۔

کہ صلح کے بعد جب حضرت امام حسن مجتبےٰ علیہ السلام کے دست حق پرست پر لوگوں نے بیعت کی اور جوق در جوق لوگ بیعت کرنے لگے۔ یہ خبر معاویہ کو پہنچی وہ متردد ہوا اور اس نے خفیہ طور پر اپنے بعض لوگوں کو اپنے اس وعدہ کے ساتھ ہموار کیا کہ جو شخص امام حسن مجتبےٰ علیہ السلام کو زہر دے دیگا تو اپنی دختر کے ساتھ اُس کا عقد کردوں گا۔ اس دنیاوی طمع میں اکثر رؤسا، کوفہ جادۂ حق سے منحرف ہوگئے اور امام حسن علیہ السلام ساباط مدائن میں تشریف رکھتے کہ جراح ابن سنان اسدی لعنۃ نے تلوار زہر آلودہ سے آپ کو زخمی کیا اور زہر نے آپ پر اثر کیا لیکن آپ کو صحت ہوگئی۔

امام حسن مجتبےٰ علیہ السلام کوفہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لائے اس زمانہ میں مروان بن الحکم گورنر مدینہ تھا اور اسے معاویہ نے امام حسنؑ کو زہر دینے کے لئے تحریر کیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ ایک پارچۂ زہر آلودہ حاکم مدینہ کو بھیجا کہ فوراً جعدہ بنتِ اشعث بن قیس کو کہ وہ آپ کے نکاح میں تھی قتل امام حسن پر راضی کر اور جب وہ راضی ہو جائے تو یہ زہر آلود پارچہ جعدہ کو دے کر ہدایت کہ جب امام حسنؑ تیرے پاس تو بعد انفراغ خلوت اس رومال زہر آلودہ سے آپ کے جسم پاک و مطہر کو صاف کرنا تاکہ زہر آپ کے جسم پر اثر کرے اس طرح وجانبر نہ ہوسکیں گے۔ چنانچہ اس ملعونہ نے ایسا ہی کیا۔ چالیس روز تک آپ تکلیف میں رہے۔ معاویہ نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اس طرح حسن مجتبیٰؑ شہید ہوگئے تو اس کا عقد اپنے بیٹے یزید سے کردوں گا۔

اکثر مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ معاویہ نے ایک زہر آلودہ شیشی حاکم مدینہ کو دی تاکہ وہ جعدہ کے ذریعے امام حسن کو دیا جاسکے۔ اس روایت میں جعدہ کا نام عرفیت کے ساتھ لکھا ہے۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو شہد میں زہر ملا کر دیا گیا۔ تمام رات بے چینی میں کٹی اور صبح دم روضۂ رسولؐ خدا پر گئے اور بہ برکت مزار مبارک آپ کو صحت ہوئی۔ یہ بھی روایت ہے کہ کئی بار آپ کو زہر دیا گیا ہے مگر آخری مرتبہ جعدہ نے آپ کو نیند کی حالت میں دیکھ کر آپ کا کوزۂ آب جو سر بمہر تھا آہستہ سے اُٹھایا اور اس نے آپ کے پینے کے پانی میں سفوف الماس کو اس کپڑے سے چھان کر جو کوزۂ آب پر تھا پانی میں ملا دیا اور پھر اپنے کمرہ میں جا کر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام خواب سے

بیدار ہوئے اور پانی پینے کی خواہش ہوئی۔ ابھی پانی پیا نہیں تھا کہ جناب
خاتون بھی نماز کے لئے بیدار ہوئیں۔ امام حسنؑ نے اس شب جو خواب دیکھا
تھا بیان کیا کہ اے بہن میں نے ابھی اپنے جدِّ نامدار رسول مختارؐ اور اپنے
بابا حیدرِ کرار اور اپنی ماں زہراء نامدار کو خواب میں دیکھا کہ یہ سب
بزرگوار نہایت شفقت کے ساتھ پیش آئے اور فرمایا کہ اے حسنؑ تم نے
ہمارے بعد بہت مصائب برداشت کئے۔ رنج و آلام اُٹھائے اب
آج سے کوئی مصیبت باقی نہ رہے گی۔ امام حسنؑ نے فرمایا کہ اے بہن امید
ہے کہ میں اب اپنے نانا اور اپنے بابا کے پاس چلا جاؤں گا اے بہن تم صبر کرنا
آپ نے اس کے بعد وضو فرمایا اور اسی کوزہ میں سے ایک گھونٹ پانی پیا۔
پانی زیرِ حلق اترا تھا کہ زہر نے اثر کیا اور جسم مبارک سبز رنگ کا ہونے لگا۔
فرمایا اے بہن اس میں تو زہر ملا ہوا ہے جس نے میرے جگر کے ٹکڑے کر دیئے
حضرت زینبؑ خاتون نے طشت حاضر کیا اور امام حسنؑ کے جگر کے ٹکڑوں سے
طشت بھر گیا۔ اہل حرم میں کہرام برپا ہو گیا۔ یہ تھا وہ دوسرا زہر کہ جس سے
حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت ۲۸ صفر سنہ ۵۰ھ کو واقع ہوئی
اور آپ جنت البقیع میں دفن کئے۔ جب معاویہ کو خبر انتقال امام حسنؑ ملی تو
بہت خوش ہوا اور اس نے یزید لعین کے ساتھ جعدہ کا عقد نہیں کیا اور کہا کہ جب
اس عورت نے فرزند رسولؐ کے ساتھ وفا نہ کی تو یزید کے ساتھ وفا کیونکر
کرے گی۔

تیسرا زہر

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو دیا گیا

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سلسلۂ امامت کی چوتھی فرد اور سلسلۂ
عصمت کی چھٹی فرد ہیں۔ علمائے اسلام کا بیان ہے کہ علم و زہد، عبادت و
پرہیزگاری میں سب سے افضل تھے۔ آپ کی عبادت پر آپ کا لقب زین العابدین
گواہ ہے۔ آپ کو سید الساجدین بھی کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جناب
محمد بن حنفیہؒ نے اپنے لئے امامت کا دعویٰ کیا اور سید سجاد علیہ السلام سے کہا
کہ میں فرزند حضرت علیؑ ابن ابی طالب ہوں لہٰذا امامت کا زیادہ
حقدار ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے میرے بابا امام حسینؑ نے
امامت کی وصیت کی ہے مگر محمد بن حنفیہ نے نہ مانا۔ آخرکار آپ کو
کعبہ میں حجرِ اسود کے پاس لے گئے۔ اس وقت حجرِ اسود سے آواز آئی
کہ اے سید سجادؑ آپ امام برحق اور منصوص من اللہ ہیں۔ یہ سن کر جناب
محمد حنفیہ نے خاموشی اختیار کرلی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد بن حنفیہ
دراصل مدعیٔ امامت نہیں تھے بلکہ آپ نے اس طرح سید سجاد کی امامت
کو ظاہر کیا ہے کہ فرزند علی ابن ابی طالب ہوں اور سید سجاد کا چچا ہوں،
عمر میں زیادہ ہوں مگر میں امام منصوص من اللہ و من الرسول نہیں ہوں۔
بلکہ امام برحق سید سجاد ہیں کہ جن کے لئے خداوند عالم نے حجرِ اسود کو گویائی

عطا کی اور اس نے آپ کے امام برحق ہونے کی گواہی دی۔ مقام تعجب ہے کہ حجر اسود تو آپ کو پہچانتا مگر امتِ رسولؐ خدا میں سے ان لوگوں نے امام ذی وقار نہ پہچانا کہ جو اس دور میں برسرِ اقتدار تھے۔

امام زین العابدین علیہ السلام گوشہ نشینی کی زندگی بسر فرما رہے تھے آپ کے روحانی اقتدار کی وجہ سے بادشاہ وقت ولید بن عبدالملک آپ کا دشمن تھا۔ اس نے آپ کو زہر دے دیا۔ زہر نے اثر کیا۔ امام زین العابدین علیہ السلام کا جب وقتِ وفات قریب ہوا آپ نے فرمایا کہ وضو کے لئے پانی لاؤ۔ پانی پیش کیا گیا۔ امام علیہ السلام نے وضو فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ جب آپ کو وضو کے لئے پانی دیا ہوگا تو امام علیہ السلام کی نگاہ کے سامنے کربلا کا منظر ہوگا کہ حسین اسی پانی کے لئے ترستے رہے۔ علی اصغرؑ کی پانی کی بجائے آب تیر سے پیاس بجھی۔ امام زین العابدین علیہ نے نماز ادا کی اور پھر تمام اولاد کو جمع کر کے وصیت فرمائی کہ اے میرے فرزندو! روح کی قائد عقل ہے اور عقل کا قائد علم ہے اور علم عمل کا طالب ہے۔ جان لو کہ ہر گھڑی عمر کو گھٹاتی ہے اور دنیا میں ایک نعمت تم کو تب ملے گی کہ جب پہلی نعمت تم سے جدا ہو جائے۔ دیکھو طویل آرزوں میں اپنے آپ کو نہ پھنساؤ کیونکہ طویل آرزو والے اکثر محروم نعمت رہتے ہیں۔ اکثر لوگ مال حد سے زیادہ جمع کرتے ہیں مگر اس کو کھا نہیں سکتے۔ جب آپ خموش ہوئے تو اولاد میں سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کے بعد ہمارا امام کون ہے تو آپ نے فرمایا کہ محمد باقر میرے بعد امام ہیں جو کہ میرے وصی۔ میرے جانشین

اور خلیفۂ رسولؐ خدا ہیں اور یہی علم کا خزانہ ہیں۔ پھر آپ پر اثر زہر شدید ہوا بے ہوشی طاری ہو گئی اور آپ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ آپ کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے اُٹھایا گیا اور مدینہ کے تمام لوگوں نے مشایعتِ جنازہ فرمائی اور آپ کے تابوت کو جنت البقیع لائے۔

علامہ شبلنجی، علامہ ابن حجر مکی، علامہ ابن سبط جوزی وغیرہم تحریر فرماتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک نے آپ کو زہر دلوایا اور اس زہر سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ آپ کی شہادت ۲۵ محرم ۹۵ھ کو واقع ہوئی اور اس وقت آپ کی عمر ۵۷ سال تھی۔ آپ کو جنت البقیع میں امام حسنؑ کی قبر کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

چوتھا زہر

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو دیا گیا

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام جو سلسلۂ امامت میں ساتویں تاجدارِ امامت ہیں۔ جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے شہادت پائی تو آپ خلافتِ منصور دوانقی کے آخری دور میں مسند نشین امامت ہوئے چونکہ حضرت امام جعفر صادق پر منصور دوانقی نے بہت مظالم کئے تھے اور آپ کی شہادت کا باعث بھی وہی ہوا تھا۔ امام صادق علیہ السلام نے اپنی رحلت

سے پہلے اپنی جائداد کے انتظام کے لئے پانچ وصی مقرر کئے تھے اور ان میں خود منصور دوانقی کا نام بھی تھا۔ اس کے علاوہ محمد بن سلیمان حاکم مدینہ اور اپنے بڑے بھائی عبداللہ افطح، حضرت موسیٰ کاظمؑ اور ان کی والدہ ماجدہ کو بھی وصی مقرر کیا تھا۔ حضرت صادق آل محمدؑ نے منصور دوانقی کو وصی مقرر کرکے اس کے دلی ارادوں کو مضمحل کر دیا لیکن جب اس کو صادق آل محمدؑ کے انتقال کی خبر ملی تو اس نے بربنائے مصلحت استرجاع اپنی زبان پر جاری کیا اور پھر کچھ دنوں کے بعد حاکم مدینہ کو خط لکھا کہ ان کے وصی کا سر قلم کرکے بھیج دو۔ جس حاکم مدینہ نے اس کو تحریر کیا کہ جعفر صادق نے پانچ وصی مقرر کئے ہیں جن میں سے ایک آپ خود بھی ہیں یہ خط پڑھ کر وہ خاموش ہو گیا۔

اس واقعہ کے دس سال بعد ۱۵۸ھ میں جب منصور دوانقی نے انتقال کیا تو مہدی خلیفہ ہوا۔ اولاً اس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ لیکن ۱۶۴ھ میں جب وہ حجاز حج کے لئے گیا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو مکہ سے بغداد لے گیا اور قید کر دیا۔ حضرت وہاں ایک سال تک قید رہے۔ بعدازاں اس نے آپ کو مدینہ پہنچا دیا۔

مہدی کے بعد ہارون رشید کا دور آیا و ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا اور اس کے فوراً بعد ہی اس کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قتل کرنے کی فکر پیدا ہوئی لیکن وہ کوئی بہانہ تلاش نہ کر سکا۔ ہارون رشید کے بعد جانشینی کے بارے میں یحییٰ ابن خالد برمکی ہارون رشید کے وزیر اعظم کو جعفر ابن اشعث سے رقابت پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے خیال کیا اگر خلافت محمد امین پسر زبیدہ

کو چلی گئی تو وزارت کا عہدہ مجھ سے چھن جائے گا۔ لہٰذا اس نے یہ چال چلی کہ جعفر بن اشعث پر یہ الزام لگایا کہ وہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کا قائل ہے اور انہیں خمس ادا کرتا ہے۔ جب ہارون رشید کو یہ معلوم ہوا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ایذارسانی کی طرف متوجہ ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ بنی فاطمہ پر اُس نے مظالم شروع کئے اور ۱۷۹ھ اپنی اولاد کے لئے حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے امام موسیٰ کاظم کی گرفتاری کے لئے حج کا ارادہ کیا بعدہ وہ مدینہ بھی گیا اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو روضہ رسولؐ خدا پر نماز کی حالت میں گرفتار کیا۔ اور پہلے آپ کو بصرہ میں قید کیا۔ لیکن عیسیٰ بن جعفر نے جو ہارون رشید کا چچازاد بھائی تھا۔ امام کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جس کی وجہ سے ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بغداد بلا بھیجا۔ اور فضل بن ربیع کی حراست میں ایک مدت تک قید رکھا مگر وہ دلی طور پر امام علیہ السلام کا معتقد تھا۔ جس کی وجہ سے امام علیہ السلام کو یحییٰ برمکی کی حراست میں قید رکھا۔ سب سے آخر میں سندی بن شاہک کی حفاظت و حراست میں قید رہے۔ یہ بدبخت سخت ترین دشمن اہلبیت تھا۔ اسی کی قید میں آپ کو انگوروں میں زہر دیا گیا۔ زہر کے اثر سے حضرت کے جسم مبارک کا رنگ سبز ہونے لگا اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے بعالم بقا کوچ فرمایا۔ جب حضرت نے شہادت پائی تو یہ بھی روایت ہے کہ آپ کے انتقال کے فوراً بعد امام علی رضا علیہ السلام باعجاز امامت مدینہ سے تشریف لائے ابھی حضرت کی میت قید خانہ ہی میں تھی۔ امام رضا علیہ السلام نے آپ کو غسل و کفن دیا۔ نماز جنازہ پڑھی اور تشریف لے گئے۔ اس کے بعد بظاہر میت

امام موسیٰ کاظم اس حالت میں تھی کہ طوق و سلاسل بھی جدا نہیں کیئے گئے تھے۔ سندی بن شاہک نے بغداد میں منادی کرادی کی امام موسیٰ کاظم نے رحلت کی اور آپ کی میت کو بغداد کے پل پر رکھ دیا تاکہ لوگ امام علیہ السلام کی آخری صورت دیکھ سکیں۔ غسّال آئے اور میت کو اس طرح اٹھایا جیسے کسی بے کس و محتاج کی میت ہو اور ایک منادی ندا کر رہا تھا کہ معاذ اللہ یہ رافضی کی میت ہے۔ یہ شور و غل سن کر سلیمان برادر ہارون رشید اپنے ساتھیوں کو لے کر پہنچا اور اس نے ان لوگوں سے امام علیہ السلام کی میت چھین لی اور خود برہنہ سر و پا جنازہ میں شریک رہا اور اعلان کیا کہ لوگو یہ طیّب ابن طیّب کی میت ہے جسے امام کی زیارت کرنا ہو وہ زیارت کر لے۔ مومنین کا ایک اژدہام جمع ہو گیا۔ گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ پھر اس نے امام کی میت کو غسل دلوایا اور اپنے پاس سے بیش قیمت کفن دیا۔ اور مقبرۂ قریش میں آپ کو باعزاز تمام اس جگہ دفن کیا کہ جہاں آج کل کاظمین میں امام علیہ السلام کا روضۂ مبارک ہے۔ آپ آج بھی باب الحوائج کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی شہادت بروز جمعہ ۲۵۔ رجب ۱۸۳ھ میں ہارون رشید کے زہر دینے سے ہوئی ہے۔

پانچواں زہر

حضرت امام علیؑ الرضا علیہ السلام کو دیا گیا

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو زہر دینے کی کیفیت یہ ہے کہ مامون رشید

جو بنام خلیفہ حکمرانی کر رہا تھا۔ اس نے حسن بن سہل کو ولایت عراق کا گورنر مقرر کیا اور خود آپ مرو میں مقیم ہوا۔ بعض سادات نے اس کی مخالفت کی جب یہ خبریں اس کو پہنچیں تو اس نے فضل بن سہل جو کہ وزیر اور مشیر اس کا تھا مشورہ کیا۔ ان دونوں کی اس بات پر اتفاق رائے ہوا کہ امام رضا علیہ السلام کو جو سید و سردار سادات ہیں مدینہ سے طلب کر کے ولیعہد بنایا جائے تاکہ جمیع سادات خوش ہوں اور ان کی مخالفت ختم ہو جائے۔ مامون رشید نے مدینہ آدمی بھیجے اور حضرت کو سفر خراسان کرنے پر مجبور کیا۔ جب امام رضا علیہ السلام نے مدینہ سے ارادۂ سفر کیا۔ مسجد نبوی میں جا کر قبر مطہر رسولخدا کو وداع کیا۔ جب یہ خبر عام ہوئی لوگ زیارت کے لئے جمع ہوئے اور اس سفر پہ جانے کی مبارکباد دی۔ آپ نے فرمایا مبارکباد کس بات کی عالم غربت میں شہید کیا جاؤں گا اور میری قبر بھی ہارون رشید کے پہلو میں بنے گی۔ جب متوجہ سفر ہوئے تو منزل بہ منزل معجزات اور کرامات سے ظاہر ہوئے۔ جب بعد قطع منازل امام رضا علیہ السلام کی سواری شہر نیشاپور پہنچی تو وہاں کے علماء و فضلاء اور عمائدین شہر نے آپ کا استقبال کیا۔ اس وقت علماء کی ایک کثیر تعداد خصوص طور پر اس لئے آئی تھی کہ امام عالی مقام کی زبانِ اقدس سے نکلے ہوئے الفاظ قلمبند کریں تاکہ ذخیرۂ ہدایت فراہم ہو جائے چنانچہ امام المحدثین ابوزرعہ اور محمد بن اسالم طوسی کہ اکابرین علماء سے تھے، آگے بڑھے اور آپ کی سواری کے نزدیک پہنچ کر درود و سلام بھیجا اور عرض کیا فرزند رسول۔ اے نور نظر علی و بتول، اے وارث علوم نبوی، اے عالم قرآن اور اے محافظ ناموسِ شریعت اپنے جد نامدار کی کوئی حدیث سنایئے تاکہ

ہم اسے اپنے لئے حرزِ ایمان بنائیں - ان کی استدعا پر امام عالی مقام نے اپنی سواری روکنے کا حکم دیا۔ سواری ٹھہری اور محمل سے پردہ اُٹھایا گیا اور امام رضا علیہ السلام نے چہرۂ مبارک باہر نکالا۔ لوگ زیارت سے مشرف ہوئے۔ درود و سلام کے فلک شگاف نعرے بلند ہوئے اور امام علیہ السلام نے ہاشمی لب و لہجہ میں اول حمد و ثنائے الٰہی ادا کی پھر اپنے جدِّ نامدار رسولِ خدا پر درود و سلام بھیجا پھر فرمایا اے لوگو مجھ سے میرے بابا موسیٰ کاظمؑ نے اور ان سے اُن کے بابا جعفر صادقؑ نے اور ان سے اُن کے بابا امام محمد باقرؑ نے اور ان سے ان کے پدر بزرگوار امام زین العابدینؑ اور ان سے اُن کے پدر عالی قدر حضرت امام حسینؑ نے اور ان سے ان کے پدر عالیقدر حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ نے اور اُن سے حضرت رسولؐ خدا نے اور ان سے حضرت جبرئیلؑ نے اور اُن سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کہ لا إِلٰہ اِلّا اللہ حِصنی فمن دخل حصنی اٰمن من العذابی یعنی لا الٰہ الا اللہ - میرا قلعہ ہے جو میرے قلعہ میں داخل ہو گیا وہ عذاب سے محفوظ ہو گیا۔ یہ فرما کر آنجناب نے عمّاری پر پردہ کھنچوا دیا۔ ابھی سواری بڑھی ہی تھی کہ لوگوں نے عرض کیا فرزندِ رسولؐ کچھ اور ہدایت فرمائیے پھر سواری رُکی اور آپؑ نے چہرۂ مبارک عمّاری سے باہر نکالا اور فرمایا کہ بشرطھا و شروطھا و انا من شروطھا یعنی کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والا جنتی ہے مگر اس کے لئے کچھ شرائط ہیں اور ان شرائط میں سے ایک شرط میں ہوں وانا من شروطھا ظاہر کر رہا ہے کہ جب تک توحید و نبوت کے ساتھ ائمہ ھُدیٰ کی امامت پر اعتقاد نہ ہو نجات نہیں ہے

غرض کہ امام رضا علیہ السلام وارد خراسان ہوئے اور مقام مَرو پر مامون رشید سے ملے۔ وہ ظاہر تعظیم و تکریم سے ملا۔ اپنا ولی عہد بھی بنایا مگر آپ کے روحانی اقتدار کو دیکھ کر خائف رہتا تھا مبادا کہ لوگ ان کو خلیفہ تسلیم نہ کر لیں اور آپ کے قتل کے درپے ہوا لیکن امام رضا علیہ السلام ہر دفعہ اس کے ظلم سے محفوظ رہے۔ ابو الصلت ہروی سے اس طرح روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو دربار میں بلایا گیا آپ تشریف لے گئے۔ مامون رشید نے اپنی مسند پر جگہ دی مگر ساتھ ہی زہر آلود انگور پیش کئے۔ کہا یہ انگور کھائیے آپ نے ہر چند کہ منع کیا مگر اس نے اصرار کیا۔ آپ نے چند دانہ انگور کے نوش کئے۔ ایک دم حضرت پر زہر نے اثر کیا۔ اور اسی حال میں اٹھے اس نے کہا کہ حضرت کہاں تشریف لے جاتے ہیں فرمایا کہ وہاں جاتا ہوں جہاں تو نے مجھے بھیجنے کا ارادہ کیا ہے۔ زہر سارے جسمِ مبارک میں اثر کر گیا تھا اور اُدھر مدینہ میں حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کو بعلمِ امامت اطلاع ملی اور آپ باعجازِ امامت تشریف لائے۔ ابو صلت نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں فرمایا میں محمد بن علی ہوں۔ تمہارا امام ہوں۔ میں اپنے پدر بزرگوار کو دیکھنے اور وداع کرنے آیا ہوں۔ امام محمد تقی علیہ السّلام اس حجرہ میں گئے جہاں امام رضا لیٹے ہوئے تھے۔ امام رضا علیہ السلام نے اسرارِ امامت عطا کئے اور پھر آپ کی روح جنت اعلیٰ کو پرواز کر گئی پھر امام محمد تقی اور ملائکہ نے آپ کی میّت کو غسل و کفن دیا۔ نماز پڑھی اور پھر مدینہ تشریف لے گئے۔ اب امام رضا علیہ السلام کی شہادت کی خبر پھیلی۔ مامون رشید بھی

مع غلاموں اور اراکین سلطنت کے موجود تھا۔ ظاہری غسل وکفن کے بعد جنازہ اٹھایا گیا اور نماز پڑھی گئی اور حضرت کو اس جگہ دفن کیا گیا کہ جہاں آجکل آپ کا روضۂ مبارک ہے۔ ۲۳ ذیقعد ۲۰۳ھ کو آپ نے شہادت پائی اور مامون رشید کے زہر سے شہید ہوئے۔ مشہد مقدس میں آپ کا مزار واقع ہے۔

پانچ معصوم قیدی

پہلا قیدی: حضرت یوسف علیہ السلام

دوسرا قیدی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام

تیسرا قیدی: حضرت محمد و ابراہیم پسران حضرت مسلم بن عقیل ؑ

چوتھا قیدی: حضرت امام زین العابدین ؑ

پانچواں قیدی: حضرت امام موسیٰ کاظم ؑ

پہلا قیدی

حضرت یوسف علیہ السلام

یہ ایک حقیقت ہے کہ قیدی ہونا پسندیدہ امر نہیں ہے لیکن اگر بیگناہی پر منحصر ہو یا قیدی ہونا فرمانروائے مملکت ہونا اور نبوت پر منتج ہو تو ایسی اسیری باعثِ صد افتخار و عزت ہے جیسا کہ جناب یوسف علیہ السلام ہیں کہ آپ نے بارہ برس کی عمر میں خواب میں دیکھا کہ سورج چاند اور گیارہ ستارے ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔ آپ نے یہ خواب اپنے والد ماجد جناب یعقوبؑ سے بیان کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اے بیٹا خبردار تم یہ خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا۔ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ پروردگار عالم تم کو برگزیدہ بنائے گا اور نبوت عطا کرے گا۔ یہ خواب صرف یعقوبؑ سے بیان کی تھی مگر اس وقت یوسف کے کسی بھائی کی بیوی نے یہ خواب سن لیا اور اپنے شوہر سے اسے بیان کر دیا جس کی وجہ سے برادران یوسفؑ کو حسد ہوا اور انھوں نے یوسف کے خلاف یہ سازش کی کہ انہیں شکار و تفریح کے بہانے اپنے ہمراہ لے گئے اور ایک کنوئیں میں ان کو ڈال دیا اور جب گھر واپس آئے تو کہنے لگے کہ اے بابا یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا اور خون آلودہ کرتا کُرتہ یعقوبؑ کے سامنے رکھ دیا۔ خدا کی شان دیکھنے کے قابل ہے کہ یوسفؑ کنوئیں میں تھے ایک قافلہ وہاں پر اترا تو ان لوگوں نے

اپنے سقہ کو پانی بھرنے کے لئے بھیجا اس نے اپنا ڈول ڈالا ہی تھا کہ یوسف اس ڈول میں بیٹھ گئے۔ اس نے کھینچا تو دیکھا کہ یہ تو ایک لڑکا ہے۔ قافلہ والوں نے یوسفؑ کو قیمتی سرمایہ سمجھا اور انہیں فروخت کر ڈالا۔ حضرت یوسفؑ چونکہ بہت خوبصورت تھے۔ خریداروں کا ہجوم ہو گیا اور مصر کے لوگوں میں سے عزیز مصر یعنی بادشاہ مصر نے انہیں خرید لیا۔ اور عزیز مصر کے گھر میں رہنے سہنے لگے۔ جب عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے انہیں دیکھا تو اس نے ان سے مطلب براری کی آرزو کی اور سب دروازے بند کر دیئے مگر جب وہ کامیاب نہ ہو سکی تو اس نے عزیز مصر سے ان کے خلاف سخت باتیں کہیں اور ان پر الزام لگایا۔ قدرتِ خدا گہوارہ میں ایک شیر خوار بچہ نے بیگناہی کی گواہی دی مگر پھر عزیز مصر نے اپنی بیوی کے کہنے پر کچھ عرصہ کے لئے قید کر دیا۔ اس دن دو اور شخص بھی داخل قید خانہ ہوئے۔ چند دنوں کے بعد ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ شراب بنانے کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اپنے سر پہ روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور چڑیاں اس میں سے کھا رہی ہیں۔ وہ دونوں یوسف کی طرف دیکھ کر بولے کہ ہمیں اس کی تعبیر بتلا دو۔ کیونکہ ہم تم کو یقیناً نیکوکاروں میں سے سمجھتے ہیں۔ آپ نے خواب کی تعبیر بتائی اور فرمایا کہ سنو تم میں سے ایک جس نے انگور دیکھا رہا ہو کر اپنے مالک کو شراب پلائے گا اور دوسرا جس نے اپنے سر پر روٹیاں دیکھی ہیں سولی دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جناب یوسفؑ نے جس قیدی کے متعلق کہا تھا کہ رہا ہو کر شراب پلانے پر مامور ہو گا اس سے فرمایا کہ تم اپنے

آقا سے تعبیر خواب کا ذکر کرنا اور میرا بھی تذکرہ کرنا۔ حسن اتفاق کہ عزیز مصر
نے بھی اسی اثنا میں خواب دیکھا تھا اور اس کی تعبیر اس کی سمجھ میں نہ آتی
تھی۔ جب وہ قیدی شراب پلانے پر مامور ہوا تو اُسے یاد آیا۔ اور اس نے
عزیز مصر سے جناب یوسف کے تعبیر بتانے کا ذکر کیا۔ تعبیر ظاہر ہوئی اور
عزیز مصر نے ان کو قید سے رہا کیا اور ادھر جناب یوسُف کو عزیز مصر نے اپنے
خزانوں کی حفاظت پر مقرر کر دیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد ایسا ہوا کہ کچھ غلہ
لینے کے لئے برادرانِ یوسُف کہ جنہوں نے یوسُف کے ساتھ مکر کیا تھا
مصر وارد ہوئے غلہ حاصل کیا اور واپس پہنچنے پر اپنے والد جناب یعقوب
سے سارا واقعہ بیان کیا اور کہا بابا جان اس نے یہ بھی کہا کہ بن یامین کو
آئندہ اپنے ہمراہ لانا۔ غرضکہ دوبارہ برادرانِ یوسفؑ بن یامین کو اپنے
ہمراہ لے گئے اور بھائی نے بھائی کو پہچان لیا۔ اس طرح خداوند عالم نے
یوسُف کو برگزیدہ کیا کہ اس کے گیارہ بھائی سربسجود ہو گئے۔ یعنی تعظیم
بجا لائے۔ حضرت یعقوب سے ملنا بھی نصیب ہوا۔ بادشاہِ مصر نبے اور
حکومت مصر کا اعزاز ملا۔ یوسُف اور زلیخا دونوں کو خداوند عالم نے
شباب سے دوبارہ نوازا۔ خدا چاہے تو اسیری میں بھی نبوت مل جاتی ہے
جناب یوسُف قیدی بنے مجھے اس وقت مختارؓ ثقفی کا قیدی ہونا
یاد آتا ہے جناب مختارؓ قیدِ ابنِ زیاد سے رہا ہونے کے بعد کوفہ پہنچے تو
منہال نے مختارؓ سے اس وقت ملاقات کی کہ جب مختارؒ نے خروج کیا ہے
میں مختارؒ کی خدمت میں پہنچا تو اس وقت وہ گھر سے باہر آرہے تھے کہ
مجھ پر نگاہ پڑی کہا اے منہال مدت کے بعد آئے ہو۔ تم نے ہم کو مبارکباد

نہیں دی اور ہمارے شریک کار نہیں ہوئے۔ میں نے کہا اے امیر میں یہاں
نہیں تھا بلکہ حج کو گیا تھا ابھی حج سے واپس آیا ہوں۔ میں باتیں کرتا ہوا مختار
کے ہمراہ چلا جاتا تھا کہ کوفہ کے ایک محلہ میں پہنچے جسے کناسہ کہتے ہیں۔ مختارؒ
نے گھوڑے کی باگ روک لی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مختارؒ کو کسی کا انتظار
ہے۔ ناگاہ دیکھا کہ کچھ نظر آتے ہیں۔ جب وہ لوگ قریب پہنچے تو کہا
اے امیر مختارؒ مبارک ہو کہ حرملہ بن کاہل اسدی کو گرفتار کر لیا ہے۔ تھوڑی
دیر بعد اس ملعون کو لایا گیا۔ پس مختار نے چلا کر دونوں کو طلب کیا وہ آئے
ان کو حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور بعدہٗ اس کے جسم نجس کو
کو جلا دیا جائے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ جب لوگ اس ملعون کو جلا رہے تھے کہ منہال
کہتے ہیں کہ میں نے سبحان اللہ کہا۔ مختارؒ نے کہا اے منہال سبحان اللہ کیوں
کہا۔ اس نے عرض کیا اے امیر میں اس سفر حج میں حضرت زین العابدینؑ
کی خدمت میں پہنچا حضرت نے اس ملعون کے بارے میں پوچھا اے منہال
حرملہ لعنؔ کا کیا حال ہے میں نے کہا کہ وہ ابھی زندہ ہے یہ سن کر حضرت زین العابدینؑ
نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اسے نفرین کی کہ خداوندا حرملہ بن کاہل اسدی کو
حرارت آہن اور آگ چکھائے۔ ادھر امام زین العابدینؑ کی زبان مبارک
سے یہ الفاظ نکلے اور آثار قبولیت دعا مشاہدہ کئے۔ مختارؒ نے مجھے قسم دی
کہ تم نے ہمارے امام سے اسی طرح سنا ہے اس نے قسم کھائی کہ یہ کلام حضرتؑ
میں نے سنا ہے۔ پس مختار گھوڑے سے زمین پر اُترے اور دو رکعت نماز
شکرانہ پڑھ کر سجدۂ طولانی کیا۔ جب حرملہؑ ملعون جل کر خاکستر ہو گیا مختارؒ
واپس ہوئے۔ میرا خیال ہے کہ جب خبر قتل حرملہ بن کاہل اسدی امام زین العابدینؑ

علیہ السلام کو معلوم ہوئی ہوگی کربلا کا نقشہ نگاہ کے سامنے آگیا ہوگا کہ امام حسینؑ کے ہاتھوں پہ علی اصغرؑ ہیں امام حسینؑ نے بچہ کے لئے فوج اعداء سے پانی مانگا۔ مگر پانی کی بجائے حرملہ لعین کے تیر نے پیاس بجھائی۔ تیر علی اصغرؑ کے گلوئے مبارک کو توڑتا ہوا حسینؑ کے بازو میں در آیا۔ نہ معلوم کس طرح امام حسینؑ نے تیر نکالا۔ خون علی اصغر ہاتھوں میں لیا اور چاہا کہ اس خون کو آسمان کی طرف پھینکیں آواز آئی اے فرزند رسولؐ اس خون کو آسمان کی طرف نہ پھینکنا ورنہ ایک قطرۂ آب نہ برسے گا پھر آپ نے چاہا کہ اس خونِ ناحق کو زمین کی طرف پھینکیں۔ آواز آئی فرزند بوتراب اگر ایک قطرہ اس خونِ معصوم کا زمین پہ گرا تو ایک دانہ بھی زمین سے نہ اُگے گا۔ امام حسین نے بزبانِ حال فرمایا ؎

انکار آسماں کو ہے راضی زمیں نہیں
اصغرؑ تمہارے خوں کا ٹھکانا کہیں نہیں

دوسرا اقتدی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ وہ واقعہ بھی یاد کرو جب فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اے مریم خدا تم کو صرف اپنے حکم سے ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دیتا ہے جس کا نام عیسیٰ ہوگا (وہ عیسیٰ بن مریم کہلائے گا) اور دنیا و آخرت دونوں میں

باعزت و باآبرو ہوگا اور خدا کے مقرب بندوں میں سے ہوگا۔ وہ بچپنے میں جب جھولے میں ہوگا کلام کرے گا اور بڑی عمر کا ہو کر بھی کلام کرے گا۔ فرشتے سے یہ باتیں سن کر جناب مریم تعجب سے کہنے لگیں میرے لڑکا کیونکر ہوگا۔ حالانکہ مجھے کسی مرد نے مس نہیں کیا۔ اس پر فرشتے نے کہا کہ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ شے ہو جاتی ہے۔

جناب عیسیٰ بطن مریمؑ سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ بڑے ہوئے اور جب آپ نے تبلیغ کی تو سب سے پہلے بارہ آدمی آپ پر ایمان لائے جنہیں حوارین عیسیٰ کہتے ہیں۔ اس سے پہلے بنی اسرائیل کے نقیب بارہ تھے اور جناب عیسیٰؑ کے حواری بھی بارہ اسی طرح امت محمدیؐ کے ائمہ بھی بارہ ہیں۔ جناب عیسیٰؑ کو جو معجزات خداوند عالم نے عطا کئے تھے ان کا قرآن مجید میں ذکر پایا جاتا ہے مثلاً مردہ کو زندہ کرنا، نابینا کو بینائی عطا کرنا، برص جذام کے مریضوں کو دستِ مبارک پھیر کر اچھا کر دینا وغیرہ وغیرہ۔ بنی اسرائیل یعنی یہودی لوگ کہ جن کی گھٹی میں شرارت پڑی ہوئی تھی وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان نہیں لائے تھے بلکہ ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے تھے اور جب اذیت پر اذیت دیتے تھک گئے اور عیسیٰؑ کے خلاف ان کی ہر ایک سازش ناکام ہو گئی تو طرح طرح کے بہانے کر کے ایک شب حضرت عیسیٰ بن مریم کو گرفتار کر کے ایک مکان میں قید کر دیا۔ حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں کو اپنے مقید ہونے سے پہلے وصیت کر کے حکم دیا تھا کہ چاروں طرف دور دور نکل جاؤ تاکہ محفوظ بھی رہیں اور تبلیغ بھی کرتے رہیں۔ یہودیوں نے جناب عیسیٰؑ بن مریم کو اس لئے قید کیا تھا کہ انہیں قتل بھی کر دیں۔ اسی شب کو بحکم خدا جناب

جبرئیلؑ امین نازل ہوئے اور حضرت عیسیٰؑ کو روشندان سے آسمان پر نکال کر لے گئے۔ صبح دم یہودی آپ کو پھانسی دینے کے لئے جمع ہوئے اور ان کا سرغنہ جس کا نام یہودا تھا ان کو گرفتار کرنے کے لئے اس مکان میں داخل ہوا اور سب لوگوں کو مکان کے پیچھے کھڑا رہنے دیا۔ اس کا قید خانہ میں داخل ہونا تھا۔ خدا کی شان خدا نے اس کو عیسیٰؑ کی شکل بنا دیا۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کو مکان میں نہ پا کر اپنے ساتھیوں سے وہاں کا ماجرا کہنے کو نکلا ہی تھا کہ لوگوں نے اسے بات نہ کرنے کی مہلت بھی نہ دی اور اسے گرفتار کر لیا۔ وہ ہر چند غل مچاتا رہا کہ میں عیسیٰؑ نہیں ہوں بلکہ یہودا ہوں مگر لوگوں نے ایک نہ سنی اور پھانسی دے دی اور سو درّے اس کی لاش پر مارے۔ "مرتے کو مارے یہودی مدار" جب یہ سب گت بن چکی تو خدا نے اس کی اصلی صورت کر دی۔ اس واقعہ سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے قادر مطلق ہونے کے باوجود اپنے کلمۃ اللہؑ اپنے روح اللہ نامی رسول کے دشمن سے اس طرح انتقام لیا کہ دشمن کو عیسیٰؑ کی شبیہ بنا دیا اور وہ عیسیٰؑ کی بجائے سولی دیا گیا۔ بہر حال دشمن سے انتقام لینے کے لئے بھی شبیہ بنا سکتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں تماثیل و محاریب بنانے کا ذکر ہے۔

چند یہودیوں نے یہ مشہور کر دیا کہ خدا کے رسول عیسیٰؑ ابن مریمؑ قتل کر دیئے گئے لیکن خدا نے ان کے اس نظریہ کی تردید کی اور فرمایا کہ نہ لوگوں نے انہیں قتل کیا ہے نہ ہی سولی دی گئی ہے مگر ان کے لئے ایک دوسرا شخص عیسیٰؑ کی شبیہ بنا دیا گیا اور عیسیٰ کو خدا نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ اب حضرت عیسیٰؑ فلک چہارم پر ہیں اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے وقت آپ

آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے۔ تو پھر سب لوگ یعنی کہ جو لوگ ان کی موت کے قائل ہو گئے ہیں آپ کی حیات پر ایمان لائیں گے اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کی بیعت کر کے سنت محمدی میں شامل ہوں گے۔ حضرت مہدیٔ آخر الزمان عجل اللہ فرجہٗ کی امامت کی تصدیق کریں گے اور چالیس برس زندہ رہ کر آپ کے زمانے میں ہی انتقال فرمائیں گے۔ مومنین ان کے جنازے کی نماز پڑھیں گے۔

خدا کی قدرت کہ ایک وقت وہ تھا کہ ایک شب آپ بے گناہ قید میں رہے مگر خدا نے آسمان پر بلا لیا اور پھر ظہور امام العصرؑ کے موقعہ پر آسمان سے نازل ہو کر دین اسلام پر ہوں گے کیونکہ اس وقت دین اسلام کے سوا کوئی اور دین خواہ آسمانی دین ہو یا خود ساختہ۔ زمین پر نہ ہو گا۔ تمام روئے زمین پر اسلام ہو گا۔ عدل و داد کا دور دورہ ہو گا۔ نبی کا کلمہ جاری ہو گا۔ قرآن کے احکام ہوں گے۔ شریعت جاری ہو گی اس وقت احکام مصطفوی بعنوانِ نظام مرتضوی جاری ہوں گے اور روئے زمین پر اسلامی سلطنت ہو گی۔

تیسرے ہدی

پسران حضرت مسلمؑ بن عقیل

قرآن مجید اور احادیث میں اپنے عزیز و اقربا اور خصوصاً یتیموں کے ساتھ صلۂ رحم کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد خداوند عالم

ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط (سورۃ النساء، آیت ۱)
یعنی اور خدا سے ڈرو آپس میں سوال کرتے ہو اور ڈرو تم ارحام سے اس
آیت میں ارحام سے مراد قرابت دار رشتہ داری ہے اور ڈرنے سے یہ مطلب
ہے کہ قطع رحم نہ کرو۔ جناب رسول خدا سے مروی ہے کہ خداوند عالم نے
فرمایا ہے کہ میں رحمٰن ہوں اور میں نے رحم کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام
سے مشتق کیا ہے پس جو صلۂ رحم بجالائے گا میں بھی اس کے ساتھ
نیکی کروں گا اور جو شخص قطع رحم کرے گا اسے میں ہلاک کروں گا ۔
ہلاکت سے مراد ہلاکت اُخروی ہے اور نیکی سے مراد بخشش و مغفرت
ہے۔ خوشا نصیب کہ جو عزیزوں، رشتہ داروں، ایمان داروں اور یتیموں
کے ساتھ بحسنِ سلوک پیش آئے۔

ہم ناظرین کتاب کے سامنے دو ہاشمی یتیموں کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ دو
یتیم مسلمؑ بن عقیل کے آوارہ وطن پسر ہیں۔ ایک کا نام محمد بن مسلم اور دوسرے
کا نام ابراہیم بن مسلم ہے۔ یہ دونوں بچے حضرت مسلم کے ساتھ مدینہ سے کوفہ آئے
تھے۔ جب کوفہ والوں نے حضرت مسلمؑ کے ساتھ دغا کی اور مسلم بن عقیل شہید
کردیئے گئے کوفہ کی فضا آلِ رسولؐ کے خلاف تھی، کوئی حامی و مددگار نہ تھا
یہ بچے گلی کوچوں میں مارے مارے پھرتے رہے۔ رات سر پر آگئی اور ان بچوں
کو کوئی جائے پناہ نہ ملی۔ ڈرتے ڈرتے قدم اُٹھاتے۔ ٹھوکریں کھاتے چلے
جاتے تھے ایک دروازہ پر ایک عورت نظر آئی۔ اس کے پاس جاکر کہنے لگے
کہ اے ضعیفہ اے کنیزِ خدا ہم بے کس و بے یار و مددگار ہیں کیا تم اتنا سلوک
کرسکتی ہو کہ ہم تمہارے گھر رات کاٹ لیں اور صبح دم ہم چلے جائیں گے۔ ضعیفہ

پوچھنے لگی بچو تم کون ہو۔ کوفہ میں آوارہ وطن کیوں ہو۔ بچوں نے کہا اے
ضعیفہ اگر تو کسی سے ہمارا حال بیان نہ کرے تو ہم تجھ کو اپنا حال بتلاتے
ہیں۔ اس نے یقین دلایا۔ بچوں نے کہا کہ ہم مسلمؑ بن عقیل کے فرزند ہیں۔
ہمارے بابا شہید کردیئے گئے اور اب ہم یتیم ہیں۔ یتیم آل محمد ہیں۔ وہ عورت
دوستدارِ اہلبیت تھی۔ بچوں کو اپنے گھر لے گئی۔ پانی پیش کیا۔ بچوں نے
منہ ہاتھ دھوئے۔ اس نے طعام پیش کیا۔ بچوں نے کھانا کھایا۔ اور سو گئے
اور ادھر ضعیفہ سوچنے لگی کہ اگر مالک مکان آگیا اور وہ ابن زیاد کا دوست
ہے آلِ رسول کا دشمن ہے نہ معلوم وہ کیا کرے گا۔ ضعیفہ یہ سوچ رہی تھی
اور بچے خواب سے بیدار ہوئے اور دونوں آپس میں کہنے لگے کہ باباجان
کو خواب میں دیکھا ہے وہ فرماتے ہیں بچو بہت جلد اب تم ہمارے پاس
آنے والے ہو۔ اس خواب کو بیان کرنے کے بعد بچوں پر گریہ طاری ہو گیا۔
مالک مکان جس کا نام حارث تھا۔ کافی رات گزرنے کے بعد آگیا اور اس
ملعون نے جب بچوں کے رونے کی آواز سُنی تو اس نے اس ضعیفہ سے پوچھا
کہ یہ رونے والے کون ہیں۔ لیکن اس ضعیفہ نے ظاہر کرنا پسند نہ کیا۔ وہ
ملعون بستر سے اُٹھا۔ حجرہ میں گیا۔ دیکھا کہ دو بچے رو رہے ہیں دریافت
کیا تم کون ہو۔ بچوں نے سہمی ہوئی آواز سے کہا کہ اگر تم ہم پر رحم کرو
تو ہم بتلائے دیتے ہیں۔ ہم مسلم بن عقیل کے فرزند ہیں۔ بے کس، بے مددگار
ہیں اور تیرے مہمان ہیں۔ یہ سن کر وہ ملعون مسکرایا اور بولا کہ تمہاری
ہی تلاش میں دن بھر مارا مارا پھرتا رہا ہوں اور تم میرے ہی گھر میں چھپے
ہو۔ یہ کہہ کر اس ملعون نے دونوں شہزادوں کے بازو پکڑے اور کھینچتا ہوا

حجرہ سے باہر لایا وہ ضعیفہ خوشامد کرتی رہی مگر اس ملعون نے کچھ پروانہ کی
اور اس ملعون نے بچوں کو رسیوں سے باندھ کر ایک حجرہ میں قید کر دیا۔ وہ مومنہ
کہتی رہی کہ اے ظالم خدا سے ڈر۔ یتیموں کے ساتھ رحم کر مگر اس منحوس ازلی
نے ایک نہ سنی۔ اس ملعون نے اس مومنہ کو قتل کر دیا اور بچوں کو صبح دم
لے کر گھر سے نکلا۔ کوئی نہ تھا کہ حارث سے ان بچوں کو چھوڑنے کو کہتا۔
یہاں تک کہ وہ ملعون ان بچوں کو لے کر نہر کے کنارے پہنچا۔ بچوں نے
اس سے پوچھا کہ اب تیرا کیا ارادہ ہے۔ اس نے کہا کہ تمہیں قتل کر کے تمہارے
سر ابنِ زیاد کے پاس لے جاؤں گا۔ بچوں نے بڑی منت سماجت کی مگر وہ
ملعون نہ مانا۔ بچوں نے کہا اچھا اگر قتل ہی کرنا مدنظر ہے تو ہمیں اتنی
مہلت دے کہ ہم دو رکعت نماز پڑھ لیں۔ اس نے مہلت نہ دی۔ جب وہ
قتل کرنے پر آمادہ ہوا تو بڑے بھائی نے اس سے کہا کہ اچھا تو پہلے مجھے قتل
کرتا کہ میں چھوٹے بھائی کا قتل ہونا نہ دیکھ سکوں۔ چھوٹے بھائی نے بھی کہا
کہ تو مجھے پہلے قتل کر دے۔ لیکن اس ملعون نے ایک بات بھی نہ سنی۔ تلوار
نکالی پہلے بڑے بھائی کا سر جدا کیا۔ پھر تلوار سے دوسرے بھائی کا سر کاٹا۔
اور اس نے پہلے بڑے کی لاش کو دریا میں ڈالا لیکن پانی پر تیرتی رہی اور جب
چھوٹے بھائی کی لاش بھی اس نے دریا میں پھینکی تو پھر وہ دونوں لاشے آپس
میں مل گئے اور لاشیں پانی میں بیٹھ گئیں۔

اللہ اللہ! یہ شہزادگانِ آلِ رسولؐ ایک مدت قید رہے اور پھر
جامِ شہادت نوش کیا اور نبیؐ و علیؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ روایت ہے کہ
جب اہلِ حرم کربلا سے کوفہ روانہ ہوئے اور دارالامارہ کے نزدیک پہنچے دیکھا

کہ لاشِ مسلمؑ لٹکی ہوئی ہے۔ زوجۂ مسلم نے لاشہ کو سلام کیا اور کہا اے میرے
سرتاج جب آپ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے میرے دو بچے آپ کے ہمراہ
تھے میرے بچے کیا ہوئے۔ اسے معلوم نہ تھا کہ دونوں بیٹے شہید ہو گئے ہیں۔

چوتھا قیدی

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

جب کبھی شام کا لفظ زبان پر آتا ہے تو سید سجاد بیمارِ کربلا۔ اسیرِ شام
حضرت امام زین العابدین کا تصور پیشِ نگاہ ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ
حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی کا ایک کافی حصہ قید میں گزرا،
لیکن حضرت امام زین العابدین کی قید۔ بہتر شہیدانِ کربلا کا صدمہ لئے ہوئے
ہوئے ہے۔ روایت ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے اور جنگ
ختم ہو گئی اس وقت تیس اشخاص اولادِ رسولؐ اور حسینؑ کے اصحاب
میں سے زمین پر پڑے تھے۔ عمر بن سعد ملعون نے اپنے کشتہ ہائے نجس کو دفن
کیا اور شہدائے کربلا کے سرہائے مبارک جدا کر کے فوجی سرداروں کو دے
انہوں نے سرہائے شہداء بلند کئے اور اہلِ حرم اس دن کوفہ کو روانہ ہو گئے
جب افواجِ شام سے کربلا خالی ہو گئی تو اہلِ غاضریہ قبیلۂ بنی اسد سے آئے
اور ان جسدہائے مطہر و بدنہائے پاکیزہ پر نماز پڑھ کے دفن کیا۔ علی اکبرؑ کو
پائیں پائے امام حسینؑ، علی اصغرؑ کو سینۂ امام حسینؑ پر رکھ کر دفن کیا اور

جمیع شہدائے کربلا کو جناب علی اکبر کے پائیں پا دفن کیا اور حضرت عباس علمدار علیہ السلام کو فرات کے نزدیک اسی جگہ دفن کیا۔ کہ جہاں آپ شہید ہوئے تھے۔ ابن شہر آشوب کہتے ہیں کہ اہلِ غاضریہ نے بیان کیا کہ جب ہم نے چاہا کہ مقتل شہیدوں کو دفن کریں۔ ان کی قبریں کھدی ہوئی ملیں اور مرغان سفید کہ جن سے خوشبو آرہی تھی۔ قبر امام حسینؑ کے پاس اُتر رہے تھے۔ امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام باعجازِ امامت تشریف لائے اور اپنے پدر بزرگوار پر نماز پڑھ کر دفن کیا۔

شیخ مفیدؒ اور سید ابن طاؤسؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت سید سجادؑ کو طوقِ گرانبار پہنایا گیا۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں۔ اہل حرم رسن بستہ اونٹوں پر سوار کیا گیا اور قافلہ کوفہ روانہ روانہ ہوا۔ اہلبیت رسالتؐ قریب کوفہ پہنچے۔ کوفہ کے لوگ تماشہ دیکھنے آئے۔ ایک عورت نے دریافت کیا اے قیدیوں تم کون لوگ ہو۔ اہل حرم نے کہا ہم آلِ رسولؐ ہیں جب اس عورت نے پہچانا تو اپنے کوٹھے سے اُتری اور جو کچھ اس کے گھر میں چادر و مقنعہ تھے لائی اور سب کے سروں پر چادریں ڈالیں۔ آلِ رسولؐ نے چادروں سے چہرے چھپائے۔ جب اہلحرم کوفہ میں داخل ہوئے کوفہ والوں نے دیکھا کہ امام زین العابدین علیہ السلام بہت ہی رنجور اور نحیف و کمزور ہیں دست مبارک میں ہتھکڑیاں ہیں اور مخدراتِ عصمت شترانِ برہنہ پر سوار ہیں۔ یہ دیکھ کر صدائے گریہ بلند ہوئی تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہم پر گریہ و بکا کرتے ہو تو ہمیں کس

نے قتل کیا ہے۔ اے کوفیو سوچو خدا و رسولؐ کو منہ دکھاؤ گے۔ اس کے بعد جناب زینبؑ خاتون نے ہاشمی لب و لہجہ میں خطبہ دیا۔ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ علیؑ کوفہ میں کلام کر رہے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم نے ہمیں قتل کیا اپنے رسولؐ کی آل پر ظلم کئے۔ فرزندِ رسولؐ کو قتل کیا۔ یہ سُن کر کوفہ کی عورتوں نے اپنے بال پریشان کر دیئے۔ نوحہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اب وہ وقت آیا کہ سرِ امام حسینؑ ابن زیاد کے دربار میں پیش ہوا اور اہل حرم رسن بستہ دربار میں لائے گئے۔ سیدِ سجاد طوق و سلاسل میں آئے۔ ابن زیاد ملعون نے سرِ امام حسینؑ پر چھڑی رکھی تو زید ابن ارقم نے کہا اے ابن زیاد چھڑی ہٹالے۔ میں نے دیکھا ہے کہ رسولِ خدا لبہائے حسینؑ کے بوسے لیتے تھے۔ غرضکہ دربارِ ابنِ زیاد کی مصیبتیں برداشت کیں اور وہاں سے یہ قافلہ شام کو روانہ ہوا۔

سہل بن سعد سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں شہر دمشق میں داخل ہوا میں نے دیکھا کہ شہر سجایا گیا ہے دکانوں پر پردے آویزاں ہیں۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں کوئی عید ہے جس کو ہم نہیں جانتے۔ لوگوں نے کہا کہ اے شیخ تم اس شہر میں تازہ وارد ہوئے ہو۔ میں نے کہا کہ میں سہل بن سعد ہوں اور میں صحابیِ رسولِ خدا ہوں۔ انہوں نے کہا اے سہل ہمیں تعجب ہے کہ آسمان سے خون کیوں نہیں برستا اور زمین کیوں نہ لپٹ گئی۔ نواسۂ رسولؐ خدا قتل ہو گیا اور سرِ امام حسینؑ نذرِ یزید کے لئے لایا گیا اور یہ حسینؑ کے اہلِ حرم ہیں اور یہ شخص جو طوق و سلاسل میں گرفتار ہے حسینؑ کا فرزند علیؑ ہے۔ اہلِ حرم دربار یزید میں داخل ہوئے اور جناب زینبؑ اہلِ حرم کی قافلہ سالار اور قیدیوں کی سردار تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جناب سیدہ

فاطمہ زہراؑ دربار میں موجود ہیں سہ
زینبؑ کو مل رہی ہے وراثت بتولؑ کی

(اختر مرحوم چنیوٹی)

یزید ملعون دربار میں بیٹھا ہوا ہے۔ سات سو کرسی نشین دربار میں موجود ہیں اور آلِ رسولؐ رسن بستہ کھڑے ہوئے۔ یزیدلعن نے شمر سے کہا کہ یہ کون ہیں۔ شمرلعن نے کہا کہ یہ بی بی جو سامنے کھڑی ہے علیؑ کی بڑی بیٹی زینبؑ ہے اور یہ قیدی جو طوق و سلاسل پہنے ہوئے ہے یہ حسینؑ کا بڑا بیٹا علیؑ ہے۔ جیسے ہی یزیدلعن نے سُنا کہا۔ الحمد للہ خدا نے تمہارے باپ کو قتل کیا۔ حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا لعنتِ خدا اس شخص پر جس نے میرے پدر بزرگوار کو قتل کیا۔ اس وقت اس ملعون کے سامنے سرِ حسینؑ رکھا ہوا تھا اور وہ چھڑی سے بے ادبی کر رہا تھا۔ فوادِ حسینیہ میں روایت ہے کہ یزیدلعن نے سید سجاد سے کہا کہ تم کو تمہارے بابا حسینؑ کس قدر پیارے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یزیدلعن کیا تو ہماری اور ہمارے بابا کی محبت کا امتحان لینا چاہتا ہے ہمارا قطرۂ خوں جب زمین پر گرتا ہے تو قلمِ قدرت اس خون سے زمین پر نام حسینؑ لکھتا ہے اور ہر قطرۂ خوں سے نام حسین بن جاتا ہے۔ سید سجادؑ طوق خاردار پہنے ہوئے تھے ذرا طوق کو ہٹایا خونِ سجاد کے قطرے زمین پر گرے اور نام حسینؑ رقم ہونے لگا۔

اس وقت یزیدلعن نے گھبرا کر اپنے خطیب کو حکم دیا کہ اذان کہے پس اس نے اذان کہی اس نے کہا اللہ اکبر امام علیہ السلام نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور فرمایا۔ اللہ اکبر۔ جب خطیب اذان دیتا ہوا اس جگہ پہنچا

کہ اس نے کہا اشہد ان محمد رسول اللہ تو آپ نے فرمایا کہ اے یزیدلعن تو اذان میں یہ کس کا نام لیتا ہے یہ تیرے نانا ہیں یا ہمارے۔ ہمارے نانا کا نام لیتا ہے اور ان کی ذریت کو قتل کیا اور ان کی نواسیوں کو اسیر کیا ہے۔ اذان ہوئی اور یزیدلعن نے حکم دیا کہ اہلِ حرم کو قیدخانہ لے جاؤ اہلِ حرم کو ایک ویران اور پُرانے قیدخانہ میں قید رکھا کہ جہاں دن کی دھوپ اور اوس پڑتی تھی۔ اہلِ حرم تقریباً ایک سال تک قید رہے اور جب وقت رہائی آیا تو اس نے قیدخانہ سے سید سجادؑ کو بلوایا۔ سید سجادؑ آئے۔ یزیدلعن نے کہا اے سید سجادؑ میں تم کو رہا کرنا چاہتا ہوں کوئی حاجت ہو تو بیان کرو۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنی پھوپی زینبؑ سے دریافت کر لوں۔ سید سجادؑ قیدخانہ میں آئے سارا واقعہ بیان کیا۔ بی بی زینبؑ خاتون نے فرمایا اے بیٹا کہہ دو کہ ہم حسینؑ پہ جی بھر کے رو نہ سکے۔ ہمیں ایک مکان دیا جائے تاکہ ہم حسینؑ پر روئیں۔ ماتم کریں۔ اور یہ بھی کہہ دو کہ ہمارا لُٹا ہوا سامان بھی دے دے۔ اور ہمیں ہمارے نانا کے روضہ پہ پہنچا دے۔ سید سجادؑ نے یہ باتیں یزیدلعن سے بیان کیں۔ قیدخانہ سے ایک مکان میں جو یزیدلعن کے محل کا ایک حصّہ تھا۔ اہلِ حرم کو دیا گیا اور سب نے ماتم حسین کیا۔ عورات آئی تھیں اور شریک ماتم ہوئی تھیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ماتم حسینؑ یزیدلعن کے گھر سے نکلا ہے۔ گویا مخالفین ہمارے ماتم پہ اعتراض کرتے ہیں۔ میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ بے شک ماتم یزیدلعن کے گھر میں برپا ہوا لیکن دربارِ یزیدلعن میں خوشیاں ہو رہی تھیں۔ عیش و طرب کی محفل آراستہ تھی۔ ماتم۔ مظلوم سے ہمدردی کی نشانی ہے وہ شیعوں نے

اختیار کیا ہے۔ مخالفین ماتم پر غور کریں کہ دربار یزید لعین کی خوشی کس کے نام الاٹ ہوئی ہے۔

سید سجادؑ قید شام سے رہا ہوئے اور اہل حرم کربلا ہوتے ہوئے مدینہ پہنچے اور ایک عرصہ کے بعد بعہدِ عبدالملک دوبارہ قید ہوئے ہمارے اس مظلوم و بے کس امام نے دوہری قید برداشت کی۔

پانچواں قیدی

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

جنہوں نے اسلامیات کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو معصوم ہستیاں اعدائے دین کی قید میں رہیں ان میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ذات اقدس کی مدت قید سب سے زیادہ ہے۔ بحارالانوار میں ہے کہ ہارون رشید مدینہ منورہ میں آیا۔ روضہ رسول پر گیا اس نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام نماز میں مشغول ہیں۔ اس نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ آپ کو قید کر لیں۔ ان ملعونوں نے امام عالیمقام کو روضۂ رسولؐ خدا میں قید کر لیا۔ اور اس حالت میں روضہ سے باہر لائے۔ یہاں تک کہ اس حالت میں سفر کیا اور بہ ہزار صعوبتیں طے کرتے ہوئے آپ بصرہ پہنچے۔ اور ہارون رشید نے آپ کو عیسیٰ نامی حاکم بصرہ کی سپرد کیا اور اس ملعون نے آپ کو قید میں رکھا۔ قید خانہ کا دروازہ صرف دو مرتبہ

کھلتا تھا ایک بوقت وضو اور دوسرے اس وقت کہ جب آپ کو کھانا ملتا تھا جب ایک سال اس طرح گزر گیا تب حاکم بصرہ نے ہارون رشید کو اطلاع دی کہ میں نے امام موسیٰ کاظمؑ جیسا عبادت گزار نہیں دیکھا ان کو قید میں رکھنا مناسب نہیں ہے۔ جب ہارون رشید کو یہ اطلاع ملی خیال کیا شاید اس نے کوئی سازش کی ہے۔ پس اس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بصرہ سے بغداد میں فضل بن ربیع حاکم بغداد کی قید میں رکھا اور تاکید کی کہ قید شدید کی جائے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس نے ایک تنگ و تاریک حجرہ میں آپ کو رکھا اور چار سال تک آپ وہاں رہے بعض روایات میں ہے کہ دس سال تک آپ وہاں رہے۔ ہارون رشید اس طرح کے بہانے تلاش کرتا رہا کہ آپ کو شہید کر دے لیکن کوئی حربہ کارگر نہ ہوا۔ آخر کار اس نے جماعت کفار سے پچاس آدمی بلائے اور ان سے کہا کہ قید خانہ میں ایک قیدی ہے اس کو قتل کرو۔ اس حکم کو سنتے ہی وہ لوگ قید خانہ میں پہنچے اور خود ہارون رشید ان کے حالات دیکھنے کے لئے موجود رہا اور ایک روزن سے دیکھتا رہا۔ جس وقت وہ لوگ داخل حجرہ ہوئے تو سب کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا اور سب نے تلواریں زمین پر رکھ دیں اور سب سجدہ میں جھک گئے اور امامؑ کو قتل نہ کر سکے۔ جب ہارون رشید نے یہ حالت دیکھی تو پریشان اور خائف ہوا اور ان کو واپس بلا لیا۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا سن مبارک ۲۰ سال تھا جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت واقع ہوئی تو آپ اس وقت

بیس سال کے تھے کہ ماموربہ امامت ہوئے۔ آپ کی مدت امامت پینتیس ۳۵ سال ہے۔ جب آپ ماموربہ امامت ہوئے اس وقت منصور دوانقی تختِ حکومت پہ متمکن تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں آپ پر کوئی سختی نہیں کی۔ اس کے انتقال کے بعد خلافت مہدی کا دور شروع ہوا۔ اس نے امام عالی مقام کو مدینہ سے بلوا کر عراق میں قید کیا۔ مگر بسبب مشاہدۂ معجزات آپ کو کوئی اذیت نہ دے سکا۔ اس کے بعد ہادی مسند حکومت پر آیا اور اس نے بھی آپ کو کوئی اذیت نہیں پہنچائی لیکن آپ قید میں بدستور رہے اور اس کے بعد جب ہارون رشید خلیفہ مقرر ہوا تو اس نے امام موسیٰ کاظم کو بغداد میں قید رکھا اور سندی بن شاہک نے ہارون رشید کے کہنے پر آپ کو زہر دیا جس سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی جوانی و پیری قید میں گزر گئی۔

پانچ معصومین کا بعد از رحلت کلام کرنا

پہلی ہستی حضرت مریم بنتِ عمران

دوسری ہستی حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام

تیسری ہستی جناب سلمان فارسیؒ

چوتھی ہستی حضرت امام حسن علیہ السلام

پانچویں ہستی حضرت امام حسین علیہ السلام

پہلی ہستی

جنابِ مریمؑ بنت عمرانؑ

خداوند عالم نے حضرت عمران کو وحی کے ذریعہ خبر دی کہ میں تمہیں ایک ایسا لڑکا عطا کروں گا کہ جو مادرزاد اندھوں کو بینا اور مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ بنی اسرائیل کا پیغمبر ہوگا۔ حضرت عمران نے اس بشارت کا ذکر اپنی اہلیہ سے کر دیا تھا ان کا نام حنہ تھا۔ انہیں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ میرے شکم میں جو بچہ ہے وہ لڑکا ہے۔ مگر جب پیدا ہوئی بیٹی تو کہنے لگیں خدایا یہ بیٹی ہے اور بیٹی بیٹے کی مانند نہیں۔ میں نے تو یہ منت مانی تھی کہ [illegible] کا ہوگا تو میں نذر بیت المقدس کروں گی۔ اب کیا کروں۔ لیکن چونکہ منت مان چکی تھیں مریم کو نذر بیت المقدس کر دیا۔ دامن مریمؑ میں پہلی فضیلت تو یہی ہے کہ آپ کی ولادت کی بشارت خدا نے دی ہے دوسری فضیلت یہ ہے کہ بطن مریمؑ سے پیدا ہونے والا بچہ بیت المقدس میں اہلبیت کی حیثیت رکھتا ہے۔ جناب مریم کی پرورش جناب زکریاؑ پیغمبر نے اور بیت المقدس میں پرورش ہوئی۔ بیت المقدس فضیلت تربیت مریمؑ میں مضمر تھی۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے امر سے ان کو بچہ عطا کیا جس کا نام عیسیٰؑ ہے اور آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ جب قوم مریمؑ نے

بغیر باپ کے بچہ آغوش میں دیکھا مریمؑ پر اعتراض وارد کئے۔ خداوند عالم نے گہوارہ میں عیسیٰؑ کو گویا کیا اور آپ نے فرمایا کہ میں بندۂ خدا ہوں مجھے خدا نے کتاب عطا کی ہے اور نبوت پر فائز کیا ہے۔ اس طرح مریم کی پاک دامنی سب پر ظاہر ہوئی خدا نے بھی فرمایا کہ اے مریم ہم نے تم کو برگزیدہ قرار دیا ہے اور تمام نساء عالمین میں سے تم کو منتخب کیا ہے لئے مریم اس کے شکریہ میں تم اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ جناب مریم کی پاکدامنی اگرچہ ظاہر و باہر ہے لیکن بیعنوان دگر ازالۂ اتہام ہے لیکن سیدۂ عالمین بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا عصمت کلیہ پر فائز ہیں۔ مریم کی آغوش میں صرف ایک فرزند عیسیٰؑ ہیں جو معجز نما ہیں اور جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی آغوش میں دو فخر عیسیٰؑ ہیں۔ عیسیٰ کو صرف ایک کتاب عطا ہوئی ہے مگر حسنؑ و حسینؑ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ پیغمبر خدا کلمۃ اللہ اور اولوالعزم نبی ہیں تو ان کی ماں جناب مریم بھی پاکیزہ، مقدسہ طاہرہ بی بی ہیں۔ روایات میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر چلے جانے سے پہلے جناب مریم کا انتقال ہوا جناب حسب معمول اپنی والدہ کے لئے کھانے پینے کی چیزیں لاتے تھے۔ اور جناب مریم استعمال کرتی تھیں۔ ایک دن جناب عیسیٰؑ جب اپنی والدہ ماجدہ کے لئے خوراک لے کر آئے دیکھا کہ حجرۂ عبادت میں جناب مریم لیٹی ہوئی سو رہی ہیں۔ جناب عیسیٰؑ نے خیال کیا کہ شاید سو رہی ہیں۔ لیکن کچھ دیر بعد جب جگایا اور وہ نہ اٹھیں اور نہ ہی کوئی جواب دیا تو سمجھے ماں نے انتقال

کیا۔ حضرت عیسیٰ نے گریہ فرمایا۔ غسل و کفن کا انتظام فرمایا۔ روایات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی ماں کو غسل دیا۔ کیونکہ صدیق کو غیر صدیق اور معصوم کو غیر معصوم غسل نہیں دے سکتا اور اس بنا پر حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو غسل دیا تھا۔

جنابِ عیسیٰؑ نے اپنی والدۂ ماجدہ کو غسل دیا پھر کفن پہنایا۔ روایات میں ہے کہ حضرت مریم نے کفن کے اندر سے حضرت عیسیٰؑ سے کلام کیا تھا۔ صنفِ معصومین میں پہلی ہستی جناب مریم کی ہے کہ جس نے بعد وفات اپنے بیٹے، عیسیٰ سے کلام کیا۔

دوسری ہستی

مخدومۂ کونین جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا صرف ۹۵ دن زندہ رہیں کیونکہ آپ کی وفات حسرت آیات ۳ جمادی الثانی سنہ ۱۱ھ کو واقع ہوئی جب کہ آنحضرتؐ کی رحلت ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ کو واقع ہوئی ہے۔

بحار الانوار میں منقول ہے کہ جب جناب معصومۂ دو عالم کی شہادت کا وقت قریب ہوا تو آپ نے اسماء بنتِ عمیس سے کہا کہ جب میرے

پدرِ بزرگوار نے رحلت فرمائی تو جبرئیل کافور جنت لے کر آئے تھے۔ بابا نے ⅓ حصہ کافور میرے لئے مخصوص فرمایا تھا جگہ کا پتہ دیا کہ جہاں وہ کافور رکھا ہوا تھا فرمایا کہ وہ کافور لے آؤ۔ اسماء حیران تھیں کہ کافور کیوں طلب کیا ہے۔ روایت ہے کہ جب آپ صاحب فراش ہو گئیں تو خداوند عالم نے مریمؑ اور حواؑ کو عیادت کے لئے بھیجا۔ آپ نے وصیتیں بھی کیں ان میں سے ایک یہ بھی وصیت تھی کہ اے علیؑ میرے بعد آپ امامہ کی بیٹی سے شادی کریں کیونکہ وہ میری اولاد سے زیادہ محبت کرتی ہے اور فرمایا کہ میری میت تختہ پر نہ اٹھانا۔ بلکہ تابوت بنا کر اس میں میت رکھنا اور رات کے وقت میرا جنازہ اٹھانا تاکہ کسی کی نظر میری میت پر نہ پڑے۔ تابوت کے نمونہ کے متعلق دو طرح کی روایتیں ملتی ہیں ایک یہ کہ تابوت کا نمونہ جناب اسماء بنتِ عمیس نے بنا کر معصومہ کی خدمت میں پیش کیا تھا جو آپ کو پسند آیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ملائکہ نے تابوت بنا کر پیش کیا تھا۔ جناب سیدۂ عالم نے امیرالمومنین ابن ابیطالبؑ کو رخصت کیا علی مسجد تشریف لے گئے اور جناب سیدۂ عالم چادر اوڑھ کر لیٹ گئیں۔ اور اسماء سے فرمایا کہ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد مجھے آواز دینا۔ اگر میں نے جواب دیا تو خیر ورنہ سمجھ لینا کہ میں اپنے بابا رسولِ خدا کے پاس پہنچ چکی ہوں۔ پس اسماء نے کچھ دیر انتظار کیا پھر آواز دی۔ اے بنتِ رسولؐ، اے مادرِ حسینؑ، اے سیدۂ عالم لیکن جب کوئی جواب نہ ملا تو چادر کا کونہ چہرہ سے ہٹا کر دیکھا معلوم ہوا کہ جناب سیدہ کا اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کو کوچ ہو گیا ہے۔ اسماء سے ضبط

نہ ہو سکا۔ ایک آہ پُردرد کھینچی یا سیدۂ عالم کہا اور لاشۂ معصومہ پر اپنے آپ کو گرا دیا۔ جناب زینبؑ وام کلثومؑ آئیں دیکھا کہ ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ فضہ نے درِ مسجد پر جا کر آواز دی۔ اے علیؑ سیدۂ عالم نے انتقال فرمایا۔ علیؑ کے گھر کہرام بپا ہو گیا۔ رسولؐ خدا کا غم۔ وا محمدا کی آوازیں بلند تھیں۔ زینبؑ واُم کلثومؑ تڑپ رہی تھیں۔ اسماء نے گریبان چاک کیا۔ اسی اثنا میں عورات بنی ہاشم پُرسہ کے لئے جمع ہو گئیں۔ علیؑ بھی مسجد سے گھر آ گئے۔ حسنؑ وحسینؑ دونوں شہزادے ماں کے جنازے کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ امیرالمومنین علی ابن ابیطالبؑ نے فرمایا کہ اے نبی کی بیٹی تیرے مرنے سے میرا سہارا ختم ہو گیا۔ تیری وجہ سے میرے دل کو تسلی تھی۔ اے فاطمہ تم آرام کی نیند سو گئیں۔ اب علیؑ ہے اور امت کے مظالم۔ پھر امیرالمومنین نے تابوت تیار کرایا۔ غسل دینے کا وقت آیا۔ حجرہ میں غسل دیا گیا۔ اسماء بنت عمیس، فضہ اور امیرالمومنین نے معصومہ کو غسل دیا۔ آپ غسل دیتے ہوئے لاش مبارک سے جُدا ہو گئے اور ایک طرف بیٹھ کر رونے لگے۔ اسماء نزدیک آئیں اور کہا اے علیؑ اس وقت اس قدر رونے کا کیا سبب ہے۔ فرمایا کہ اے اسماء سیدہ کی ٹوٹی ہوئی پسلی پر نظر پڑی .... جو بعد وفات اُمت کے ظلم کا سبب ہے علی جب غسل دے چکے تو حنوط کیا۔ کفن پہنایا۔ جب کفن کی گرہیں باندھنے لگے تو آواز دی اے زینبؑ۔ اے کلثومؑ۔ اے فضہ، حسنؑ حسینؑ آؤ اور اپنی ماں کا آخری دیدار کر لو۔ اس آواز کو سنتے ہی سب نے جنازہ کا رُخ کیا۔ اور شہزادے یہ کہتے ہوئے جنازہ کے نزدیک ہوئے کہ اب ہم پر ماں کا سایہ نہ رہا۔ ہماری

حسرت مٹنے والی نہیں۔ ہمارے نانا پہلے ہی ہم سے جدا ہو گئے اور اب ہماری مادر گرامی بھی ہمیں چھوڑ کر جا رہی ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ زینب وام کلثوم ماں کے جنازہ پر آئیں ماں کی آخری صورت دیکھی۔ امام حسنؑ آگے بڑھے اور ماں کی زیارت کی۔ امیرالمومنین نے دیکھا کہ جنازہ پر سب موجود ہیں مگر حسینؑ نہیں ہیں۔ کیا بات ہے۔ حسینؑ نے بھرآئی ہوئی آواز میں کہا بابا۔ اماں جان بلائیں گی تب آؤں گا۔ عزادارو لاش سیدۂ عالم تڑپ گئی۔ بندِ کفن کھل گئے اور آواز دی اے بیٹا حسینؑ آؤ۔ حسینؑ آؤ ماں تمہاری منتظر ہے۔ حسینؑ آگے بڑھے اور ماں کے سینہ پر سر رکھ دیا۔ اور فرمایا اماں اب ہمیں چھوڑ کے جا رہی ہیں۔ آسمان سے ہاتفِ غیبی کی ندا آئی ابوالحسن شہزادوں کو ان کی ماں کے لاشہ سے جدا کر لو۔ سلام ہو اس پارۂ جگر رسول خدا پر کہ جو زنانِ عالمین کے لئے مثل رسول تھی۔

تیسری ہستی

جناب سلمانؓ فارسی المعروف سلمانِ محمدیؐ

حضرت سلمانؓ فارسیؒ المعروف سلمان پاک کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے السلمان منا اھل البیت، یعنی سلمان ہمارے اہل بیتؑ سے ہے۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ جناب سلمان اپنے وقت

کے حجتِ خدا تھے اور آپ کی منزلتِ ذاتی کے لئے یہ بھی کافی ہے کہ آنحضرت نے جنگِ احزاب میں بغرضِ حفاظت چاروں طرف خندق کھدوائی تھی اور یہ مشورہ خندق تیار کرنے کا جناب سلمان فارسی نے دیا تھا جو آنحضرتؐ نے پسند فرمایا اور جب اصحابؓ نے خندق تیار کی تو سب سے زیادہ حصہ سلمانؓ فارسی کا تھا جس پر آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ السلمان منا اهل البیت اور اس دن سے سلمان فارسیؓ سلمان محمدی مشہور ہوئے اور جنگِ احزاب جنگِ خندق کے نام سے موسوم ہوئی۔ احزاب کا لفظ جمع ہے حزب کی اور حزب کے معنی ہیں گروہ کے، جنگ احزاب میں گروہ در گروہ مشرکین وکفار کے برسرِ پیکار تھے۔ اس لئے اس کو جنگِ احزاب کہتے ہیں مگر چونکہ جناب سلمان پاک کے مشورہ سے اس جنگ میں خندق کھودی گئی جو واقعاً مسلمانوں کی حفاظت کی ایک ضمانت تھی خندق کیا تھی حرزِ سلمان پاک تھا کہ کافر خندق پار کر کے مسلمانوں پر حملہ نہ کر سکے عمر بن عبدود عامری آیا مگر حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارا گیا اور فتح جنگِ احزاب کا سہرا حضرت علیؑ کے سر رہا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا لمبارزة علی ابن ابی طالب یوم الخندق افضل من اعمال اُمتی الیٰ یوم القیٰمة یعنی روز خندق علیؑ کا عمرو بن عبدود عامری کی جنگ کے لئے نکلنا میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے افضل ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ میں لفظ یوم الخندق ارشاد ہوا ہے جو کہ فتح جنگ کا پیش خیمہ ہے اور خندق جناب سلمانؓ محمدی کے مشورہ کی رہینِ منت ہے۔

جناب سلمان محمدی (فارسی) کی عظمت اور ان کا احترام خلفاء ثلاثہ

کے دور میں بھی رہا ہے۔ جناب سلمانؓ اپنے آپ کو عملی طور پر خادمانِ اہلِ بیت میں سے ایک ادنیٰ سا خادم سمجھتے تھے۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے زمانۂ خلافتِ ظاہری میں جناب سلمان فارسی مدائن میں گورنر مقرر تھے۔ شہر مدائن کاظمین سے ۲۴ میل انگریزی دور واقع ہے عراق میں عام طور پر مدائن کو سلمان پاک کہتے ہیں۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو حضرت امیر المومنین ابن ابی طالب علیہ السلام کوفہ سے مدائن پہنچے اس وقت آپ کا جنازہ تیار تھا۔ غسل وکفن ہو چکا تھا۔ جب امیر المومنین جنازہ کے قریب پہنچے تو سب نے دیکھا کہ جناب سلمان کفن پہنے ہوئے اُٹھے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو سلام کیا۔ حضرت علیؑ نے جواب سلام دیا۔ اور فرمایا اے سلمانؓ بس اب آرام کرو۔ پھر حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھی۔ اور آپ کو دفن کیا اس جگہ کہ جہاں آج کل آپ کا روضۂ مبارک ہے۔ اسی روضہ سے متصل کمرہ میں جناب حذیفہ یمانی رضؓ اور عبداللہ بن جابرؓ انصاری اصحابِ رسولؐ کے مزارات ہیں اور اس کی برابر ایک حجرہ میں محمد طاہر بن علی بن الحسین بن علیؑ کی قبر ہے (حضرت حذیفہ یمانیؓ اور عبداللہ جابرؓ انصاری کے مزار دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ کچھ برسوں پہلے جب دریائے دجلہ نے اس حصہ زمین کو اپنی لپیٹ میں لینا شروع کیا تو سابقہ حکومتِ عراق نے علماءِ کرام کے مشورہ سے ان دونوں صحابیوں کی میتوں کو نکلوا کر بڑے تزک واحتشام کے ساتھ روضۂ سلمان پاک میں دفن کر دیا۔) سلمان فارسی، سلمان محمدی ہو کر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مصداق بن گئے۔

چوتھی ہستی

حضرت امام حسن سبز قبا علیہ السلام

روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاویہ کو کامیابی ہوئی اور جعدہ بنت اشعث نے معاویہ کے کہنے پر سفوف الماس آپ کے کوزۂ آب میں ملا دیا اور جب معاویہ کو یہ خبر ہوئی کہ جعدہ نے آپ کو زہر سے شہید کر دیا تو وہ بہت خوش ہوا (ملاحظہ ہو تاریخ اعثم کوفی تذکرۃ خواص الامہ تاریخ ابی الفدا) یہ شب جمعہ ۲۸ صفر سنہ ۵۰ھ کا واقعہ ہے اسی شب حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اپنی بہن جناب زینب خاتون کو بیدار کیا اور ارشاد فرمایا کہ اے بہن میں نے ابھی اپنے نانا رسولِ خدا اور اپنے بابا علی مرتضیٰؑ اور ماں فاطمہ زہراؑ کو خواب میں دیکھا کہ ارشاد کرتے ہیں کہ اے حسنؑ تم نے ہمارے بعد بہت زیادہ مصائب برداشت کئے۔ بہن زینبؑ اب میں عنقریب اپنے بزرگوں کے پاس جانے والا ہوں۔ زینب خاتون سمجھ گئیں کہ حسنؑ اپنے مرنے کی خبر دے رہے ہیں۔ دل بیٹھنے لگا۔ آنکھوں میں فرطِ محبت سے آنسو بھر آئے مگر زینب خاتون نے صبر و ضبط سے کام لیا۔ امام حسنؑ نے کہا اے بہن وضو کے لئے پانی لاؤ۔ آپ نے پانی دیا، وضو فرمایا اور امام حسنؑ نے وہ کوزہ آب جو سر بمہر تھا اور آپ کے پاس رکھا تھا۔ اٹھایا۔ مہر کا معائنہ کر کے اس میں سے ایک جرعۂ آب پیا۔ پانی کا حلق سے اترنا تھا کہ جگر پارہ پارہ ہو گیا۔

فرماتے ہیں اے بہن زینبؑ یہ کیسا پانی ہے کہ جس نے میرے جگر کے ٹکڑے کر دیئے۔ اے بہن طشت لاؤ۔ طشت حاضر کیا گیا۔ اور امام حسنؑ کے جگر کے ٹکڑے گرنے لگے۔ زینبؑ خاتون رونے لگیں۔ تمام بیٹے بیٹیاں گرد و پیش جمع ہو گئیں۔ امام حسینؑ آئے اور بھائی قاسم کے گلے میں بانہیں ڈال دیں فرمایا کہ بھیا آپ بھی چھوڑے جاتے ہیں۔ امام حسن علیہ السلام نے قاسم کو پاس بلایا اور ایک پرچۂ کاغذ پر کچھ تحریر کیا اور قاسمؑ کے حوالے کیا۔ اور فرمایا کہ اے قاسم جب کربلا پہنچو اور تمہارے چچا نرغۂ اعداء میں گھر جائیں تو اس رقعہ کو پڑھنا اور اس پر عمل کرنا۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ امام حسنؑ مسموم کا جسم مبارک سبز ہونے لگا۔ از خود قبلہ رُو ہوئے کلمۂ شہادتین زبان سے ادا کیا اسرار امامت امام حسینؑ کو سپرد کئے اور روح جنت اعلیٰ کو پرواز کر گئی۔ اہل حرم میں کہرام برپا ہو گیا۔ عورات بنی ہاشم وامحمداہ کی آوازیں بلند کر رہی تھیں۔ انصار کی عورات ماتم کناں تھیں۔ امام حسینؑ نے آپ کو غسل دیا۔ کفن پہنایا اور امام حسنؑ کا جنازہ اٹھایا گیا۔ انصارؓ افراد بنی ہاشم جنازہ کے ساتھ ساتھ ہوئے۔ آپ کی اولاد اور بھائی شریک جنازہ ساتھ ساتھ بحسرت و یاس چل رہے تھے۔ امام حسینؑ نے روضۂ رسولؐ کا رُخ کیا کہ نانا کے پہلو میں دفن کریں۔

جنازہ روضۂ رسولؐ پہنچا ہی تھا کہ زوجۂ رسولؐ خدا بی بی عائشہ اچھی خاصی ایک جماعت لے کر روضۂ رسولؐ خدا پر آئیں اور دفن میں مانع ہوئی کہ حسنؑ کو روضۂ رسول میں دفن نہیں کیا جائے گا۔ جوانان بنی ہاشم نے تلواریں کھینچ لیں مگر وہ سب کے سب حکمِ امام حسینؑ کے منتظر تھے کہ حکم ہو

تو تلوار کھینچیں مگر امام حسینؑ نے روکا اور ادھر اعدائے اہلبیت نے تیر برسانے شروع کئے۔ جنازۂ امام حسن پر بھی تیر لگے اور روضۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنازہ پھر گھر واپس آگیا۔ عزادارو۔ کس طرح تحریر کروں۔ جب جنازہ امام حسنؑ کے گھر پہنچا ایک کہرام برپا ہوگیا۔ بہنوں نے تیر پیوست دیکھے معلوم حسنؑ کے جنازہ سے کس طرح تیر نکالے گئے۔ سُنا ہے کہ شاہنشاہ مصائب مولانا آغا حسین صاحب بھکر اعلی اللہ مقامہٗ پڑھا کرتے تھے کہ جب زینبؑ و ام کلثومؑ جسد بے روح سے تیر نکال چکیں قاسمؑ آگے آئے جنازہ کی طرف متوجہ ہوئے اول باباحسنؑ کو سلام کیا اور پھر کہا بابا جان قاسمؑ مجبور ہے کس طرح دشمنوں سے انتقام لے۔ ہائے ہائے مرنے کے بعد بھی لاش مطہر پر تیر لگے۔ امام حسین کے لاشہ کو حرکت ہوئی۔ ہاتھ بلند ہوئے آواز دی اے بیٹا قاسمؑ ادھر آؤ۔ ادھر آؤ۔ قاسمؑ لاش پر پہنچے اور گلے میں باہیں ڈال کر فریاد کرنے لگے۔ زینبؑ و ام کلثومؑ نے قاسمؑ کو بڑے پیار سے جدا کیا۔

جنازۂ امام حسنؑ دوبارہ اُٹھایا گیا اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

(ملاحظہ ہو تاریخ طبری

پانچویں ہستی

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام

حضرت علی اصغر کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام رخصت

آخر کے لئے خیمہ میں تشریف لائے۔ اہلِ حرم کو رخصت کیا۔ جناب زینبؑ و ام کلثوم سے رخصت ہوئے۔ صدائے شیون وگریہ وزاری خیمہ ہائے حرم سے بلند ہو رہی تھی۔ الوداع الوداع اے شاہِ شہیداں الوداع کی آوازیں بلند ہوئیں۔ جناب سکینہ نے مقنعہ سر سے پھینک دیا اور کہا اے بابا آپ مرنے جاتے ہیں ہمیں کس پر چھوڑے جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا اللہ خلیفتی علیکم۔ تم سب پر اللہ محافظ۔ حافظ ہے۔ اس کے بعد آپ نے اسرار امامت اپنے فرزند سید سجادؑ کو بتلائے اور وصیتیں کیں۔ یہ بھی مقاتل میں پایا جاتا ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اے بیٹا جب قید شام سے چھوٹ کر مدینہ پہنچو تو ہمارے دوستوں کو ہمارا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ شیعوں جب ٹھنڈا پانی پیو تو میری پیاس یاد رکھنا۔ راوی کہتا ہے کہ جب امام حسینؑ خیمہ سے برآمد ہوئے تو کبھی پردہ درِ خیمہ کا گرتا تھا کبھی پردہ اٹھتا تھا۔ اہلِ حرم نے رخصت کیا۔ میدان میں تشریف لائے۔ مبارز طلبی کی۔ جو کوئی حضرت کے مقابلہ کو آتا تھا حضرت اسے واصل جہنم کرتے تھے۔ بروایتے تین حملے امام حسینؑ نے کئے جس میں ہزاروں اعدائے دین کو قتل کیا لیکن اس وقت حضرت پر تشنگی کا غلبہ تھا مگر پانی کہاں تھا کہ جو امام حسینؑ تشنگی بجھاتے۔ عمر بن سعد نے لشکر کو حکم دیا کہ سب مل کر حملہ کریں۔ پس چاروں طرف سے حملہ شروع ہوا۔ امام حسینؑ زخموں سے چوچور ہو گئے۔ ذوالجناح پر سنبھل نہ سکے۔ زین سے زمین پر آئے۔ گویا قرآن ناطق رحل سے نیچے گرا۔ شمر ولدالحرام آگے بڑھا امام حسینؑ نے سجدہ میں سر رکھا اور شمر ملعون نے امام حسینؑ کا سر مبارک جُدا کیا۔ اس وقت فضائے کربلا میں سیاہ آندھیاں چلیں۔ زمین

کربلا میں زلزلہ آیا۔ فرات کے پانی میں تلاطم برپا ہوا۔ شہداء کے لاشے تڑپ گئے۔ منادی نے پکارا:

قتل الحسین بکربلا، ذبح الحسین بکربلا۔ کہ حسین قتل ہوگئے۔ سیدانیاں در خیمہ پہ آگئیں۔ دیکھا کہ ذوالجناح خالی ہے۔ جناب ام کلثومؑ ذوالجناح سے لپٹ کر بین کرنے لگیں۔ ذوالجناح جب تو گیا تھا تو میرا بھائی سوار تھا۔ اب تو آیا ہے تو سوار نہیں ہے۔ ذوالجناح حسینؑ کو کیا کیا۔ واحسیناہ واماماہ کی صدائیں بلند تھیں۔ حضرت زینبؑ فریاد کر رہی تھیں۔ وامحمداہ اے نانا یہ تمہارا حسین ہے کہ جس کی لاش زمینِ کربلا پہ پڑی ہے۔ ابھی اہلِ حرم گریہ وزاری کر رہے کہ فوج یزید لعین خیموں میں در آئی اور جو کچھ خیموں میں پایا لوٹ لیا۔ واحسرتا اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ خیام اہلبیت کو آگ لگا دی۔ جناب زینب سید سجادؑ کے پاس آئیں اور فرمایا بیٹا ہمارے خیموں میں آگ لگا دی ہے ہمیں حکم دو کیا کریں۔ امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ پھوپی اماں بالوں سے چہروں کو خیموں سے باہر نکل جاؤ۔ اہلِ حرم خیموں سے باہر نکلے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزرا۔ حضرت زینبؑ نے جلی ہوئی قنات کھڑی کی۔ بچوں کو اس میں جمع کیا۔ عورتوں کو بٹھایا۔ جب سارے بچے جمع ہو گئے دیکھا کہ سکینہ موجود نہیں ہیں۔ آپ نے اُم کلثومؑ سے فرمایا کہ اے بہن چلو سکینہ کو مقتل میں تلاش کریں۔ جناب زینبؑ وام کلثومؑ اور اس گھر کی کنیز جناب فضہ نکلیں۔ مقتل میں جا رہی تھیں۔ راستہ میں ایک سوار ملا۔ جناب فضہ نے اس سے سوال کیا کہ اے سوار ہماری کسی بچی کو روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اُس

نے کہا کہ اے ضعیفہ میں نے روتے ہوئے تو نہیں دیکھا البتہ میرا گزر ایک نشیب کی طرف سے ہوا تو ایک بچی کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ میں اس کے رونے کی آواز سن کر خود بے تاب ہو گیا۔ جناب زینبؑ وامِ کلثومؑ اور فضہ نے نشیب کا رُخ کیا۔ دیکھا کہ ایک لاش بے سر زمین پر پڑی ہے اور سکینہ اس لاش سے لپٹی ہوئی رو رہی ہیں۔ جناب زینبؑ نے سکینہ کا بازو پکڑا اور فرمایا بیٹی سکینہ بس رو چکیں خیمہ میں چلو اور یہ تو بتلاؤ تم نے کیونکر پہچانا کہ یہ تمہارے بابا کی لاش ہے۔ سر جدا ہو چکا ہے لباس بھی دشمن لے گئے ہیں۔ سکینہؑ نے کہا پھوپی اماں جب خیمے جل رہے تھے، میں خیمہ سے نکلی فریاد کرتی ہوئی مقتل کا رُخ کیا۔ کہہ رہی تھی یا ابتاہ اور کنی۔ اے بابا میری مدد کیجئے۔ جب میں اس نشیب کے پاس پہنچی تو لاش کے ہاتھ بلند ہوئے اور حلقوم بریدہ سے آواز آئی اِلَیَّ اِلَیَّ یا سکینہ اِلَیَّ۔ اے بیٹی سکینہ ادھر آؤ ادھر آؤ تمہارے بابا کا لاشہ یہاں پڑا ہوا ہے۔ پھوپی اماں جب بابا نے مجھے آواز دی میں لاشہ سے آکر لپٹ گئی۔ بابا نے دونوں ہاتھ میری گردن میں ڈال دیئے اور میں رو رو کر بین کرنے لگی۔ اس طرح امام حسینؑ نے بعد شہادت اپنی بیٹی سکینہ خاتون سے کلام کیا۔ پیار کیا اور تسلی و تشفی دی۔

پانچ مستورات کی میّتوں کو ایک مرد کا دفن کرنا

اہل بیت نبوت میں پانچ خواتین ایسی ہیں کہ جن کی میّت کو بے کسی کے عالم میں تنہا ایک مرد نے قبر میں اُتارا اور دفن کیا ہے۔

پہلی خاتون : حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

دوسری خاتون: حضرت ام لیلیٰ مادر علی اکبرؑ

تیسری خاتون: حضرت سکینہ دختر امام حسین علیہ السلام

چوتھی خاتون: حضرت زینب خاتون سلام اللہ علیہا

پانچویں خاتون: جناب فاطمہ دختر امام موسیٰ کاظمؑ

پہلی خاتون

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

ورقہ ابن عبداللہ ناقل ہیں کہ میں حج بیت اللہ کے لئے عازم سفر ہوا۔ اور میری یہ دلی تمنا تھی کہ اہلِ بیت نبوۃ میں سے اگر کسی فرد سے ملاقات ہوئی تو وفات سیدہ عالم فاطمہ زہرا کے حالات معلوم کروں گا۔ میں ایک دن طواف کعبہ میں مشغول تھا میں نے دیکھا کہ ایک ضعیفہ غلاف کعبہ پکڑے ہوئے دعا کر رہی ہے اس ضعیفہ کے چہرہ سے آثار تقویٰ و پرہیز گاری نمایاں ہیں وہ پیکرِ ایمان و مودۃ اہلبیتؑ بنی ہوئی ہے۔ اُس کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ پروردگار میرا ایمان ہے کہ تو علیم بالذات ہے تو مجھ سے اور میرے دل کی باتوں سے واقف ہے۔ تو مجھے جانتا ہے کہ میں کون ہوں میں اپنا تعارف اس لئے کرا رہی ہوں کہ لوگوں کو میری مخدومہ۔ سیدہ۔ طاہرہ۔ معصومہ فاطمہ زہرا سلام اللہ کی معرفت حاصل ہو۔ ورقہ ناقل ہیں پھر اس معظمہ نے کہا۔ میں اس کی کنیز ہوں جو صدیقہ و طاہرہ ہے۔ میں اس کی کنیز ہوں جس کی شان میں آیۂ تطہیر نازل ہوئی ہے میں اس کنیز ہوں جو تاجدار ہل اتیٰ کی شریک حیات ہے۔ میں اس کی کنیز ہوں جس کے عوض ملائکہ چکیاں پیستے تھے۔ میں اس کی کنیز ہوں جس کے گھر خوانِ نعمت جنت سے آتا تھا۔ میں اس کی کنیز ہوں جس کے بچوں کا جھولا

ملائکہ جھلاتے تھے۔ میں اس کی کنیز ہوں جس کی تسبیح شامل عبادت ہے اس کے بعد اس نے کہا حاجیو! مسلمانوں، لوگوں کو آؤ آؤ اس در پر سجدہ کرو جہاں امین وحی درود و سلام لے کر نازل ہوتے تھے۔ قرآن کی آیتیں اُترتی تھیں۔ سلمانؓ فارسی جیسا صحابی اس در کی جاروب کشی کو اپنے لئے سرمایۂ نجات سمجھتا تھا۔ مسلمانوں اس در کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ نجات چاہتے ہو، رضا، خدا چاہتے ہو اور یہ مطلوب ہے کہ رسولؐ خدا کی شفاعت نصیب ہو تو آؤ مخدومۂ کونین کے حالات سُنو۔ ورقہ ناقل ہیں کہ یہ سُن کر میں سمجھ گیا کہ یہ کوئی کنیز از کنیزان اہلِ بیت ہیں۔ طواف ختم کیا۔ اوران کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سوال کیا اے کنیزِ خدا میں یہ تو سمجھ گیا کہ آپ اہلِ بیتِ طاہرین کی کنیز ہیں خدارا آپ اپنا نام تو بتائیے تاکہ میں سیدہ طاہرہ فاطمہ زہرا دخترِ رسول خدا کی وفات کے حالات معلوم کر سکوں۔ جب اس ضعیفہ نے بی بی سیدہ کا نام سُنا ایک آہ سرد کھینچی اور کہا تو نے میرے غم میں اضافہ کر دیا۔ میں فضہ کنیزِ فاطمہ زہرا ہوں۔

جناب فضہؓ نے حضرت فاطمہؑ زہرا کی وفات کا حال کرنا شروع کیا۔ فرمایا اے ورقہ جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی سیدۂ عالمین دن رات رویا کرتی تھیں۔ پیغمبرؐ اسلام کی وفات نے پوری دُنیائے اسلام کو سوگوار بنا دیا تھا۔ رسولؐ کے نام لیوا صفِ ماتم پہ بیٹھے تھے۔ بنی ہاشم کے جگر پارہ پارہ ہو گئے تھے۔ آنکھیں پُرنم تھیں۔ زنانِ بنی ہاشم سیدۂ عالم کے ساتھ نوحہ کناں تھیں۔ سیدۂ عالم کا یہ حال تھا کہ مدینہ والوں نے حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب سے

کہا کہ اے سیدۂ عالم سے کہو کہ محض دن کو رویا کریں یا صرف رات کو۔ اہلبیتؑ کے رونے پر یہ پہلا قدغن تھا۔ امیرالمومنین نے علیحدہ ایک بیت الحزن بنوا دیا۔ جس میں سیدۂ عالم اپنے بابا رسول خدا کی وفات کے بعد رویا کرتی تھیں۔ حضرت فاطمہؑ زہرا جب دولتسرا سے برآمد ہوتیں تو چادر پورے جسم کو ڈھانپے ہوئے ہوتی تھی عیون اخبار رضا میں ہے کہ جناب ہاجرہ کا لباس ایسا طویل اور ڈھیلا ڈھالا ہوتا تھا کہ جو زمین پر کھینچتا جاتا تھا اور قبیلۂ جرہم کہ جس قبیلہ سے جناب ہاجرہ کا تعلق تھا تمام عورات ایسا ہی طویل پیراہن استعمال کرتی تھیں حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ سے کسی شامی نے سوال کیا کہ وہ عورت کون ہے جو سب سے پہلے اپنے زیر جامہ کو زمین پر کھینچتی ہوئی چلی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ وہ ہاجرہ تھیں چونکہ حضرت فاطمہ زہراؑ بھی عربی نژاد دختر تھیں ایسا ہی لباس پہنتی تھیں جو کہ پردہ کی انتہائی صورت ہے۔ کنیزانِ فاطمہؑ زہرا کو ایسا ہی پردہ دار لباس پہننا چاہئے۔ غرضکہ جناب سیدہ بعد وفاتِ رسول خدا صرف ۹۵ دن زندہ رہیں اور اپنے بابا کو روتی رہیں۔ فراق رسولؐ خدا اور پہلوئے شکستہ کی تکلیف سببِ وفاتِ سیدۂ عالم بنی اور فاطمہؑ زہرا نے انتقال فرمایا۔ اہلبیت نبوت میں یہ پہلی خاتون ہیں کہ جن کی رحلت کو شہادت کہا گیا ہے۔ جناب فاطمہؑ زہرا نے حضرت علیؑ سے فرمایا تھا کہ اے علیؑ میں فاطمہؑ بنتِ محمد ہوں، خدا نے میری شادی تم سے کی ہے۔ میں دنیا و آخرت میں تمہاری زوجہ ہوں۔ اے علی تم مجھے غسل و کفن دینا۔ تم خود

حنوط کرنا اور میرا جنازہ رات کو دفن کرنا کہ کوئی غیر میرے جنازے میں نہ آئے حضرت علیؑ نے غسل و کفن دیا۔ حنوط کیا اور جنازہ جنت البقیع میں لے کر پہنچے۔ قبر تیار تھی۔ اب کون تھا کہ جو سیدہ فاطمہؑ زہرا کی میت طاہرہ کو قبر میں اُتارتا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے اکیلے ہی پارۂ جگر رسولِ خدا، فاطمہ زہرا کی میت کو قبر میں اتارا۔ اس وقت دو ہاتھ برآمد ہوئے اس طرح ہاتھوں ہاتھ میت آغوش قبر میں رکھی گئی۔ دل چاہتا ہے کہ جناب سیدہ کی روح سے خطاب کروں۔ اے سیدۂ عالم آپ کی میت کو حضرت امیر المومنین نے باحترام دفن کیا۔ قبر پہ پانی بھی چھڑکا ہوگا لیکن کربلا میں آپ ہی گود کے پالے حسینؑ کی لاش بے سر ریگ کربلا پر پڑی ہے، کون ہے جو دفن کرے۔ آپ کے فرزند سید سجادؑ کے گلے میں طوق ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہیں اور آپ کی بیٹی زینبؑ کی چادر اعدائے دین نے چھین لی ہے۔ اگر بی بی کی چادر رہتی تو زینب اپنے بھائی کو کفن دیتیں۔

دوسری خاتون

حضرت ام لیلیٰ مادر علی اکبرؑ

جناب لیلیٰ دختر ابی مرہ ثقفی اور والدۂ جناب علی اکبر تھیں۔ ان معظمہ کے شرف کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ کے بطن سے وہ فرزند پیدا ہوا جو شبیہ رسول خدا تھا۔ روز عاشورا، محرم جب امام حسینؑ کے یار و انصار شہید ہو گئے تو آپ کے فرزند علی اکبرؑ اپنے پدرِ بزرگوار کے پاس آئے

اور رخصتِ میدان طلب کی۔ اس وقت اس شہزادہ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ حضرت علی اکبرؑ حسن و جمال میں بے مثال تھے۔ اور صورت میں حضرت رسولِ خدا سے مشابہ تھے۔ جب اہل مدینہ زیارتِ رسولؐ خدا کے مشتاق ہوتے تو زیارت علی اکبرؑ کرتے تھے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب علی اکبرؑ رخصت کے لئے حاضر ہوئے تو امام حسینؑ نے آسمان کی جانب دیکھ کر فرمایا خداوندا تو گواہ رہنا کہ اب میرا وہ نورِ نظر مرنے جاتا ہے کہ جو رفتار و گفتار، صورت و سیرت میں تیرے حبیبؐ سے مشابہ ہے۔ میں جب اپنے نانا کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو اپنے فرزند کو دیکھا کرتا اور جناب ام لیلیٰ بھی جس قدر فخر کرتیں وہ کم تھا کہ اہلبیتِ حسین میں یہ فرزند شبیہ پیغمبر ہے حضرت علی اکبرؑ کے شرف کے لئے یہی کافی ہے کہ اگر شانہ پر مہر ہوتی تو یہ معلوم ہوتا کہ رسولؐ خدا نے رجعت فرمائی ہے۔ جب اہل بیت کا لٹا ہوا قافلہ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام روانہ ہوا تو اسیرانِ کربلا میں یہ بی بی یعنی جناب ام لیلیٰ بھی اسیر تھیں منہاج الدموع میں ہے کہ جب اسیروں کا یہ قافلہ حلب میں پہنچا۔ شہر سے باہر یہ قافلہ ٹھہرایا گیا۔ بی بیاں اونٹوں سے اُتریں اور صحرا میں جلتی ہوئی ریت پر بیٹھیں۔ جناب ام لیلیٰ حضرت زینبِ عُلیا کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ اے زینبؑ خاتون میں نے خدا کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ اے پروردگار تو جانتا ہے کہ میں تیرے حبیبؐ کے نواسہ کی شریکِ حیات ہوں۔ حیدر کرارؑ کی بہو ہوں۔ عباس علمدار کی بھاوج ہوں۔ میں دربار شام میں جانا نہیں چاہتی۔ میرے قرابتدار وہاں

موجود ہوں گے جب مجھے اسیری کی حالت میں دیکھیں گے تو مجھے صدمہ ہوگا۔ میں یہ جانتی ہوں کہ ہمارا اسیر ہونا راہِ حق میں ہے جو باعثِ عزت ہے لیکن وہ بدبیں لوگ، یزیدلعہ کے درباری اس حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ میں دعا کر رہی تھی اور میرا غیرت دار فرزند علی اکبرؑ میرے پیشِ نظر تھا۔ میں دعا کر چکی۔ نیند آگئی۔ خواب میں دیکھا کہ میرے سرتاج حسینؑ تشریف لائے ہیں۔ زخموں سے چور چور ہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ اے لیلیٰ اب تم عنقریب ہم سے ملو گی۔ علی اکبرؑ تمہیں یاد کرتے ہیں۔ جب بی بی ام لیلیٰ نے یہ بیان کیا۔ یہ سیدانیاں رونے لگیں۔ شب نمودار ہوئی۔ بی بیوں کی آنکھ لگ گئی اور جناب ام لیلیٰ گرم ریت پر سو گئیں۔ جناب زینب خاتون جانتی تھیں کہ ام لیلیٰ کا یہ خواب۔ اسیری کے ختم ہونے کی نشانی ہے۔ ایک مرتبہ بی بی زینبؑ بیکس نے ام لیلیٰ کے چہرہ پہ نظر کی تو آثارِ موت پائے۔ آپ سید سجادؑ کے پاس آئیں فرمایا بیٹا سجادؑ ام لیلیٰ ہم سے جدا ہو گئیں۔ ہم بیکس ان کے رونے کے لئے رہ گئے۔

اب دربارِ شام ہے اور ہم بیکس و بے یار و مددگار ہیں وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ سید سجاد طوق و رسن میں گرفتار اماں کے قریب آئے دیکھا کہ ان کی روح جنّت کو پرواز کر گئی ہے۔ اہلِ حرم میں ماتم برپا ہو گیا سکینہؑ رو رہی تھیں۔ بی بیاں خاک صحرا پہ بیٹھی نوحہ کر رہی تھیں۔ اے ام لیلیٰ جب فاطمہؑ زہرا کی خدمت میں پہنچو تو ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ اے سیدہؑ عالم ذرا جنت البقیع سے آئیے اور دیکھئے آپ کی بیٹیاں خاک صحرا پہ بیٹھی ہوئی ہیں۔ ام لیلیٰ کی میّت رکھی ہوئی ہے۔ کسے معلوم کیوں کر

اہلِ حرم نے غسل دیا۔ کیوں کر کفن دیا۔ کس طرح حنوط کیا۔ جنازہ تیار ہوا سید سجادؑ نے جنازہ اُٹھایا۔ ایک طرف زینبؑ و ام کلثومؑ جنازہ اُٹھا رہی تھیں۔ اس شان سے اہلِ حرم میں کوئی جنازہ اُٹھا تھا۔ اُم لیلیٰ آپ کا جنازہ تو اُٹھایا گیا۔ مگر آپ کے نورِ نظر علی اکبرؑ کی لاش جگر میں سناں پیوست ریگِ گرم پر کربلا میں پڑی ہے۔ جناب ام لیلیٰ کی میت کو قبر کے پاس لائے۔ مستحب ہے کہ میت کو قبر میں مرد اُتارے۔ سید سجادؑ نے میت کو سپردِ آغوشِ قبر کیا۔ قبر سے ہاتھ بلند ہوئے اور آواز آئی۔ اے سجادؑ ہماری ماں کا جنازہ ہمیں دے دیں۔ جنازہ قبر میں رکھا۔ قبر بند کی اب وہ وقت آگیا کہ اسیرانِ بلا۔ شام کے لئے روانہ ہوں۔ اہلِ حرم اونٹوں پر سوار ہوئے اور ام لیلیٰ کی قبر اکیلی رہ گئی۔ کون تھا کہ جو شمع روشن کرتا۔ کون تھا کہ جو قبر پر پانی چھڑکتا۔ خدا حافظ کہتے ہوئے اہلِ حرم کا قافلہ روانہ ہو گیا۔

تیسری خاتون

حضرت سکینہؑ دخترِ امام حسین علیہ السّلام

بصائر الدرجات میں حضرتِ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب اہلِ حرم داخل دربار یزید ملعون ہوئے۔ یزیدلعہ نے ہر ایک قیدی کا جائزہ لیا۔ بعد ازاں اہل حرم کو ایک خرابہ میں قید کیا۔ اہل بیت میں سے کسی بی بی نے کہا کہ یزیدلعہ نے ہم کو اس مکان میں اس لئے قید کیا ہے کہ

یہ مکان ہمارے سروں پر گر پڑے۔ جو لوگ قید خانہ کے پاسبان تھے وہ آپس میں بزبان رومی کہنے لگے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان قیدیوں کو خبر نہیں کہ یزید ملعون صبح کو ان کو قتل کرا دے گا۔ ان لوگوں کو یہ خیال تھا کہ یہ قیدی رومی زبان نہیں جانتے۔ حضرت زین العابدین چونکہ امام وقت تھے تمام زبانوں سے اپنے علم لدنی کی بنا پر واقف تھے فرمایا کہ خدا نہ چاہے گا کہ یزید لعین ہمیں قتل کرے۔ امام علیہ السلام نے بھی رومی زبان میں یہ بات کہی تھی یہ بھی روایات میں ہے کہ یزید ملعون نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو ایسے مکان میں قید کیا تھا کہ جو صرف بوسیدہ حالت میں ہی نہ تھا بلکہ وہاں سایہ بھی نہ تھا دن کی دھوپ رات کی اوس پڑتی تھی جس سے اطفال حسینی پھولوں کی طرح مرجھائے ہوئے پھولوں کی طرح ہو گئے تھے۔ امام حسینؑ کی بیٹیوں میں جناب سکینہ سب سے کم سن تھیں ایک شب جناب سکینہؑ نے خواب میں دیکھا کہ امام حسینؑ تشریف لائے ہیں اس بچی نے جیسے ہی اپنے بابا حسینؑ کو دیکھا خواب میں فریاد کرنے لگیں بابا اس خرابۂ شام میں یہاں کی خاک ہمارا بستر ہے۔ دن کی دھوپ ہماری چادر ہے بابا کس قدر بے رحمی اور جفا کے ساتھ یہ لوگ پیش آتے ہیں۔ خواب ہی میں امام حسینؑ نے سکینہؑ کو گود میں لیا۔ پیار کیا۔ فرمایا کہ اے بیٹی سکینہ اب تمہاری مصیبت کا وقت ختم ہونے والا ہے۔ بچی کی آنکھ کھلی تو پھر وہی زندان شام تھا۔ سکینہ خاتون اپنے بابا کو یاد کر کے روتی تھیں۔ یہ زندان یزید لعین کے محل کے قریب تھا اس لئے ان بے کس قیدیوں کو بلند آواز سے رونے کی اجازت نہ تھی۔ ایک مرتبہ جناب سکینہ بے چین ہو کر بلند آواز سے روئیں۔ اہلِ حرم اُن

خموش کرتے تھے مگر سکینہ کا رونا کم نہ ہوتا تھا۔ کبھی زینب خاتون پیار کرتی تھیں اور کبھی اُم کلثوم پیار کرتیں اور بہلاتی تھیں مگر سکینہ کا رونا کم نہ ہوا آخر کار یزیدؑ کو پیغام بھیجا کہ تھوڑی دیر کے لئے سر حسینؑ زندان میں بھیج دے تاکہ سکینہؑ اپنے بابا کی زیارت کر لے۔ یزیدؑ نے ایک طشت میں سر امام حسینؑ زندان میں بھیج دیا۔ جیسے ہی یزیدؑ کے آدمی سر لے کر پہنچے اور اہلِ حرم کی نگاہیں سر حسینؑ پر پڑیں بیساختہ گریہ و بکا کی آواز بلند ہوئیں واحمداہ واعلیاہ کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ سکینہ خاتون نے جب سر حسینؑ دیکھا تو منہ پر منہ رکھ دیا۔ ہا، بابا، ہائے بابا کہتی تھیں، سکینہؑ سر حسینؑ سے لپٹی ہوئی تھیں کہ سکینہؑ کی روح نے جنت کو پرواز کی جناب زینبؑ نے جب بچی کو سر حسینؑ سے جدا کرنا چاہا اور شانہ پکڑ کر ہلایا۔ اے بیٹی سکینہؑ بس رو چکیں۔ اب بابا کے سر سے الگ ہو جاؤ۔ لیکن معلوم ہوا کہ سکینہ کی روح پرواز کر چکی ہے۔ اس وقت زینبؑ خاتون نے فرمایا بیٹا سجادؑ سکینہ حسینؑ کے پاس چلی گئی۔ بیٹا چراغ حرم آج زندان شام میں گل ہو گیا ؎

جب گُل ہوا چراغ حرم ملک شام میں
یعنی سکینہؑ مر گئی قیدِ شام میں

قید خانہ میں ایک کہرام برپا تھا۔ جب یزیدؑ کو اطلاع ہوئی تو اس نے اپنی کنیز کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ کفن و دفن کا جو سامان درکار ہو منگا لیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے جواباً کہا ہمیں سامان کی ضرورت نہیں ہے صرف ایک چھوٹی سی جگہ قبر کے لئے درکار ہے۔ چنانچہ یزیدؑ نے

اس بچی کی قبر کی اجازت دی۔ خدا معلوم کیونکر سید سجادؑ نے قید خانہ میں غسل دیا کیونکر کفن پہنایا۔ روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس معصوم بچی کو اسی خون بھرے کرتے میں سپردِ خاک کیا۔ سید سجادؑ قبر کے نزدیک سکینہؑ کی میت کو ہاتھوں پہ لائے۔ تمام بی بیاں جلوسِ جنازہ میں شریک تھیں۔ یہ پہلا جنازہ تھا کہ جس میں عورتیں بچے مشایعتِ جنازہ کر رہے تھے۔ سید سجادؑ نے قبر میں سکینہؑ کی میت اُتاری۔ دو ہاتھ قبر میں بلند ہوئے اور باہوں پر سکینہؑ کی میت کو لے لیا۔ نہ معلوم کیونکر قبر بند کی۔ کس نے مٹی ڈالی۔ سید سجادؑ نے قبر بنائی اور سکینہؑ آج بھی زندانِ شام میں آرام کر رہی ہیں۔

چوتھی خاتون

حضرت زینب خاتون سلام اللہ علیہا

روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مخدراتِ عصمت و طہارت ایک سال قیدِ شام میں رہے اور جب رہا ہوئے تو شام سے کربلا پہنچے علامہ سلیمان قندوزی حنفی نے اپنی مشہور کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جب شام سے واپس آکر مدینہ سے باہر خیمہ زن ہوئے تو بشیر ابن جذلم کو اپنی آمد کی اطلاع کے لئے مدینہ بھیجا۔ جب بشیر ابن جذلم نے مدینہ کی گلیوں میں امام زین العابدینؑ اور حضرت زینب و اُم کلثومؑ کی تشریف آوری کا اعلان کیا تو تمام مدینہ کے مرد و زن گھروں سے باہر نکل پڑے۔ بشیر ابن جذلم نے روضۂ

رسولؐ خدا کا رُخ کیا اور کہا اے اہلِ مدینہ اب مدینہ تمہارے رہنے کی جگہ نہیں رہا۔ حسینؑ قتل کر دیئے گئے پس میرے آنسو جاری ہیں۔ بشیر کہتا ہے کہ روضۂ رسولؐ خدا میں کہرام برپا ہو گیا۔ زنانِ بنی ہاشم ماتم کرتی ہوئی زینبؑ و اُم کلثومؑ کے پاس پہنچیں اور جب اہلِ حرم مدینہ میں داخل ہوئے وا حسیناہ، وا مظلوماہ کی صدائیں بلند تھیں۔ اہلِ حرم کا یہ لٹا ہوا قافلہ ۸۔ ربیع الاول ۶۲ھ کو مدینہ واپس پہنچا ہے امام زین العابدینؑ مدینہ میں خاموش زندگی بسر کرنے لگے لیکن امام حسین کی شہادت کا شہرۂ عام طور پر ہو چکا تھا گھر گھر صعت ۶۰۱ ائے حسینؑ بچھی ہوئی تھی اور لوگوں کی ہمدردیاں اور رجحان آلِ رسولؐ کی طرف نمایاں ہونے لگا تھا۔ یہ چیز عبدالملک جو اس وقت بادشاہ تھا گراں گزری۔ اس نے حضرت امام زین العابدینؑ کو دوبارہ قید کرنے کا حکم دیا جب سید سجادؑ دوبارہ قید ہوئے تو حضرت زینب خاتون ہمراہ تھیں کہ شام کو روانہ ہوئے۔ شہر شام میں پہنچنے سے پہلے ایک باغ میں قیام کیا۔ جب اہلِ حرم کربلا سے اسیر ہو کر شام جا رہے تھے تو زینبؑ خاتون اور اہلِ حرم نے اس باغ میں شب بسر کی تھی اور امام حسین علیہ السلام کا سرِ اقدس ایک درخت میں آویزاں کیا گیا تھا۔ اب جبکہ زینب اس باغ میں پہنچی ہیں اس درخت کے نزدیک آئیں اور اس کے تلے بیٹھ کر اپنے بھائی حسین کا ماتم کرنے لگیں۔ اے بابجائے اب زینبؑ پھر آئی ہے مگر تمہارا سر موجود نہیں۔ ما بجائے زینبؑ مدینہ میں تمہارے قتل کی سنائی دے آئی ہے۔ زینبؑ خاتون یہ بین کر رہی تھیں کہ اس باغ کا نگران آیا۔ اس کے ہاتھ میں بیلچہ تھا۔ پوچھا اے ضعیفہ

یہ کون ہیں فضہ نے کہا کہ یہ بنت علیؑ خواہر حسینؑ زینبؑ خاتون ہیں جو اپنے
بھائی حسینؑ کو رو رہی ہیں۔ اس درخت میں حسینؑ کا سر لٹکایا گیا تھا وہ ملعون
دشمن اہلبیت تھا اس نے وہ بیلچہ بی بی زینبؑ کے سر مبارک پر مارا جس
کی وجہ سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ فضہ سید سجادؑ کے پاس آئیں اور
کہا اے سجاد تمہاری پھوپی انتقال کر گئیں۔ سید سجادؑ آئے دیکھا کہ
پھوپی کا آج سفر تمام ہو گیا۔ آہ زینب خاتون نے اپنی زندگی میں مدینہ
سے کربلا اور کربلا سے مدینہ تک سفر کیا اور یہ آخری سفر تھا۔ سید سجادؑ نے
قبر تیار کرائی۔ جناب فضہ نے غسل دیا۔ میرا ایمان ہے کہ جنت سے حواؑ
سارا، مریم وام کلثوم آئی ہوں گی۔ جب جنازہ تیار ہو گیا۔ اب مرحلہ
باقی تھا قبر میں اتارنے کا۔ نہ معلوم سید سجادؑ نے اس تنہائی کے عالم میں
پھوپی کی میت کو کیسے قبر میں اتارا ہوگا۔ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ
جب آپ نے قبر میں میت کو اتارا۔ دو ہاتھ قبر میں بلند ہوئے۔ آواز
آئی۔ لاؤ سجادؑ ہماری امانت کو ہمیں دے دو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ فاطمہ زہراؑ آئی ہیں اور زینبؑ خاتون کی میت کو اپنے ہاتھوں پر لیا
کیونکہ زینبؑ نے کربلا میں وہ وہ صدمے اٹھائے تھے کہ واقعۂ کربلا
میں زینبؑ شریکۃ الحسینؑ بنی ہوئی ہیں اور اب زینب خاتون شام
میں سو رہی ہیں اور آپ کا روضۂ مقدسہ مرکز زیارت بنا ہوا ہے۔

پانچویں خاتون

جناب فاطمہؑ دختر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

یوں تو ہر ایک بہن کو اپنے ماں جائے بھائی سے محبت ہوتی ہے لیکن
اہل بیت نبوت میں کچھ ایسی خواتین گزری ہیں کہ جن کو اپنے اپنے بھائی
سے محبت تھی۔ ان خواتین میں سے ایک جناب فاطمہ دختر امام موسیٰ کاظم
علیہ السلام ہیں جو آج کل معصومۂ قم کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔

ابن بابویہؒ نے روایت کی ہے کہ جب مامون رشید نے حضرت امام
رضا علیہ السلام کو مدینہ سے طلب اور اس کے گماشتوں نے چاہا کہ امام رضا
علیہ السلام کو مدینہ لے جائیں تو آپ نے اپنے عیال پریشاں حال کو جمع کیا اور
ان کے سامنے سفر کی کیفیت بیان کی اور اپنی شہادت کی خبر بھی دی کہ
میں اس سفر سے واپس نہ آؤں گا نانا کا روضہ اور مدینہ مجھ سے چھوٹ
رہا ہے۔ اس وقت اہل حرم میں ایک کہرام برپا تھا۔ آپ کی بہن جناب
فاطمہ بھی اشک برسا رہی تھیں۔ بھائی کی جدائی شاق گزر رہی تھی۔ مگر
امام رضا آپ کے صرف بھائی ہی نہیں تھے بلکہ امام منصوص من اللہ تھے۔
ان کی اطاعت واجب تھی بھائی کو وداع کیا مگر تحت شعور یہ ارادہ کر لیا کہ
اگر بھائی واپس نہ آئے تو میں بھائی کی زیارت کے لئے سفر برداشت کروں گی
امام رضا علیہ السلام نے سفر طوس اختیار کیا۔ مدینہ چھوڑا سفر کی صعوبتیں
برداشت کرتے ہوئے طوس پہنچے۔ جب ایک عرصہ گزر گیا تو جناب فاطمہؑ

کو بھائی کی جدائی بہت شاق گزری اور آپ نے عزم سفر کیا۔ مدینہ سے روانہ ہوئیں۔ مختصر ترین ہمراہی، ایک خادم ساتھ ساتھ تھی۔ طویل سفر، مشکلوں کا سامنا کرتی ہوئی بی بی فاطمہؑ ایک ایسی منزل پر پہنچیں کہ جہاں سے شہر قم ساٹھ ستر کلو میٹر کے فاصلہ پر تھا۔ اثنائے راہ، جناب فاطمہؑ پر سفر کی تکان غالب ہوئی، پژمردگی کا عالم تو پہلے ہی سے تھا۔ بھائی یاد دل و جگر کو پارہ پارہ کر رہی تھی۔ لب پہ نام رضاؑ دل میں یادِ خدا۔ خدا کرے کہ بھائی سے جلد ملاقات ہو۔ اس منزل پہ پہنچ کر قدرے قیام کیا تھا کہ اہل بستی کو جو اہل بیتؑ طاہرین کی مودت میں سرشار تھے خبر ہوئی کہ سیدہ فاطمہ بنتِ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہمارے شہر میں آئی ہیں۔ سب لوگ جمع ہو کر حاضر خدمتِ سیدہؑ معصومہ ہوئے اور میزبانی کا شرف حاصل کرنے کی تمنا ظاہر کی۔ بی بی سیدہ نے ان سے کہا کہ میرے بابا نے ان سے کہا کہ میرے بابا نے فرمایا تھا کہ ہمارا ایک محب، شیعہ موسیٰ بن خزرج نامی قم میں رہتا ہے اگر تم سے ہو سکے تو ہمارے یہاں پہنچنے کی خبر اس کو کرو۔ لوگوں نے موسیٰ بن خزرج کو خبر پہنچائی۔ اس نے جب سنا کہ امام زادی سیدہ فاطمہ خواہرِ امام رضا یہاں آئی ہیں اور قم آنا چاہتی ہیں بہت خوش ہوا کہ ہمیں خدا نے یہ موقع بخشا کہ امام زادی سیدہ فاطمہ ہمارے گھر قدم رنجہ فرمائیں اور ہمیں برکت حاصل ہو۔ موسیٰ بن خزرج قم سے یہاں پہنچا اور جلوس کی شکل میں جناب فاطمہ قم میں داخل ہوئیں لیکن یہ وہ دن تھے کہ قم میں خبر شہادت امام رضاؑ غریب پہنچ چکی تھی۔ پورا شہر قم ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ ہر ایک مرد و عورت سیاہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ قم والے جب

استقبال کے لئے جمع ہوئے تو ان کی خوشیاں ماند پڑ گئی تھیں۔ امام رضاؑ کی شہادت کے اثر نے اس وقت خوشیوں کو غم و رنج سے بدل دیا تھا۔ ادھر جناب فاطمہ کی سواری قم میں داخل ہوئی خادم نے کہا اے سیدۂ عالم تمام لوگ سیاہ پوش ہیں۔ علم کے پرچم بھی سیاہ ہیں۔ آہ رضاؑ غریب کی آوازیں بلند ہوئیں۔ مخدرات قم جمع ہوئیں۔ پردے کا اہتمام ہوا۔ یہ شہر قم تھا کہ دختر امام موسیٰ کاظم کا استقبال کیا گیا۔ ہائے شام میں جب زینبؑ بنت علیؑ پہنچی ہیں تو سر کھلا ہوا تھا۔ تماشائیوں کا ہجوم تھا

بہر حال خواتین قم نے جناب معصومۂ قم کو اپنے حلقہ میں لیا اور ایک پاکیزہ مکان میں ٹھہرایا۔ عورات جوق در جوق زیارت کے لئے آتی رہیں۔ چند روز گزرے تھے کہ آپ سے کسی نے کہا اے شہزادی آپ کے امام رضاؑ تو زہر سے شہید ہو گئے ہیں۔ بی بی فاطمہؑ نے سنا ہائے بھائی کہا۔ واحسرتا میں بھائی کی زیارت سے محروم ہو گئی۔ ایسا صدمہ طاری ہوا کہ آپ کی روح نے داغ مفارقت دیا۔ شہر قم غم کی فضا میں ڈوب گیا ابھی امام رضاؑ کا صدمہ کم نہ ہوا تھا کہ خواہر امام رضاؑ کی رحلت نے غم میں اضافہ کر دیا۔ برگزیدہ عورات شہر قم نے غسل دیا۔ اعلیٰ قسم کا کفن دیا گیا۔ حنوط کیا گیا۔ وہاں کے عالم وقت نے نماز میت پڑھائی۔ قبر کے نزدیک جب میت کو لے گئے تو سوال پیدا ہوا کہ میت کو کون قبر میں اُتارے۔ عورتیں میت کو قبر میں نہیں اُتار سکتیں۔ میت کو قبر میں اُتارنے والا کوئی محرم مرد نہ تھا۔ دخترِ رسولِ خدا کی میت کو کون سپرد قبر کرے۔ لوگوں نے علمائے قم کی طرف رجوع کیا۔ ایمان کی پختگی دیکھنے کے قابل ہے۔ علمائے اعلام

نے فرمایا کہ مشہد کی طرف رُخ کرکے امام رضا علیہ السلام سے فریاد کرو کہ اے مولا - اے وارثِ شریعتِ رسولؐ آپ کی بہن کی میت رکھی ہوئی ہے ہم کس طرح قبر میں اُتاریں - چنانچہ موسیٰ بن خزرج ایک اونچے سے ٹیلے پر گئے - مشہد مقدس کی طرف رُخ کیا اور استغاثہ بلند کیا - اے امام ابن امام اے علی بن موسیٰ رضا - اے کائنات میں وارثِ شریعتِ رسول - آپ کی بہن کی میت پڑی ہے قبر میں کون اُتارے - ممکن ہے کہ معترضین اس روایت کو نہ مانیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام رضا علیہ السلام وارثِ شریعتِ رسول بھی ہیں، ولی خدا بھی ہیں مشکل کشا خلق بھی ہیں اور ضامن وثامن بھی ہیں - یہ آواز گوش زد ہوئی - باعجاز آپ وہاں تشریف لائے - جب آپ بہن کے جنازہ پر پہنچے تو کفن ہٹا کر بہن کا چہرہ دیکھا میرا دل کہتا ہے کہ جناب معصومہ قم کی روح کو تسکین ہوئی ہوگی - امام علیہ السلام نے میت کو ہاتھوں پر اُٹھایا اور چاہتے ہیں کہ میت سپردِ قبر کریں کہ قبر میں دو ہاتھ بلند ہوئے اور آواز آئی کہ رضا لا میری بیٹی کو مجھے دے دو - رضا، غریب مشہد سے بہن کے جنازے پر پہنچے اور امام موسیٰ کاظم - کاظمین سے قم پہنچے - امام رضا نے اپنی بہن کو دفن کیا اور پھر نظروں سے غائب ہوگئے -